ادھورے عشق کا قصّہ

شمسہ فیصل

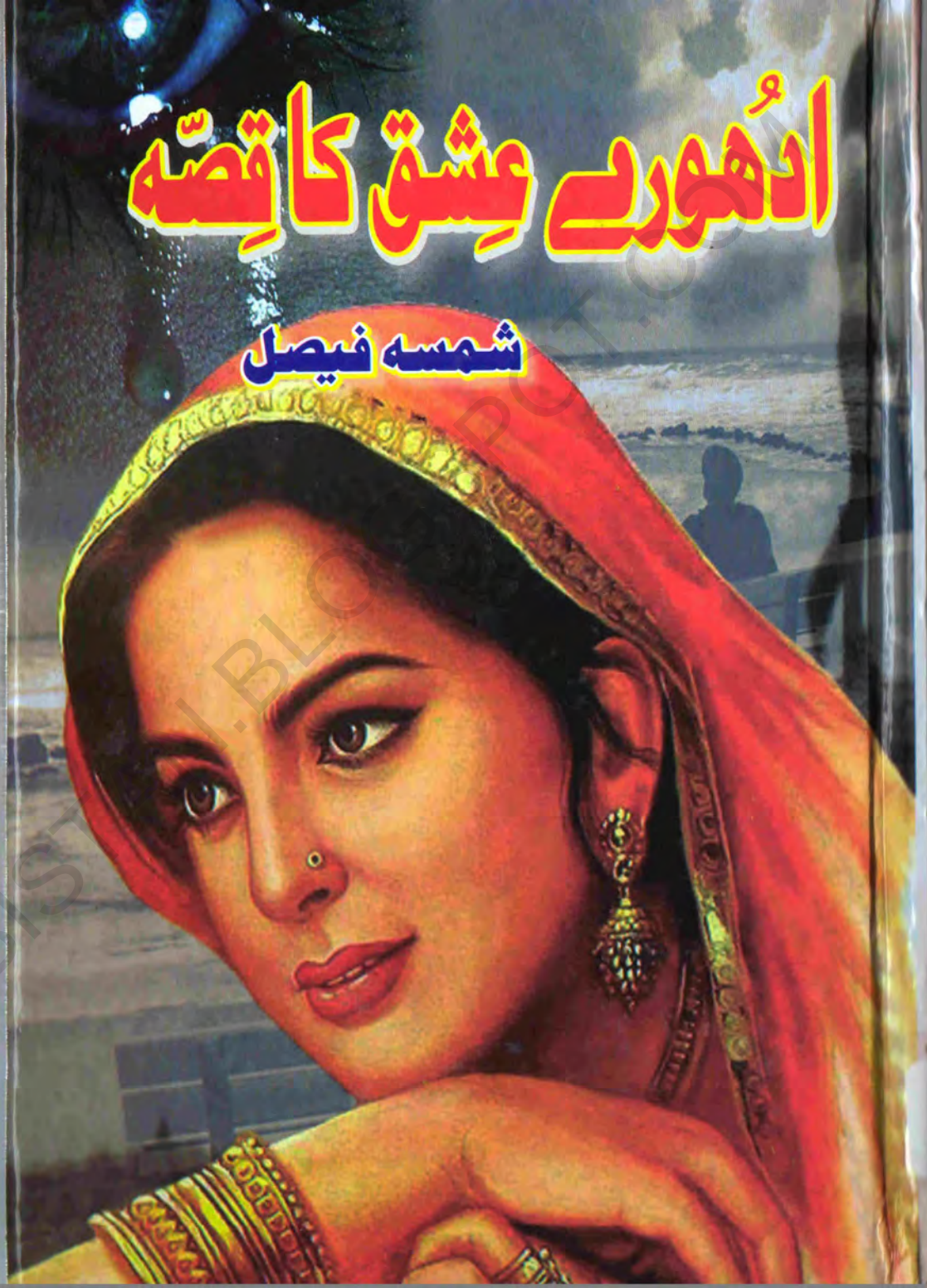

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

زندگی سے تعلق رکھنے والا احساس و جذباتی ناول

ادھورے عشق کا قصّہ

شمسہ فیصل

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قلمکار کلب پاکستان
102۔ عائشہ منزل نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
qalamkar_club@yahoo.com

☆..... ادھورے عشق کا قصہ

☆..... بہار کی اِک اُجلی شام

☆..... ہمارا جذبہ، ہمارا جنون

☆..... حریص محبت

☆..... کیونکہ میں ایک مرد ہوں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ادھورے عشق کا قصہ

"ہر انسان کی زندگی میں اک لمحہ ایسا آتا ہے جو اسے 'مقام' عطا کرتا ہے۔ یہی لمحہ کسی کو کامیابیوں کی بلندیوں پر بیٹھا دیتا ہے تو کسی کو ناکامیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ مانا کہ یہ لمحہ آخری نہیں ہوتا لیکن زندگی میں کچھ فیصلے ایسے بھی کرنے پڑتے ہیں جن کے لیے بس ایک لمحہ ملتا ہے۔ فیصلہ کرنے کا آخری اک اختیار..... اس کے بعد اس فیصلے کو کرنے کے لیے کوئی بھی چھوٹا' بڑا لمحہ میسر نہیں آتا۔ اب یہ انسان کی خوش نصیبی یا بدنصیبی کہ وہ لمحہ اس کی کشتی جاں کو بھنور میں ڈبو دے یا ہستی جان کو کنارے لگا دے۔

اس کی زندگی میں بھی اک ایسا ہی جان گسل لمحہ آیا تھا۔ جب ایک طرف ہستی دل تھی اور دوسری طرف ہستی جان اور فیصلہ کرنے کے لیے صرف ایک لمحہ' جان کنی کا عذاب کسے کہتے ہیں؟ اپنی زندگی کے اس لمحے اسے جان کنی کی تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ جب اس کی روح سے اس کے محبوب کی آخری یاد کو بھی نچوڑ دینے کا حکم صادر کیا گیا تھا۔"

لکھتے لکھتے عروش نے بے قراری سے قلم روکا تھا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں میں ڈوبی تھیں۔ آنکھوں کی اس نمی کا احساس خود اسے بھی نہیں ہوا۔ اس نے قلم اپنے جوڑے میں اڑسا اور کرسی کی پشت پر سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ اس کے اندر تک تھکن اتری تھی۔ یکدم ہی اس کا دل لکھنے سے اچاٹ ہو گیا' یہ اکتاہٹ اور بے چینی تو آج کل اس کے وجود کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ بہت سالوں بعد اس کا دل یوں بے کل ہوا تھا' اور وجود میں بے چینی نے احاطہ کیا تھا' وہ دل میں اٹھنے والی ٹیسوں کو دباتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے انگڑائی لیتے ہوئے تھکن کے ساتھ ان ٹیسوں کو دباتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' پھر سے اس کے اعصاب کو جکڑا تھا' وہ بھلا اک انگڑائی سے کہاں اترنے والی تھی۔؟

اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے موبائل پکڑا اور بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے میسج چیک کرنے لگی جو پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل آ رہے تھے۔ ایک تو وہ جانتی تھی کہ میسج بھیجنے والا کون ہے' دوسرا وہ ان میسجوں کی نوعیت سے بھی واقف تھی۔ توقع کے عین مطابق فیضان کے پچیس میسج موجود تھے۔ اس نے ایک دو میسج

پڑھے اور پھر بے دلی سے موبائل واپس رکھ دیا۔ اس کے موبائل میں ایسے کتنے ہی ایس ایم ایس موجود تھے جنہیں اس نے پڑھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس شخص کی محبت ہمیشہ اس کے اندر سناٹے بھر دیتی تھی۔ اس کی کسی بھی محبت بھری بات سے عروش کی دھڑکنیں نہ اتھل پتھل ہوتیں' ناں ہی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوتی اور ناں ہی رگوں میں دوڑتا ہوا خون منجمد ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ خود کو یہ باور کرواتی تھی کہ اسے 'فیضان عزیز' سے محبت ہے۔ اپنے اس کمزور اور بودے اعتراف پر اس کے دل میں اداسی بھر جاتی تھی۔

''میری سوچیں کیوں الجھ رہی ہیں۔'' اس نے کروٹ لی اور آنکھیں موند لیں۔ اک پریشان اور بے حال چہرہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا' اس نے گھبرا کے آنکھیں کھولیں' اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

یہ کیا خواب تھا کہ دھڑکا لگا ہے دل کو
کہ اک شخص پریشان میری تلاش میں ہے

وہ بے چین ہو کے اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا اس کو چھو کے گزر گیا۔

''آج صبح سے ہی آسمان ابر آلود ہے۔ جانے بارش کیوں نہیں ہو رہی..... چھپا چاند دیکھا ہے۔؟ جب وہ بدلی سے نکلتا ہی تو پہلے سے زیادہ روشن محسوس ہوتا ہے۔'' وہ چاند کی آنکھ مچولی دیکھ رہی تھی جب کوئی اس کے بے حد قریب سے بولا۔ اس نے گھبرا کے ارگرد دیکھا اور فوراً کھڑکی بند کر دی اور دوبارہ آ کے لیٹ گئی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگی۔ اس کی خمار آلود آنکھوں سے نیند بھک سے اڑی تھی۔

''I live in ur heart'' موبائل کی بپ نے اس کی کروٹوں کا تسلسل توڑا۔

''فیضان کالنگ۔'' اس نے اسکرین پہ نام دیکھا اور موبائل دوبارہ رکھ کے مضبوطی سے آنکھیں موند لیں۔ موبائل کی بپ دوبارہ ہوئی' اب کی بار بھی وہ خود ہی بول بول کے بند ہو گیا۔ تیسری بار اس نے آخری بیل پر ناچار موبائل آن کرتے ہوئے کان سے لگایا۔

''کہاں تھیں تم.....؟'' فیضان کی جھنجھلائی ہوئی آواز پہ اس نے گہرا سانس لیا۔ ''عرو بولو۔'' وہ اس کے خاموش رہنے پہ دوبارہ بولا۔

''جی.....'' وہ منمنائی۔

''سو گئی تھیں کیا.....'' وہ خود ہی دوبارہ بولا۔

''نہیں..... پانی پینے گئی تھی باہر۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''دو بج گئے ہیں جاناں' سو جاؤ اب.....'' اس کے موڈ کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی بدلا تھا۔

''بس سونے لگی تھی.....'' اس نے کسلمندی سے کہتے ہوئے جمائی کو ہاتھ کی پشت سے روکا۔

''کیا کرتی رہیں آج سارا دن.....؟ ایک بار بھی تم نے ناں ایس ایم ایس کیا' ناں کال.....'' وہ محبت بھرے لہجے میں شکایت کر رہا تھا۔

''ہاں بس آج کل مصروفیت ہو گئی ہے.....'' اس کے لہجے میں بیزاریت سی بیزاریت تھی۔ جسے ہمیشہ کی طرح فیضان نے نظر انداز کیا۔

''بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر ساری مصروفیت میرے لیے ہو گی.....'' اس کے لفظ اور انداز دونوں ہی ذو معنی تھے۔

''فیضان مجھے نیند آ رہی ہے۔ صبح جلدی اٹھنا ہے مجھے.....'' اس نے فیضان کی باتوں سے گھبراتے ہوئے کہا۔ وہ ہمیشہ اس کی ایسی باتوں سے بھاگتی تھی۔ ''تمہیں نیند نہیں آ رہی عرو.....'' وہ یکدم سنجیدہ ہوا تھا۔ عروش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ''تم سونا نہیں چاہتی لیکن مجھ سے بات کرنے پہ بھی تمہارا دل آمادہ نہیں ہے.....'' وہ بے حد یقین سے بولا تھا۔

''نہیں تو.....'' اپنی چوری پکڑے جانے پر اس نے گڑبڑا کے کہا۔

''او کے تم بات نہیں کرنا چاہتی تو مت کرو لیکن پلیز جھوٹ مت بولو.....''

وہ اس کے دل کے سبھی بھید جانتا تھا۔ کچھ پل یونہی خاموشی سے گزر گئے۔ ''میں جانتا ہوں عرو' تم نے ناں تو ابھی تک مجھے معاف کیا ہے اور ناہی کچھ بھولی ہو.....'' اس کی آواز بھر آئی تھی۔ عروش کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''ایسا نہیں ہے فیضان.....'' اس نے فوراً صفائی دی۔

دوسری طرف فیضان کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ ابھری تھی۔ اک بار پھر خاموشی نے ان کا احاطہ کیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے درمیان لفظوں سے زیادہ خاموشی باتیں کرتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ عروش کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور جو فیضان کہنا چاہتا تھا' وہ عروش سننا نہیں چاہتی تھی۔

''او کے سو جاؤ۔ اب کچھ مت سوچنا۔'' فیضان نے خاموشی کو توڑا۔

''جی.....'' وہ بمشکل بولی تھی۔

''پلیز عرو سو جانا۔ تم جاگتی رہو گی تو مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' اس کا انداز ملتجیانہ تھا۔ عروش کے لب کچھ کہنے کو بے تاب ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ اس شخص سے محبت نہ ہونے کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

باوجود عروش جانتی تھی کہ فیضان ساری رات جاگتا رہے گا۔ اس کا ملال بڑھا تھا۔ اس نے فیضان کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب وہ فون ریسیو نہیں کرے گا لیکن خلاف توقع اس کا موبائل آف تھا۔ اس نے تھک کے آنکھیں موند لیں۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی ذکر یار میں مشغول تھا تو کوئی ذکر خدا کی تیاریوں میں مصروف ہونے جا رہا تھا۔

وہ جسے نیند کہا کرتے ہیں سب' چین کی نیند
وہ ترے بعد کبھی آنکھ میں اتری ہی نہیں

☆☆

''کیا ناشتہ کرو گی عروش.....'' اسارہ بھابی اسے ڈائننگ ہال میں آتے دیکھ کر کچن سے نکلی تھیں' اب اس کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں۔ صرف ایک کپ چائے.....'' اس نے ان کی موجودگی کو نظر انداز کیا۔

''کیا بات ہے' لگتا ہے رات بھر جاگتی رہی ہو.....'' وہ چائے کا پانی رکھ کر اس کے پاس آئی تھیں اور اس کی سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر کہہ رہی تھیں جو رت جگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

''نہ.....نہیں تو..... بچے کدھر ہیں؟'' عروش ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''ادھر دیکھو میری طرف.....'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے محبت سے کہا۔

''بھابی پلیز کوئی سوال نہیں.....'' وہ جانتی تھی کہ بھابی کیا پوچھنے والی ہیں' تب ہی ٹوک دیا۔ وہ گھر بھر کی ہی لاڈلی تھی۔ اب یہ محبت اور چاہت کوئی کس انداز سے کرتا تھا' وہ جان کے بھی جاننا نہیں چاہتی تھی۔ کوئی ہمدردی میں لپیٹ کر محبت جتاتا تو کوئی اس کے دل کی نازکی کا خیال کرتے ہوئے تلخ لفظوں سے اجتناب کرتا لیکن اسارہ بھابی کے بارے میں وہ پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ اس سے چھوٹی بہن جیسی محبت کرتی ہیں۔ ان دس سالوں میں انہوں نے واقعی اس کی بہن' اس کی دوست' غم زاد اور راز داں بن کے دکھایا تھا' خود سے زیادہ انہیں عروش کی فکر ہوتی تھی تب ہی اس کے چہرے پر لکھی کہانی کو وہ پلوں میں جان گئی تھیں۔

''او کے جب تمہارا دل چاہے تب بتا دینا۔'' وہ اس کا گال سہلاتے ہوئے اٹھی تھیں۔

''بچے کدھر ہیں.....؟'' عروش ان کے پیچھے کچن تک آئی' اب دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''اوپر ربیعہ کے کمرے میں ہیں۔''

''بھابی آج اسکول نہیں گئی۔'' اس نے کھولتے پانی میں ملک پاؤڈر ڈالتے ہوئے کہا۔ ربیعہ جاب کرتی ہے' اس لیے اس کی گھر میں موجودگی اس کے لیے اچنبھے کا باعث بنی۔

''اماں نے کہا آج بازار جانا ہے تو اس لیے انہوں نے چھٹی کر لی۔'' انہوں نے بھاپ اڑاتا چائے کا کپ اس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی ان کے ساتھ چلی جانا جو رہ گیا ہے اب تمہارے لیے لانا ہے.....'' رقیہ بیگ (اماں) جانے کب ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''سوری.....' میں نہیں جا سکتی۔'' اس نے وہیں کھڑے کھڑے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟'' انہیں اس کے دوٹوک انکار پے غصہ آیا۔

''آج شو ہے۔؟ آپ جانتی ہیں کہ میں پچھلے دو ماہ سے اس شو کا انتظار کر رہی ہوں۔ اسارہ بھابی کو پتہ ہے میری پسند ناپسند آپ کو وہ بتا دیں گی۔'' اس نے چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے سنک میں رکھا۔

''عروسی ڈریس تو تم اپنی پسند کا لو عروش.....'' اسارہ بھابی جو سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں' ان کی جانب متوجہ ہوئی۔ عروش نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ شرمندہ ہو گئیں۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ کچھ کہے بنا باہر نکل آئی۔ ٹیبل سے اپنا بیگ اور موبائل اٹھایا اور موبائل چیک کرنے لگی۔

''تمہاری من مانیوں نے تو ہمیں یہ دن دکھائے ہیں۔'' وہ جو کنول کا نمبر ڈائل کر رہی تھی' رک کے ماں کو دیکھا۔

''کیا چاہتی ہیں آپ۔'' وہ رقیہ بیگم کے پاس صوفے پر جا کے بیٹھ گئی جو دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے میں کل چلی جاؤں گی بھابی کے ساتھ.....'' وہ انہیں ساتھ لگاتے ہوئے نرمی سے بولی۔ ''فیضان کے ساتھ جا رہی ہو.....'' ان کا موڈ بحال ہوا تو پوچھا۔

''نہیں..... مجھے وہاں ایز اے مصنفہ انوائیٹ کیا گیا ہے۔ فیضان گیا بھی تو میرے ساتھ نہیں رہے گا۔'' اس نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ فریدہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں اور اک سرد آہ لی۔

''آپ مجھے دیکھ کر یہ آہ مت بھرا کریں۔'' وہ چڑ گئی۔

''تو نہیں سمجھے گی میرا دکھ..... دس سال ریت کی طرح پھسل گئے میرے ہاتھوں سے۔'' انہوں نے اپنے خالی ہاتھ اس کے سامنے کیے۔ ''شادی بیاہ تب ہی ہوتے ہیں جب قسمت میں لکھا ہو۔ اگر میری

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قسمت میں چونتیس سال کی عمر میں وداعی لکھی تھی تو آپ یا میں کچھ نہیں کر سکتے۔" عروش کی آواز میں نمی گھلی تھی۔ رقیہ بیگم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ "مانا کہ سب کچھ قسمت بنانے والے کے ہاتھ میں ہے لیکن کبھی کبھی ہم قسمت اپنی کوتاہیوں سے خراب کر لیتے ہیں۔" وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"اماں غلطی بھی تب ہوتی ہے جب قسمت ساتھ نہ دے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ پہلے ہی بے چین اور مضطرب تھی' رہی سہی کسر اماں کی باتوں نے پوری کر دی۔ وہ بوجھل دل سے شو میں جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ جبکہ اماں نئے سرے سے اس کی قسمت پر افسوس کرنے لگیں۔

☆☆

"اب ہم دعوت دیتے ہیں سرحد پار سے آئے اپنے معزز مہمان کو' جو بلاشبہ کسی تعارف کے محتاج نہیں' بہت اچھے شاعر' قلم کار اور تنقید نگار ہیں' حال ہی میں انہیں 'بہترین شاعر' کا عالمی ایوارڈ ملا ہے۔ ان کی شاعری میں ابہام ہے' ابہام ہے' حالات کا درد اور کہیں کہیں رومانس بھی ہے۔" اپنی بات پہ وہ خود ہی مسکرایا تھا۔ "یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے ہماری دعوت کو شرف قبولیت بخشا....." کمپیئر آنے والے کی مداح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ "آپ سب کا انتظار ختم ہوا' تشریف لاتے ہیں 'دی لیجنڈ آف انڈیا مسٹر....." اب بھی اس نے نام لینے سے احتراز برتا اور مائیک کا رخ ہال کی جانب کیا۔ ہال میں مختلف قیاس آرائیاں ابھری تھیں۔ کچھ لوگوں نے کمپیئر کے اس سسپنس اور اسپیشل پروٹوکول پر غصے کا اظہار بھی کیا تھا جبکہ عروش کا دل بے حد تیزی سے دھڑک رہا تھا' اس کا رواں رواں آنے والے مہمان کا نام جاننے کو بے تاب تھا۔

"I live in ur heart" عروش جو اگلی نشست پر بیٹھی دم سادھے آنے والے کو جاننے کے لیے بے چین تھی' موبائل کی بپ نے اس کی توجہ اسٹیج سے ہٹائی۔ اس نے کوفت سے موبائل نکالا۔ "فیضان کالنگ....." وہ جی جان سے بدمزہ ہوئی تھی۔ وہ آنے والے کا تجسس چھوڑ کے جانا نہیں چاہتی تھی' پھر بھی نا چاہتے ہوئے بھی سیل کان سے لگائے بیک اسٹیج چلی گئی۔ "آپ سب کا انتظار ختم ہوا..... استقبال کیجیے..... اس خوبصورت شام کے آخری ستارے..... ہندوستان سے آئے محترم مصطفیٰ فراز کا....."

کمپیئر نے جوشیلے انداز میں کہتے ہوئے اپنا رخ سیڑھیوں کی جانب کیا۔ جہاں سے مصطفیٰ فراز تشریف لا رہے تھے۔ "سب سے پہلے تو میرے اس بچے کا شکریہ جس نے اتنی محبت اور خلوص سے میرا تعارف کروایا....." وہ کمپیئر کو ساتھ لگاتے ہوئے بولے' جواباً وہ مسکرایا تھا۔ "کسی نے سچ کہا ہے ادب

اور ٹیلنٹ سرحدوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ ادب کے چاہنے والے اس پار ہوں یا اس پار' اپنی تشنگیوں کو مٹانے کے لیے وہ سرحد کی ہر حدود کو پاٹ دیتے ہیں۔ بہت سالوں بعد پاکستان آنا ہوا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ اپنے ہی ملک میں کھڑا ہوں۔ آج آپ کے روبرو کھڑے ہو کے آپ کی محبتیں دیکھ کر اپنے پن کا احساس اور بھی بڑھ گیا ہے۔" چوالیس' پینتالیس سال کا وہ شخص جس محبت اور اپنائیت کا اظہار کر رہا تھا کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ ہندوستان سے ہے..... اس کی باتوں سے ہال تالیوں سے گونجا تھا۔ کمپیئر ان کو تازہ کلام سنانے کا کہہ کے بیک اسٹیج چلا گیا۔

"آج پاکستان آ کے میری بہت سی یادیں تازہ ہوئی ہیں۔ کچھ زخم ہرے ہوئے ہیں تو کچھ درد پھر سے رگ و جان سے لپٹ گئے ہیں۔ اک غزل آپ سب کی خدمت میں۔ میری بہت پیاری دوست کے نام....." لفظ دوست پہ اٹکے لہجے کی نمی کو اندر اتارا اور غزل پڑھنے لگے۔

اک صدا ہر سمت سے گونجی مرے گرد
کشتی ارماں کا میں ہی ناخدا ہوں
خواہش بے دست و پا کی سیج پر میں
اب میرا حرکت و حس سے پڑا ہوں
مجھ کو آنکھوں سے لگا' دل میں بسا لے

اس شعر پر ہال واہ واہ سے گونج اٹھا۔ مصطفیٰ فراز نے مسکراتے ہوئے داد قبول کی' مقرر کی فرمائش پہ اس شعر کو دوبارہ پڑھنے لگے۔

مجھ کو آنکھوں سے لگا دل میں بسا لے
تیرے ہی لرزیدہ ہونٹوں کی دعا ہوں
میرے اندر اک الم کا بہتا ہے دریا
کشمکش کی موج خود سر پر پڑا ہوں

حکومت پاکستان نے اس ادبی شو کو آرگنائز کیا تھا۔ جس میں ایشیا کے بڑے بڑے شاعر اور ادیب شریک تھے۔

اے فراز اس سے یہ کہنا لوٹ آئے

مصطفیٰ فراز کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بے چارگی اتری تھی۔ عروش سیل بیگ میں رکھتی تیز قدم اٹھاتی اندر آ رہی تھی۔ جب اس مصرعے پر ٹھٹک کے اسٹیج کی جانب دیکھا۔

KUTABISTAN.BLOGSPOT.COM

اے فراز اس سے یہ کہنا لوٹ آئے
میں الم کی دھوپ میں کب سے کھڑا ہوں

مصطفیٰ.....فرا.....ز.....حیرت اور تحیر سے عروش کی آنکھیں کھلی رہ گئی۔ اس کا دل پسلیوں کے درمیان بری طرح کچل گیا تھا۔ وہ یک ٹک مصطفیٰ فراز کو دیکھ رہی تھی جو مسکراتے ہوئے داد وصول کر رہے تھے.....تو میں اس لئے مضطرب تھی کہ آپ پاکستان میں ہیں۔ اس نے اپنے ڈولتے وجود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے کرسی پر گرایا تھا۔ اب وہ اردگرد سے بے خبر سانس روکے ان کی موجودگی کو محسوس کر رہی تھی۔ ''بہت خوب مصطفیٰ صاحب'' کمپیئر داد دیتا اسٹیج پر آیا اور مصطفیٰ فراز کو گلے سے لگا لیا۔

''توبہ یہ پاکستانی چاپلوسی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے.....'' اس نے اپنے قریب کسی کو کہتے سنا تھا۔ ''آپ نے کہا یہ غزل آپ کی بہت پیاری دوست کے نام.....تو کیا ہم اس دوست کے بارے میں جان سکتے ہیں.....'' کمپیئر نے مسکراتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھا۔ عروش کے جسم سے جان نکلی تھی۔ اس کی ساری توجہ اب مصطفیٰ کے جواب پر تھی۔

سب مہمان ڈائننگ ہال میں جمع تھے۔ جبکہ عروش کی تمام تر حسیں ڈنر کی بجائے مصطفیٰ فراز کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اسے جتنی بے قراری مصطفیٰ سے ملنے کی تھی' کوئی نہ کوئی رکاوٹ بار بار آ جاتی۔ اس کی متلاشی نظریں بار بار بھٹک کر بس اک شخص کو تلاش رہی تھیں جو اس بات سے بے خبر تھا کہ کوئی کتنی بے چینی سے اس کی اک جھلک کا منتظر ہے۔

''آپ کچھ لے نہیں رہیں.....'' میزبان نے اسے ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے پایا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''آں.....ہاں جی میں کھا چکی.....'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ کچھ رسمی کلمات کے بعد میزبان وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آخر قسمت کو اس پہ ترس آ ہی گیا' دعاؤں کو مستجابی اور متلاشی ترسی نگاہوں کو دید کا شرف مل گیا۔ اسے چند فاصلے پر مصطفیٰ فراز کھڑے نظر آئے۔ وہ کسی بات پہ مسکرا رہے تھے۔ عروش نے رک کے ان کی مسکان تو دیکھا۔

''آپ کی مسکان بہت خوبصورت ہے۔ آپ مسکراتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ کائنات مسکرا رہی ہو.....'' کبھی کی کہی بات عروش کے آنکھیں نم کر گئی۔ جانے کیوں آج اسے مصطفیٰ کی مسکراہٹ پر کائنات مسکراتی ہوئی محسوس نہیں ہوئی بلکہ اسے لگا کہ ہر شے نم ہو گئی ہو۔

''کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو.....؟'' کنول نے اسے یوں گم صم دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عروش کے ماتھے

پر تیوریاں ابھری تھیں۔

''کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہاب بھی مصطفیٰ فراز کو دیکھ رہی تھی۔ کنول نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

''آئی ایم سوری کنول' بٹ مجھے مصطفیٰ فراز سے ملنا ہے.....'' اس نے کنول کی بات کا جواب دیئے بنا قدم بڑھائے۔

''پتہ نہیں تم لوگ ان ہندوستانیوں کو دیکھ کر پاگل کیوں ہو جاتے ہو.....وہ الو کا پٹھا کمپیئر بھی کمبل ہو رہا تھا.....'' کنول تلخی سے بولی۔

''پلیز کنول اس وقت میں سرحدوں کی بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں.....'' اس کے لہجے میں تلخی کے ساتھ سختی بھی تھی۔ تلخی اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھی تب ہی کنول نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''مجھے واقعی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی.....'' کنول اس کی دوست بھی تھی اور کولیگ بھی۔

''میں ٹھیک ہوں.....ابھی مجھے مصطفیٰ فراز سے ملنا ہے ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔'' وہ رکھائی سے کہتے ہوئے اس کے قریب سے گزری تھی۔ کنول حیرانگی سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی' یہ اس کی قسمت تھی کہ مصطفیٰ تک پہنچنے سے پہلے ان کے پاس ساحر کیف آ چکے تھے۔ عروش نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا' وہ رو دینے کو تھی۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھتی رہی پھر ان کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ ''ایکسیوزمی سر.....'' اس کا اندر کنفیوژ جبکہ لہجہ پر اعتماد تھا۔

''آیئے مادام.....'' ساحر نے خوشدلی سے اسے اپنے قریب بلایا۔ مصطفیٰ ابھی تک اس کی جانب متوجہ نہیں تھے۔ ''ان سے ملیے مسٹر مصطفیٰ.....یہ ہمارے ملک کی نامور ادیبہ.....کم عمری میں ہی انہوں نے حیران کن کامیابی حاصل کی.....'' ساحر کے تعارف کروانے پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل وہ نظریں جھکانا بھول گئے تھے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگے' کچھ ایسی ہی کیفیت عروش کی بھی تھی۔ محبوب کی دید نے برسوں کی پیاس کو بجھایا تھا.....خاموشی نے کتنے ہی شکوے پل بھر میں کر ڈالے تھے.....ریڑھ کی ہڈی میں اک جان لیوا سنسناہٹ ہوئی۔ لفظ' لہجے' احساس' جرات سب ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ ان کا دل چاہا کہ وہ بلا لحاظ عروش کو گلے سے لگا لیں۔ وہ ایسا کر بھی جاتے لیکن ساحر کیف کی مداخلت انہیں حواس میں لائی۔ وہ اس وقت عروش کی حالت کو محسوس کر سکتے تھے۔

''کیسی ہیں آپ.....'' انہوں نے حتی الامکان خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔ عروش نے شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ عروش کی نگاہوں کے پیغام نے انہیں بری طرح شرمندہ کیا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یہ عروش ندیم بہت اچھی لکھاری ہیں۔ کم عمری میں ہی انہوں نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا تھا۔ اب تو خیر یہ پاکستان کی منجھی ہوئی رائٹرز میں شمار ہوتی ہیں۔" ساحر ان دونوں کی کیفیت سے بے خبر اپنی کہہ رہے تھے۔

"جی ساحر صاحب..... میں نے انہیں پڑھا ہے یہ واقعی بہت اچھا لکھتی ہیں۔" جانے کیا تھا ان کے لہجے میں کہ عروش نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"آج کل کس ٹائپ پے لکھ رہی ہیں عروش جی....." ان کا انداز جتانے والا تھا۔ عروش نے غائب دماغی سے ان کی جانب دیکھا۔ لفظوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ "آپ دونوں باتیں کریں' میں ذرا باقی مہمانوں سے مل لوں....." ساحر کیف انہیں تنہا چھوڑ کے چلے گئے۔ کتنے بہت سارے لمحے یونہی خاموش گزر گئے۔ وہ دونوں وہاں خاموش کھڑے ایک دوسرے کو محسوس کر رہے تھے۔

"آیئے کھلی ہوا میں چل کے بیٹھتے ہیں....." مصطفیٰ نے خاموشی کو توڑا۔ عروش کسی روبوٹ کی مانند ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ "تمہاری خاموش رہنے کی عادت نہیں گئی....." وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے آہستگی سے بولے تھے..... عروش جوان کے ساتھ چلتے ہوئے فخر محسوس کر رہی تھی..... ان لمحوں کے تھمنے کی دعا کر رہی تھی' چونک کے انہیں دیکھا۔

"کیسے ہیں آپ....." اس نے رک کے انہیں دیکھا اور پوچھا تھا۔

"اگر مبالغہ آرائی نہ سمجھو تو جیسے چھوڑ کے گئی تھی ویسا ہی ہوں....." مصطفیٰ کے لہجے میں دکھ تھا۔ عروش کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا..... اک بار پھر وہ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ اب وہ دونوں راہداری میں آ چکے تھے۔

"کہو اب بھی ویسی ہو یا بدل گئی ہو....." مصطفیٰ نے لان میں جانے کے لئے اسے ایک قدم پیچھے ہو کے رستہ دیا۔ عروش نے رک کے انہیں دیکھا۔ "میں ہمیشہ کی طرح آج بھی چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے اک قدم آگے رہو....." انہوں نے اس کا رکنا اور پھر خود کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ احساس تفاخر سے عروش کا اندر تک سرشار ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ مصطفیٰ کا ہاتھ تھام لے۔

"کب آئے آپ پاکستان۔" اس نے دل کو ڈپٹتے ہوئے پوچھا۔

"میری روح تو پچھلے دس سالوں سے پاکستان میں بھٹک رہی ہے....." وہ دل گرفتی سے بولے۔ عروش کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔ "اپنے 'وہ' کی سناؤ....." مصطفیٰ ہمیشہ فیضان کا نام پکارنے کی بجائے "وہ" کہہ کے مخاطب کرتے تھے۔

"پلیز سر....." عروش نے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

"سر....." مصطفیٰ زیر لب بولے اور پھر ان کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔ وہ دونوں لان کے سنگی بینچ پر سر جھکائے جانے کن سوچوں میں غلطاں تھے۔ مصطفیٰ نے سگریٹ نکال کے ہونٹوں میں دبایا۔

"آپ کب سے سگریٹ پینے لگے....." اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"جب سے تم نے روگ لگایا ہے....." انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور بے حد اطمینان سے کہتے ہوئے سگریٹ دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ عروش کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔ وہ بنا جواب دیئے سامنے لگے موتیا کے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ "سچائی کا سامنا نہ کرنے کی تمہاری بزدلی آج بھی قائم ہے....." مصطفیٰ کے طنز نے عروش کو چھلنی کیا تھا..... اس کی رگ رگ کو مصطفیٰ فراز اپنے لفظوں کی تند چھری سے کاٹ رہے تھے۔ تکلیف کے احساس نے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر دیں۔ اس کا حوصلہ ضبط کی آخری حدوں کو چھونے لگا تھا۔ "تمہارا قلم سے رشتہ نہیں ٹوٹا بلکہ مضبوط تر ہو گیا ہے..... اس کا مطلب تم اس کے ساتھ خوش ہو....." مصطفیٰ کی نگاہیں عروش کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھیں۔ اس کی بات پر عروش کا دل ڈوبا تھا۔

"خوشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے مسٹر فراز..... باقی کے سب تعلق نبھانے ہوتے ہیں....." عروش کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"لکھاری ہو ناں اپنے مطلب کے لفظ اور معانی نکال ہی لیتی ہو لیکن پیاری رشتے بن جائیں تو تعلق دل تک آ ہی جاتے ہیں..... پھر ہر احساس خوشی کا ہوتا ہے....." ان کا لہجہ ہر احساس سے عاری تھا۔ عروش کچھ نہیں بولی تھی' حالانکہ وہ انہیں ان دس سالوں کی کتھا سنانا چاہتی تھی۔ وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ اس کا ایک ایک لمحہ آج بھی اسی اذیت سے دوچار ہے جس اذیت سے وہ گزری تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کی کامیابی کا تعلق خوشی سے نہیں بلکہ اس جنون سے ہے جو اسے کھو کے اس کے اندر اترا تھا۔

"اگر تمہیں پتہ چلے کہ میں پاکستان میں ہوں تو کیا کرو گی....." بہت سال پہلے کا کیا سوال بیک وقت دونوں کے دماغ میں اٹھا تھا۔

"میں آپ سے ملنے آؤں گی....." عروش نے پرجوش ہو کے جواب دیا۔

"صرف ملنے آؤ گی..... بس اتنی سی خوشی ہوئی تمہیں میرے آنے کی....." مصطفیٰ نے محبت آگیں لہجے میں پوچھا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"پتہ نہیں مصطفیٰ میں کیا ری ایکٹ کروں گی..... اپنے جذبوں کو کیسے نبھاؤں گی..... آپ کو گلے لگاؤں گی یا آپ کے ہونے کا یقین کرنے کے لئے آپ کو دیکھتی جاؤں گی....." وہ حقیقتاً مصطفیٰ کے سوال پہ الجھی تھی، مصطفیٰ نے محبت سے چور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کیا کریں گے جب پاکستان آئیں گے....." وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کے بولی۔

"تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے..... اپنی دلہن بنا کے....." وہ اسی طرح اسے دیکھتے ہوئے بلا توقف بولے تھے جواباً عروش کھلکھلا کے ہنسی خوشی کے بے شمار رنگوں نے اسے اور بھی حسین کر دیا تھا۔

آج جب وہ ایک دوسرے کے سامنے تھے تو خود کو عیاں کرنے سے گریزاں تھے۔ "ہم اپنے اپنے قول و فعل میں..... سچے نکلے ہیں۔" عروش نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم میری دلہن بن کر میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو....." مصطفیٰ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے عروش نے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ "تو پھر ہم اپنے اپنے قول و فعل میں جھوٹے نکلے....." مصطفیٰ نے سختی سے کہا۔

"ام کلثوم کیسی ہے.....؟" عروش نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

"بے فکر رہو اس کے حوالے سے میری زندگی میں کوئی خوشگوار موڑ نہیں آیا..... جہاں وہ کل تھی آج بھی ہے اور جہاں تم کل تھی آج بھی ہو....." مصطفیٰ کا انداز جتانے والا تھا۔ عروش نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے دیر ہو رہی ہے....." اس نے قدم بڑھائے۔ خلاف توقع مصطفیٰ نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے روکنے کی ضد نہیں کی تھی.....

"کل میں پانچ بجے 'پارک ہوٹل' میں تمہارا انتظار کروں گا..... فیصلہ کر کے آنا..... دو دن بعد میری واپسی ہے میں تمہیں لے کر جانا چاہتا ہوں....." مصطفیٰ کا لہجہ اتنا پر یقین تھا کہ عروش کے قدم زمین میں دھنستے چلے گئے۔

"میں نہیں آ پاؤں گی....." وہ بنا پلٹے بولی۔

"تم آؤ گی، تمہیں آنا پڑے گا....." وہ اس کے سامنے ان کھڑے ہوئے اور بے حد یقین سے بولے۔ عروش نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کئے جنہیں انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس کی جانب دیکھے بنا لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ عروش بے بسی سے انہیں جاتا دیکھنے لگی۔

☆☆

"دیکھئے مصطفیٰ صاحب اس کتاب کی اشاعت سے پہلے آپ کو حکومت سے اجازت لینا پڑے گی۔ ہم پرمیشن لیٹر کے بنا اس کتاب کو پبلش نہیں کر سکتے ہماری مجبوری کو سمجھیں....." بلگرامی صاحب نے فائل ان کے آگے ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "او کے پھر اتنا گائیڈ کر دیں کہ پرمیشن لیٹر کیسے بنے گا....." مصطفیٰ صاحب فائل پکڑتے ہوئے بولے۔

"اگرچہ یہ مشکل ہے لیکن ابھی کچھ دیر تک میرے پاس ساحر کیف آنے والے ہیں..... وہ ملک کے نامور مصنف اور شاعر ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کی کچھ مدد کر سکیں....." بلگرامی نے انہیں سمجھاتے ہوئے انٹر کام اٹھایا اور کسی کو اندر آنے کے لئے کہا۔ "ہم معذرت چاہتے ہیں مادام..... آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" بلگرامی نے آنے والی کو دیکھتے ہوئے معذرت خواہاں لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں سر....." وہ مسکراتے ہوئے بولی اور کرسی گھسیٹ کر مصطفیٰ کے پاس بیٹھ گئی۔

"جی..... ختم ہو گیا آپ کا ناولٹ....." بلگرامی نے کرسی پر جھولتے ہوئے پوچھا۔ لڑکی نے اک نظر ساتھ بیٹھے مصطفیٰ فراز پر ڈالی جو بظاہر بے نیاز لیکن پوری توجہ سے ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔

"لکھ تو میں نے لیا ہے..... اب آپ بتائیں گے کہ کیا ہے..... میرا خیال ہے کہ کتاب کے صفحے مکمل ہو جائیں گے....." اس نے فائل بلگرامی صاحب کی طرف بڑھائی۔ اب کی بار مصطفیٰ نے چونک کے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بمشکل بیس، اکیس سال کی پان دھان سی لڑکی..... بے حد خوبصورت نہ سہی لیکن بے حد پر اعتماد اور آنکھوں سے چھلکتی ذہانت نے اسے خوبصورت بنا دیا تھا۔

"میں بنا پڑھے بتا سکتا ہوں کہ آپ نے اچھا لکھا ہو گا....." اس کے توصیفی جملے پر وہ مسکرائی تھی۔

"میں نے ارشاد بیگ اور عکسی کو بھیجے تھے آپ کے مسودے..... انہوں نے کچھ کمنٹس دیئے ہیں....." بلگرامی صاحب نے کچھ فائلز الٹ پلٹ کر کے کچھ صفحات نکالے اور اس کی جانب بڑھائے۔ ابھی وہ کمنٹس پڑھ رہی تھی کہ بلگرامی صاحب کو کسی کام سے باہر جانا پڑا۔

"ہیلو..... مجھے مصطفیٰ فراز کہتے ہیں۔" مصطفیٰ نے کرسی اس کی جانب گھماتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے مسکراتے انہیں دیکھا۔ "میں ایک شاعر ہوں اور اپنی کتاب کی پبلشنگ کے لئے آیا ہوں۔" وہ بلا تمیز بولا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کہے کہ میں کیا کروں لیکن مروت آڑے آ گئی۔ "مجھے ادب سے دلچسپی رکھنے والے لوگ بے حد پسند ہیں..... انہیں دیکھ کر میں انہیں مخاطب کئے بنا نہیں رہ سکتا..... خاص کر پاکستانی ادبی ذوق رکھنے والوں کو....." وہ اپنائیت سے دوبارہ بولے۔

"بہت شکریہ سر..... لیکن میں کوئی بڑی رائٹر نہیں ہوں جس سے کسی کو مل کر خوشی ہو یا دلچسپی ہو۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جانے اس نے خود کو طنز کیا تھا یا مصطفیٰ فراز کو.....

''امیزنگ.....'' وہ مسکرائے۔ ''لیکن ٹیلنٹ چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا..... جو اچھا لکھتا ہے وہ چھوٹا یا بڑا ہوتا ہے.....'' ان کا انداز دوستانہ تھا۔ لڑکی نے بیزاری سے انہیں دیکھا۔ ''میں ذرا بلگرامی صاحب کو دیکھوں.....'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا میں آپ سے دوبارہ بات کر سکتا ہوں.....'' وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔

''چھچھورا.....'' لڑکی نے دل میں اعتراف کیا۔ ''یہ میرا آئی ڈی ہے..... اس پر ایڈ کر لینا مجھے.....'' انہوں نے لڑکی کا جواب سنے بنا ہی قریب پڑے صفحے پر اپنا آئی ڈی لکھ کر اس کی جانب بڑھایا۔ جسے تھوڑے توقف کے بعد لڑکی نے پکڑ لیا۔ ''تھینکس.....'' وہ خوشدلی سے بولے۔ لڑکی کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی تھیں اب کی بار بھی اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا اور قدم بڑھائے..... ''یور گڈ نیم.....'' وہ پیچھے سے بولے۔ لڑکی کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''عروش..... اب جاؤں یا کوئی سوال باقی ہے.....؟'' لڑکی نے مروت اور لحاظ کو لپیٹ کر سائیڈ پر رکھا اور اپنے ازلی اعتماد سے بولی۔ مصطفیٰ نے اجازت دیتی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور عروش سر جھٹکتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

''کیا بنا تمہاری کتاب کا.....'' کامران اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''معلوم نہیں' بلگرامی نے کہا ہے ابھی ایک دو ماہ لگ جائیں گے.....'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹانگوں کو پسارا تھا۔ ''کامی پانی تو پلانا.....'' وہ بال کیچر میں باندھتے ہوئے بولی۔

''میڈم میں بھی تمہارے ساتھ ہی آیا ہوں۔''

''جاؤ اپنے لئے بھی پانی لاؤ اور میرے لئے Tang بنا لاؤ۔'' وہ اس کے ساتھ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس سے پہلے کہ عروش کوئی جواب دیتی اماں نے ٹھنڈے Tang کا جگ لا کے رکھا' دونوں نے ہی تشکر بھری نظروں سے ماں کو دیکھا اور Tang پینے لگے۔

''عرو میری بات مان لو' اب بھی وقت ہے.....'' وہ دوسرا گلاس بھرتے ہوئے بولا۔ عروش ہمہ تن گوش ہوئی۔

''چولہا' چوکا کرو' قلم کاغذ چھوڑ دو.....'' اس نے خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارا قصور نہیں ہے ڈیئر بھائی..... پچاسی سے پچانوے فیصد لوگ دوسروں کو کامیاب ہوتا نہیں

دیکھ سکتے.....'' اسے ہمیشہ کامی کا اس کے لکھنے پر تنقید کرنا برا لگتا تھا۔

''ہاہاہا..... تم خواب بہت ٹاپ کے دیکھتی ہو.....'' وہ اس کی بات سے لطف انداز ہوتے ہوئے بولا۔ ''اماں دیکھ رہی ہیں اسے یہ حد سے بڑھ رہا ہے.....'' وہ واقعی کامران کے مذاق پر چڑ گئی۔

''بھائی ہے تمہارا..... تم سے مذاق نہیں کرے گا تو کس سے کرے گا.....'' اماں نے اپنی عادت کے مطابق اسے لتاڑا۔ کامی کا اس کی نقل اتارنا اسے مزید غصہ دلا گیا۔

''بھائی ایسے ہوتے ہیں.....؟ وہ تو بہنوں کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں ناں کہ انہیں ناکامی کا رستہ دکھاتے ہیں.....'' وہ تنک کے بولی۔ ''تو دعا کا کام تم فیضان کو کیوں نہیں دے دیتی.....'' فیضان اس کا ماموں زاد ہونے کے ساتھ عروش کا منگیتر بھی تھا۔

''کیوں تم بارڈر پر جا رہے ہو..... جو میں اسے کہوں میرے لئے دعا کرے.....'' وہ جو اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی اس کی بات پر پلٹی تھی۔ اس کے انداز اور بات پر دونوں ماں بیٹا کی ہنسی نکلی تھی۔

''لو یہ اچھا انصاف ہے' تمہاری کامیابی سے لطف اندوز وہ ہوں' ان کتابوں کے پیسے وہ کھائے اور ہم خالی روکھی سوکھی دعا کریں.....'' وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔

''تم ناں پٹو گے مجھ سے.....'' کامی جو ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹا تھا عروش نے اس کے پیٹ میں پاؤں مارا۔

''اوی..... آں..... اللہ..... اماں..... میں مر گیا۔'' وہ دھراتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ''پاگل ہو گئی ہو عرو..... دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا.....'' اماں اسے سیدھا کرتے ہوئے عروش کو ڈانٹنے لگی۔ اس کی تکلیف پہ عروش گھبرا کے اس کے قریب آئی..... ''سوری کامی..... میں نے تو ہلکا سے پاؤں رکھا تھا.....'' وہ روہانسی اس کے پیٹ پر رکھے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔ کامی نے نیم وا آنکھوں سے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔ ضبط کے باوجود اس کی صورت دیکھ کر وہ اپنی مسکراہٹ روک نہ پایا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر پل بھر میں عروش کی پریشانی رفع ہوئی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ پر تھپڑ مارے۔ ''تم ہو ہی ڈرامے باز..... ڈفر.....'' عروش کی جان میں جان آئی تو دوبارہ اپنی اصلی حالت میں واپس آ گئی۔

''ہاہاہا.....'' وہ اٹھ بیٹھا۔ ''دیکھ رہی ہیں اماں یہ کتنی محبت کرتی ہے مجھ سے میری ذرا سی جھوٹی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھی.....'' وہ بظاہر اس کا مذاق اڑا رہا تھا جبکہ حقیقتاً وہ اپنی بہن کی محبت سے سرشار ہو رہا تھا۔ رقیہ بیگم نے اپنے بچوں کی بلائیں لی تھیں۔ ''مجھے تو بیچارے فیضان پر ترس آتا ہے..... اس

KUTABISTAN.BLOGSPOT.COM

قدر بدمعاش بیوی اس کے پلے پڑی ہے۔ دیکھیں تو ہاتھ لال کر دیئے ہیں مار مار کر.....'' وہ اپنے سرخ ہوتے ہاتھ اماں کے آگے کرتے ہوئے بولا۔

''عقل کرو کامی..... بہنوں کو بدمعاش کہتے ہیں کیا.....؟'' عروش کی بجائے اماں نے اسے ڈانٹا۔ اب کے چڑانے کی باری عروش کی تھی۔

''عروتم نے اماں کو بتایا کہ جو شاعر تمہیں پبلش ہاؤس میں ملا تھا.....'' کامی نے جان بوجھ کے کہا کیونکہ رقیہ بیگم کو عروش کا ناں لکھنا پسند تھا اور ناں ہی یوں پبلش ہاؤس جانا پسند تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے دونوں بیٹے اور شوہر عروش کی خوشی میں خوش تھے۔ ان کے خیال میں عروش کے پاس ٹیلنٹ ہے تو اسے زنگ لگنے کی بجائے استعمال کرنا چاہیے۔ رقیہ بیگم نا چاہتے ہوئے بھی بے بس تھیں۔ اس سے پہلے کہ اماں اسٹارٹ ہوتی' عروش کی خوش قسمتی کہ عدنان بھائی آفس سے آ گئے اور عدنان بھائی کے ہوتے ہوئے کسی کی جرات نہ تھی کہ وہ عروش کو ڈانٹ جاتا۔ اب وہ عدنان بھائی کے ساتھ لگی انہیں دن بھر کی روداد سنا رہی تھی جبکہ کامی لقمے دینے سے باز نہیں آیا تھا اور اماں بڑبڑاتے ہوئے باہر جا چکی تھیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ایم اے اردو ادب میں کرنے کے بعد وہ بالکل فارغ اپنے رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک دن یونہی اچانک بیگ صاف کرتے ہوئے اس کی نظر مصطفیٰ فراز کے آئی ڈی پر پڑی۔ وہ اس چٹ کو پھاڑتے پھاڑتے رک گئی۔ کچھ سوچتے ہوئے اسے تکیے کے نیچے رکھا اور بیگ سمیٹنے لگی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ خالی گھر شیطان کا مرکز ہوتا ہے۔ اس کا ذہن بھی اس وقت خالی گھر کی مانند تھا۔ نیا لکھنے کے لئے کچھ بھی پلان نہیں ہو رہا تھا۔ آئی ڈی دیکھ کر اس خالی گھر میں بڑا خوبصورت پلان آیا۔ اپنی نئی کہانی کے لئے اس نے زبردست پلان ڈھونڈا تھا۔ یہ لکھاری لوگ بھی غضب کے خودغرض ہوتے ہیں۔ اک کہانی کی خاطر وہ ہر کسی کے دل سے کھیل جاتے ہیں۔ ہر قدم پر اک کہانی تلاشتے ہوئے وہ خود کو کہانی کا مرکزی کردار بنانے سے بھی نہیں چونکتے..... لوگوں سے ملتے ہیں تو صرف ایک کردار تخلیق کرنے کے لئے..... کبھی کبھی تو خود کو بھی کہانی بنانے کے چکروں میں رول دیتے ہیں۔ وہ بھی اک کہانی تخلیق کرنے کے چکروں میں خود کو کھونے جا رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے اپنا نیا آئی ڈی بنایا پھر اس میں مصطفیٰ فراز کو ایڈ کیا۔ اس کے ایڈ کرنے کی دیر تھی' وہ خوشدلی سے اسے اپنے دوستوں میں ایڈ کر گیا۔ ان کا انداز گفتگو اس قدر بے تکلف تھا کہ عروش کو بالکل نہیں لگتا تھا کہ ان کی ملاقات ہوئے چند دن ہوئے ہیں۔ وہ ناں صرف شاعر بلکہ تنقید نگار اور ادیب بھی تھا۔ اس کے باوجود مجھے ایک بات پریشان کرتی کہ میں نے اتنے نامور شاعر و ادیب کو نہ تو کبھی

پڑھا اور ناں ہی ان کو کوئی کتاب میری نظر سے گزری۔ اس کے باوجود مجھے کہنے کی ہمت نہ ہوئی..... میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ میں مصطفیٰ فراز پر کہانی ضرور لکھوں گی..... ایک تو وہ خود بہت اچھے تھے دوسرا اس کا ادبی ذوق واقعی میں قابل دید تھا..... ہر طرح پرکھنے کے بعد مجھے ان کی دوستی میں کوئی نقصان نظر نہ آیا۔ ان سے بات کرتے مجھے ایک ماہ سے زیادہ گزر چکا تھا لیکن ابھی تک ہماری بات دوستی کے مراحلے سے آگے نہ بڑھی تھی۔ مجھے ان کے ساتھ ادب پر گفتگو کرنے میں مزہ آتا تھا۔ انہی دنوں انہوں نے مجھے ایک ویب کمیونٹی کے بارے میں بتایا..... جہاں وہ اپنی شاعری شیئر کرتے تھے..... اس ویب کمیونٹی میں مجھے اکثر ابھرتے اور منجھے ہوئے رائٹرز و پوئیٹ بھی ملے۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے.....؟'' ان دنوں ویب پر محبت کے ٹاپک پر بحث چل رہی تھی تب ہی میں نے ان سے پوچھا۔ دوسرا ہمیں بات کرتے دو ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے اور میں اپنی کہانی کا ایک کردار بھی تخلیق نہیں کر پائی تھی۔ ''ہاں.....'' وہ بلاتوقف سے بولے۔ ''آہم..... کون ہے وہ.....؟'' میرا انداز تجسس لئے ہوئے تھا۔ ''اگر میں نے تمہیں بتایا تو تم خفا ہو جاؤ گی.....'' انہوں نے بتانے سے گریز کیا۔ ''میں کیوں خفا ہونے لگی..... مجھے تو آپ کے بارے میں جاننا اچھا لگے گا.....''

''تم نے کبھی محبت کی ہے.....؟'' میری بات کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کیا گیا۔ ''ہاں.....'' میں نے فوراً جواب سینڈ کیا۔ ''کون ہے وہ.....'' دوبارہ سوال۔ ''کم از کم وہ مصطفیٰ فراز نہیں ہے.....'' میں نے بنا سوچے سمجھے جواب ٹائپ کر کے سینڈ کیا۔ دوسری طرف چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔ دوسرے ہی لمحے مجھے احساس ہوا کہ مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔ ''عرو..... تم انگیجڈ ہو یا میرڈ.....'' کچھ لمحے بعد انہوں نے سوال سینڈ کیا۔ ''کیوں اگر میں انگیجڈ یا میرڈ ہوئی تو آپ بات نہیں کریں گے.....'' میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔ ''جو پوچھا اس کا جواب دو.....'' سختی سے کہا گیا۔ ''انگیجڈ ہوں..... دو سال ہو چکے ہیں..... میرا کزن ہے.....'' یکے بعد میسج سینڈ کئے۔ ''تم جھوٹ بول رہی ہو.....'' جانے کیوں وہ ماننے سے انکاری تھے۔ میں نے ہنسی کا آئی کان سینڈ کیا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ تم نے اس آپشن میں انگیجڈ خود کو سیو کرنے کے لئے لکھا ہے.....'' میں ان سے جھوٹ نہیں بول رہی تھی لیکن انہیں میری بات پر جھوٹ کا گمان ہو رہا تھا۔ ''مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں.....'' میں یکدم سنجیدہ ہوئی' مصطفیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ''اگر میں کہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے تو کیا مان لوگی.....'' مجھے ان سے اس سوال کی امید نہیں تھی۔ ''آپ کا دماغ چل گیا.....'' ان کی بات پر مجھے سخت غصہ آیا۔ ''مجھے تم سے نہیں..... تمہارے فن سے محبت ہے..... تمہارے فن کی روح سے محبت ہے.....''

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یکدم انہوں نے پینترا بدلا لیکن میرا دماغ پہلی بات میں ہی اٹک گیا تھا۔

"پلیز سر' آپ جس سے محبت کرتے ہیں کریں' لیکن لفظوں کا یہ بیہودہ کھیل میرے ساتھ نہ کھلیں....." دو مہینوں میں پہلی بار میں نے یوں بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اطرح ری ایکٹ کرتے ہوئے میں بھول گئی تھی کہ میں بھی کچھ ایسا ہی کھیل ان سے کھیلنے والی تھی لیکن میرا خدا گواہ ہے میرا ارادہ قطعی ان کے ساتھ محبت کا ناٹک کرنا نہیں تھا۔

"اگر میری یہ محبت تمہارے لئے ہے تو برائی کیا ہے.....؟" میرے غصے کی پرواہ کئے بنا آرام سے کہا گیا۔ میرے تن بدن میں آگ لگی تھی میں نے کوئی بھی جواب دیئے بنا میسنجر آف کر دیا۔

ابھی میں اس کی باتوں پر تلملا رہی تھی کہ کامی چلاتا آیا۔ "کیا ہوا تمہیں....." وہ فکرمندی سے میرے قریب آیا۔

"کیا ہوا مجھے.....؟" میں نے الٹا سوال کیا۔

"کچھ تو ہوا ہے جو یوں پریشان لگ رہی ہو....." کامی حقیقتاً فکرمند ہو رہا تھا یکدم مجھے احساس ہوا کہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔ حالانکہ بہت کچھ غلط ہونے جا رہا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں بلگرامی صاحب کو فون کروں....." میں نے خود کو مصطفیٰ فراز کی باتوں سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"چلو..... میں سمجھا شاید حکومت کا تختہ الٹنے کا سوچ رہی ہو....." معلوم نہیں اسے میری بات پہ یقین آیا تھا یا نہیں لیکن اب وہ مجھے نارمل دیکھ کر جلانے والے انداز میں بولا اور میں واقعی سر تا پیر جل اٹھی اور اس کے اوپر جھپٹی۔ وہ تو جیسے اس حملے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اب وہ آگے آگے اور میں اس کے پیچھے سارے گھر میں دھمال ڈال رہی تھی۔ اماں کے کوسنے میرا تعاقب کر رہے تھے۔ اس بھاگ دوڑ میں' میں مصطفیٰ فراز کی ہر بات بھول چکی تھی۔

کتنے بہت سارے دن گزر گئے میری مصطفیٰ سے کوئی بات نہیں ہوئی' کچھ میں کترا رہی تھی تو کچھ مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ نیٹ آن کرنے کا موقع نہ ملا۔ میری مصروفیت کی وجہ سے عدنان بھائی کی منگنی اور میری کتاب کی اشاعت تھی۔ میری پہلی کتاب کی اشاعت پر جہاں مجھے بے تحاشہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا' وہیں پر بہت اچھا رسپانس بھی ملا۔ سب سے بڑھ کر فیضان کو میرے لکھنے سے تو پہلے ہی چڑ تھی' کتاب کی اشاعت پر وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ میں لاپرواہ بنی اسے نظرانداز کر رہی تھی لیکن کب تک' عدنان بھائی کی منگنی پر میری آن سے ملاقات ہوئی اور ہماری اچھی خاصی بحث ہو گئی۔

"جب تک میں اپنے بابا کے گھر پر ہوں تمہیں مجھ پر تنقید کرنے کا یا پابندی لگانے کا کوئی حق نہیں....." جیسے ہی اس نے کتاب کی اشاعت پر اعتراض کیا' میں تلخ ہو گئی۔

"میرے ساتھ حق کی بات مت کرو..... مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا تم پر کیا حق ہے.....؟" اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھ پر پابندی لگانے والے میری زندگی میں جہاں چاہو جاؤں' جو چاہوں کروں....." اس کا یوں حق جتانا میرا دماغ فارغ کر گیا۔

"عرو تم سمجھتی کیوں نہیں لوگ باتیں کرتے ہیں....." میرے غصے کرنے پر وہ نرم پڑا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ جب بھی میں ہتھے سے اکھڑتی' وہ نرم پڑ جاتا۔

"مائی فٹ لوگ..... میرے باپ کو اعتراض نہیں تو لوگ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے....." ہمیشہ ایسا ہوتا کہ جب وہ نرمی سے بات کرتا میرا غصہ آپ ہی آپ جھاگ ہو جاتا..... جانے کیوں آج مجھے اس کی باتیں اشتعال دلا رہی تھیں اور میں اردگرد سے بے خبر اس کی بے عزتی کر رہی تھی۔ "کول عرو..... تم بات کو طول مت دو۔" جانے وہ کس مٹی کا بنا تھا کہ اتنی بے عزتی کرواتے بھی ناں تو وہ میرے سامنے سے ہٹا تھا ناں ہی اسے اب مجھ پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ فیضان کو مجھ پر غصہ آتا ہی نہیں تو غلط نہ ہو گا لیکن جب آتا تو وہ سارے حساب بے باق کرتا تھا۔

"تم یہاں منگنی انجوائے کرنے آئے ہو..... کرو اور جاؤ میرے استاد بننے کی ضرورت نہیں....." میں نے کبھی فیضان کے ساتھ اس حد تک بدتمیزی یا بحث نہیں کی تھی لیکن آج جانے کیوں مجھے رہ رہ کے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ میں درشتی سے کہتے اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ میرا یوں اس پر چلانا اور اس کا یوں خاموش ہوتے فنکشن چھوڑ جانا کتنے لوگوں کو کھلی تھی' مجھے اس کا اندازہ اس وقت ناں ہوا تھا کہ میں نے یوں سرعام اس کی انسلٹ کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے فیضان کے ساتھ بدتمیزی کیوں کی.....؟" اماں پوری سن گن لے کر میرے پاس آئی تھیں۔

"آپ سے کس نے کہا.....؟" میں نے معصومیت کی انتہا کی حالانکہ یہ بات تو اکثر سے بیشتر لوگوں کو معلوم ہو گی کہ میری اور فیضان کی کل بحث ہوئی ہے..... اور میں اچھی طرح سے جانتی تھی کہ مجھے خاندان میں کن القابات سے نوازا جا رہا ہو گا لیکن مجھے پرواہ نہیں تھی۔ میری سب سے بڑی خوبی یا خامی یہی تھی کہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ سوائے اپنے گھر والوں کے.....

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''اماں کچھ نہیں کہا میں نے اسے..... اسے خوامخواہ مظلوم بننے کی عادت ہے.....'' اماں اس کی وکیل بن کے آئی تھیں میرا غصہ کرنا لازمی تھا۔

''عروش تم دن بدن تہذیب اور تمیز بھولتی جا رہی ہو.....'' اماں دنیا کی واحد ماں ہیں جنہیں اپنی سگھڑ اور ٹیلنٹ بیٹی میں عیب دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ جواب دینے کا مطلب تھا' اماں کا لمبا چوڑا تہذیب پر لیکچر سننا..... اور میں اس وقت قطعاً اس موڈ میں نہیں تھی کہ اماں کے ساتھ کسی قسم کی بحث کروں' وجہ تھی کہ میں آج پورے پچیس دن بعد نیٹ آن کر رہی تھی اور اماں کی اس وقت فیضان کی طرف داری کرنے پر چڑنے کا مطلب آج کا دن بھی گنوانا تھا۔ اس لئے میں خاموشی سے کمپیوٹر آن کرنے لگی۔

''عروش میں نے کچھ پوچھا ہے.....'' اماں کو تو میری خاموشی پر بھی غصہ آتا ہے۔

''آپ کو کس نے بتایا.....'' میں ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

''جس کسی نے بھی بتایا مطلب بات سچ ہے.....' تم جانتی ہو تمہاری اس حرکت سے خاندان بھر میں کتنی باتیں ہو رہی ہیں.....'' اماں بے تحاشہ غصے میں ڈانٹ رہی تھیں۔

''مجھے پرواہ نہیں.....'' میرے دوٹوک جواب پر اماں کے گویا تلوؤں پے لگی تھی۔

''عروش کیوں میری جان کی دشمن بنی ہے.....'' تو کسی ناول کی ہیروئن نہیں جو منہ میں آیا بول دو.....' شریف گھرانے کی لڑکیوں کو یہ زبان درازی زیب نہیں دیتی.....'' اماں کا لیکچر شروع ہو چکا تھا۔ اماں کی پریشان اور اتری صورت دیکھ کر میں نے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''اماں میں تلخ ضرور ہوئی تھی لیکن بات اس نے شروع کی تھی.....'' میں نے نرمی سے کہا۔

''مردوں کے سامنے یوں زبان نہیں چلائی جاتی عرو..... مرد کو غصہ.....''۔

''اماں میں ابھی اپنے باپ کے گھر پر ہوں' آپ مجھے مرد کی حاکمیت پر لیکچر نہ دیں.....' مرد اور عورت کی عزت برابر ہوتی ہے..... جتنی سبکی کا احساس مجھے ہوا اتنی شرمندگی اسے بھی ہونی چاہیے' میں اس کی جاگیر نہیں ہوں..... جو وہ یوں ابھی سے مجھ پر رعب جماتا ہے.....'' اماں کی بات پر اس کا ٹھنڈا غصہ عود کے آیا تھا۔ تب ہی وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ اماں انگشت بدنداں اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''عرو تیری حرکتیں مجھے ہولاتی ہیں..... مردوں سے مقابلے نہیں کئے جاتے.....'' اماں زچ ہو گئی۔ عروش کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لے.....

''اماں اس کا اور میرا تعلق صرف انگوٹھی کا ہے..... لیکن وہ رعب اور حق منکوحہ والے جماتا ہے.....

آپ یہ بھی تو دیکھیں.....'' وہ روہانسی بولی۔

''عرو تیرے لچھن مجھے بسنے والے نہیں لگتے..... بچے یہ کتابی باتیں ہیں اصل زندگی میں انگوٹھی نکاح کا ہی درجہ رکھتی ہے۔'' اماں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نرم کیا۔ مجھے اماں کی بات پر اختلاف ہوا۔ میرا دل چاہا میں اماں سے کہوں کہ کتابی باتیں آسمان سے نہیں اترتی..... وہ بھی اصل زندگی کے تجربے ہوتے ہیں..... اگر انگوٹھی نکاح کا درجہ رکھتی ہے تو پھر نکاح والے تعلق پر لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ اپنا مطلب ہوا تو جس کروٹ مرضی اونٹ کو بیٹھا دو..... لیکن اماں کو اپنا لوجک سمجھانے کا مطلب اماں کی دس بارہ نصیحتیں مزید سننا تھا۔ جو کہ میں اس وقت سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''او کے اماں میں اسے 'سوری' بول دوں گی.....'' میں نے نا چاہتے ہوئے بھی ہار مانی اور ہار کو مانتے ہوئے میری انا کو کتنی کاری ضرب لگی تھی۔ اماں کو احساس نہیں تھا..... میری بات پر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''دیکھ عرو میں تیرے بھلے کے لئے ہی کہتی ہوں ناں..... وہ میرا بھائی ہے تو بات کو طول نہیں دیا ورنہ کوئی اور ہوتا تو یوں تیرا فیضان کی بے عزتی کرنے پر منگنی توڑ دیتا.....''

''اماں مجھے کام کرنا ہے..... میں شام میں فیضان کو فون کر دوں گی.....'' میں نے بات کو سمیٹا تھا اماں مجھے پیار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''میں تیرے لئے چائے بھجواتی ہوں.....'' وہ محبت لٹاتی' کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔

میرا دل رو دینے کو چاہا تھا..... میں نے اماں سے کہہ تو دیا تھا کہ میں معافی مانگ لوں گی لیکن میں خود میں حوصلہ اور ہمت جمع نہیں کر پا رہی تھی..... میں اماں کی فیضان سے جذباتی وابستگی کے بارے میں جانتی تھیں..... وہ جانے کیوں اس معاملے میں خوفزدہ تھیں۔ سوائے اس کے کہ اماں نے سب کی مخالفت سے یہ رشتہ کیا تھا۔ اب جیسے جیسے فیضان کی عادتیں سامنے آتیں اماں کی کوشش ہوتی انہیں دبا جائیں یا پھر مجھے صبر کی مٹھی گولی دیں..... زمانے کی اونچ نیچ سمجھائیں..... میں جانتی ہوں کہ میرا اس رشتے کی یا فیضان کی مخالفت کرنے کی دیر ہوتی کوئی بھی اماں کی پرواہ نہیں کرے گا کہ ان کا میکہ ختم ہوتا ہے تو ہو جائے..... مجھے اپنی اماں کو اپنی ذات سے دکھ دینا برداشت نہیں..... ان کے لئے میں اپنی ہر خوشی کو تیاگ سکتی ہوں..... وہ تو صرف مجھے فیضان کے سامنے جھکنے کو کہتی ہیں..... میں کبھی بھی اپنی ماں کی محبتوں کا قرض نہیں اتار سکتی' بلکہ ان کی خاطر میں اپنی انا اور عزت نفس کو کچل کے فیضان سے سمجھوتا کر سکتی ہوں جو مجھے تمام عمر کرنا ہے۔ اس آس کے ساتھ کے شاید وقت گزرنے کے ساتھ وہ بدل جائے.....

KUTABISTAN.BLOGSPOT.COM

اس نے بے دلی سے میسنجر آن کیا..... مصطفیٰ فراز کی ڈھیروں میلز اس کی منتظر تھیں جس میں اس نے اپنی اس دن کی بات کے لئے معافی مانگی تھی۔ میری غیر حاضری کو اس نے میری ناراضگی سے موقوف کیا تھا۔ حالانکہ اپنی لاپرواہ طبیعت کی وجہ سے میں اس بات کو اس دن ہی بھول گئی تھی۔ میں نے پہلی بار انہیں خود سے میل کرنے کا سوچا۔ جب انسان نڈھال ہو..... اس وقت اس کی کیفیت میں گھرا ہو تو اسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت میں فیضان کی طرف سے جتنی دلبرداشتہ تھی مجھے مصطفیٰ سے اچھا سہارا نہیں مل سکتا تھا۔ میں پوری تندہی کے ساتھ اپنا دکھ مصطفیٰ کے گوش گزار کرتی چلی گئی..... اس بات سے یکسر انجان کے یہ لمحے میں آنے والے دنوں میں کتنے بھاری پڑنے والے ہیں۔

بہت یکسانیت لگتی ہے اس میں
کہانی میں نیا اک موڑ لادو
بظاہر درمیان میں کچھ بھی نہیں تھا
مقدر ہوگیا حائل بتادو

''کیا سوچ رہی ہو اہل کتاب صاحبہ؟'' جب سے میری کتاب شائع ہوئی تھی کامی مجھے اہل کتاب کہہ کے پکارتا تھا۔

''ہاں..... ہوں..... تم کب آئے.....'' میں نے مصطفیٰ کو میل کر تو دی تھی لیکن اب مجھے اپنی جلد بازی پر ناں صرف شرمندگی ہو رہی تھی بلکہ افسوس بھی کہ مجھے یوں اسے میل نہیں کرنی چاہیے تھی۔

''عرو.....'' وہ میرے کان کے قریب آ کے چلایا۔

''کیا مسئلہ ہے یار کبھی سکون سے بیٹھنے بھی دیا کرو.....'' اس کی شرارت پر میں چڑ گئی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے.....'' وہ میرے قریب آیا اور میرے ماتھے کو ہاتھ کی پشت سے چیک کرنے لگا۔ میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے شرارت کی کوئی رمق تلاشنہ چاہی لیکن وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ مجھے اپنے رویے کی سنگینی کا فوراً احساس ہوا۔

''کہاں سے آ رہے ہو تم.....'' میں نے اس کے رف حلیے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے جواب دیئے بنا میری جانب دیکھا۔

''تم گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کیوں لگی ہو..... کبھی تمہارا موڈ کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ..... بات کیا ہے.....؟'' وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔ وہ مجھ سے ایک سال چھوٹا تھا لیکن ہم دونوں میں زبردست دوستی تھی۔ لڑائی جھگڑا کرنے کے باوجود ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتے۔ حتیٰ کہ جب بھی میں کسی نئی

کہانی کا پلاٹ تیار کرتی سب سے پہلے کامی کو سناتی..... اکثر کامی ان میں کمی بیشی کرتا..... ریسرچ کرنے میں میرا ساتھ دیتا..... مجھے اپنا یہ بھائی دوستوں اور بہنوں کی طرح عزیز تھا۔

''تمہارا تو آج میچ تھا' کیا بنا.....'' مجھے بات پلٹنے کا بہانہ ملا تھا کیونکہ کامی کو کرکٹ سے اس قدر لگاؤ بلکہ جنون تھا کہ وہ کرکٹ کی بات ہوتی تو جھگڑا بھول جاتا تھا۔ اس قدر جنونی تھا کہ اس نے جتنے بھی میچ اس کی پیدائش سے پہلے ہوئے تھے۔ ان کو بھی ڈھونڈ ڈھانڈ کے دیکھا تھا۔ ہم اکثر کہتے کامی تو کسی میچ گراؤنڈ میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔ حسب توقع اس کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی تھی۔

''آج کا میچ زبردست رہا.....'' وہ پرجوش ہوا۔

''کل بھی تو تھا کل کون جیتا اور آج کون جیتا.....'' مجھے یاد آیا تو پوچھا۔

''کل کا میچ ہم ہار گئے..... آج کا وہ جیت گئے.....'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ میں نے اس کی بات کا مطلب سمجھے بنا سر ہلایا تھا۔ اچانک سمجھ آیا تو کھلکھلا کے ہنس دی۔ ''یعنی دونوں میچ ہار گئے.....'' میں نے ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ایک ہم ہارے دوسرا وہ جیتے ہیں.....'' وہ بے شرموں کی طرح اپنی ہار تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی اس نے مجھے خاموش رہنے کا کہتے ہوئے سیل کان سے لگایا۔ ''ٹھیک ہم ملتے ہیں کل.....'' اس نے صرف اتنا کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

''کون تھی.....؟'' میں پریقین لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''شک کرنا تم عورتوں کا وطیرہ ہے..... دوست ہے وہ میری.....'' اب وہ ایس ایم ایس کر رہا تھا۔

''کس حدود میں داخل ہوتی ہے یہ دوستی.....؟'' میں جراح پے اتری۔

''دوست مطلب دوست تھنگ مور.....'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ ''شکسپیئر نے کہا ہے کہ لڑکی' لڑکا ہمیشہ دوست نہیں ہو سکتے.....'' عروش نے اسے تنگ کرنے کو کہا۔

''شکسپیئر کا دماغ خراب تھا' اپنی اس کی پتہ نہیں کتنی گرل فرینڈز ہوں گی۔'' وہ تنک کر بولا تو عروش کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''اچھا اب بتا دو ناں کس حد میں داخل ہوتی ہے یہ دوستی.....'' میرا اسے تپانے کا پکا ارادہ تھا۔

''کم از کم محبت کے زمرے میں نہیں آتی.....''

''کمال ہے.....'' وہ پٹڑی سے اتر جاتا۔ ''کیا دنیا میں میل فرینڈز کی قلت ہو گئی جو تمہیں گرل گرینڈ بنانی پڑی.....'' میں باقاعدہ بحث کے لئے تیار تھی۔ ''مسئلہ یہ ہے مائی ڈیئر فرینڈ پلس سسٹر کہ لڑکی اچھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دوست ہوتی ہے....." اس کا انداز لاپرواہ تھا۔

"پھر اس دوستی کو چھپانے کی وجہ....." میرا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"او.....جا۔" اس نے جواب دینے کی بجائے بات کو ہنسی میں اڑایا۔ "بچو..... مان نہ مان دال میں کچھ کالا ہے....." میرا انداز رازدارانہ تھا۔

"نہیں پوری دال ہی کالی ہے.....اب چائے پلاؤ مجھے۔" اس نے پہلوتہی کرتے ہوئے گویا بات ختم کی۔

"خود بناؤ' مجھے بھی پلاؤ....." اکلوتی بہن ہونے کا فائدہ تھا کہ ایسی مہربانیاں کامی مجھ پر کرتا رہتا تھا۔

"اٹھو یار تنگ نہ کرو....." وہ بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے موبائل سے لگ گیا۔ میں نے بھی ڈھٹائی میں پی ایچ ڈی کی تھی' پاؤں پسار کے لیٹ گئی اور 'بیڈ بک' اٹھائے پڑھنے لگی۔ آج کل میری 'بیڈ بک' میں 'راجہ گدھ' شمار ہوتی تھی۔ جو ہر وقت کبھی میرے تکیے کے نیچے اور کبھی سائیڈ ٹیبل پر پڑی رہتی اور میں 'بیڈ بک' کا حق ادا کرتے ہوئے کبھی ایک اور کبھی دو صفحات پڑھ کے رکھ دیتی۔

"او کے اب آنا ذرا اپنے کام لے کر....." وہ کچھ دیر لیٹا موبائل سے کھیلتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا کیا یاد کرو گے.....لیکن میری ایک شرط ہے۔" میں 'بیڈ بک' رکھتے ہوئے اس کے قریب آئی تو وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "میری کتاب پڑھو گے....." میرا لہجہ پر اشتیاق تھا۔

"مجھے چائے نہیں پینی....." اس نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

"ہو ہی ڈفر....." میں چلائی میں تن تن کرتی باہر نکل آئی۔ عجیب بات تھی کہ میرے گھر میں میری کتاب سوائے اماں کے کسی نے نہیں پڑھی تھی۔ بابا اور عدنان بھائی کو کتاب دیتے ہوئے اک جھجک مانع تھی اور کامی کہتا۔ "میں بے وقوف ہوں یا بھائی اور بابا بدذوق ہیں.....اچھا لاؤ دو....." اچانک وہ مہربان ہوا۔ میں نے بخوشی کتاب اسے تھمائی۔ "محبت کا شہر' از عروش ندیم۔" وہ باآواز بلند بولا۔ "ٹائیٹل اچھا ہے....." اس نے کہتے ہوئے کتاب کھولی اور دوبارہ بند کر دی میں جو خوشی سے اسے دیکھ رہی تھی حیران ہوئی۔ "یہ مجھ سے زیادہ فیضان دلچسپی سے پڑھے گا....." وہ کہہ کے باہر کی جانب بھاگا۔ میرے ہوش اڑے تھے۔ ابھی تک تو اشاعت کا غصہ ہی نہیں اترا تھا کتاب پڑھ کر وہ کیسے کمنٹس پاس کرتا' میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میں کامی کو آوازیں دیتی باہر تک آئی تھی وہ جا چکا تھا۔ میں اسے کوستے ہوئے اندر آئی' سیل اٹھایا اور اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی.....بیپ جا رہی تھی.....آواز قریب سے آ رہی تھی میں نے نظریں گھما کے دیکھا۔ میرے بیڈ پر اس کا سیل پڑا تھا۔ میرا دل چاہا میں اس کا سر

پھاڑ دوں..... مجھے اب بے صبری سے اس کا اور فیضان کے طنز بھرے فون کا انتظار تھا۔

"کہاں تھیں تم....." میں نے ابھی میسنجر آن کیا ہی تھا کہ مصطفیٰ کا میسج آ گیا۔

"کیوں کیا آپ کو کوئی کام تھا....." میں نے ہمیشہ کی طرح بات کو ہنسی میں اڑایا۔

"ہاں....." فوراً جواب آیا۔ ہمیں بات کرتے چار پانچ ماہ ہو چکے تھے۔ میں نے مصطفیٰ کو کیوں ایڈ کیا' میں یہ بھول چکی تھی۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ ہم دوست ہیں..... مجھے مصطفیٰ سے بات کرنے کی اتنی عادت پڑ چکی تھی کہ کبھی ناں ہوتی تو کسی کمی کا احساس رہ جاتا۔ ہر روز ہم دو سے تین گھنٹے اکٹھے گزارتے کبھی وائس چیٹ کرتے اور کبھی صرف چیٹ پلس کیم' ایک دوسرے کی ذاتیات کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے تھے جتنا ہماری پروفائل میں لکھا تھا۔ بلکہ مصطفیٰ کی پروفائل میں نے کبھی کھولنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی.....اکثر مصطفیٰ اب میری ذاتی زندگی کے بارے میں جاننے کو بے چین رہنے لگے تھے.....لیکن ہر بار میں سہولت سے ٹال جاتی۔

"جب بھی میں کام کی بات کرنے لگتا ہوں تم یا تو ٹال دیتی ہو یا بھاگ جاتی ہو....." وہ ناراضگی کا اظہار کرتے.....اور میرے پاس سیدھا جواب کہ یہ ضروری نہیں.....تم کیا جانو کہ کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری' ان کی ناراضگی ہنوز برقرار رہتی۔

"ٹھیک اب میں آن لائن نہیں آؤں گی....." میرے دھمکی دینے کی دیر ہوتی اور مصطفیٰ کی ناراضگی ہوا ہو جاتی۔ ان چار پانچ مہینوں میں' میں مصطفیٰ کے قریب تر اور فیضان سے دور تر ہوتی چلی گئی۔ فیضان گلہ کرتا تو میں الجھنے لگی۔ مجھے اس کی صحیح بات پر بھی تاؤ آنے لگا تھا۔ آخر اس نے تنگ آ کے بات کرنا چھوڑ دی مجھے تب بھی کچھ غلط ہونے کا احساس تک نہ ہوا' حالانکہ بہت کچھ غلط ہو رہا تھا اور بہت کچھ غلط ہونے جا رہا تھا۔ مجھے اپنے اور فیضان کے رشتے کی سچائی کا ادراک تھا اور خود پر یقین بھی اس لئے مصطفیٰ سے اپنے بڑھتے احساسات سے شک میں مبتلا نہ ہوئی۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی بھی انسان کو راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ میں بھی بھٹک رہی تھی۔ مصطفیٰ سے محبت نہ ہونے کے باوجود مجھے اس کے ساتھ بات کرنا کس قدر اچھا لگتا تھا.....اس احساس کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس لفظ نہیں..... میں نے کئی بار اس پسندیدگی کا اظہار مصطفیٰ سے بھی کیا.....وہ ہنس پڑتے....." کیوں....." یہ تو اس دن معلوم ہوا جب ان کی طرف سے آنے والی میل نے ہمارے رشتے کے معانی بدل دیئے۔ میں حق دق ان لفظوں میں الجھ کے رہ گئی۔ "کیسی ہو عرو.....؟ کہو کیسی ہے.....؟ میں نے کبھی بھی پہلی نظر کی محبت پر یقین نہیں رکھا تھا۔ میں اس فرسٹ سائیٹ لو کو بکواسیات سمجھتا تھا لیکن تم یقین مانا عرو میں نے تم سے اس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پہلی نظر میں محبت کی جب تمہیں پہلی بار دیکھا۔ میں نے تمہارے ملنے کی دعا کی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم دونوں میں بہت کچھ ڈیفرنس ہے۔ شاید وہ لمحہ قبولیت کا تھا۔ تب ہی تو تم نے مجھ سے رابطہ کیا۔ اتنے سارے مہینے بات کرنے کے بعد میں تم سے دل و جان سے محبت کرنے لگا ہوں..... کسی پل تمہاری یاد مجھ سے اوجھل نہیں ہوتی۔ شام کے سائے ڈھلتے ہی تمہاری یادیں میرے آنگن میں اتر آتی ہیں۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں' تمہیں پڑھنا چاہتا ہوں' میرا یقین کرو محبت سچ ہے گماں نہیں.....''

ان کی میل گویا کوئی آٹومیک بم کی طرح میرے اعصاب پر لگی تھی۔ مجھے تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ میرے اعصاب شل ہو گئے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہے تھے..... میری تو سوچ کے ہزارویں حصے میں بھی نہیں تھا کہ مصطفیٰ ایسی کوئی پیش رفت کریں گے..... مرد اور عورت کے درمیان دوستی کے علاوہ ہر رشتہ ہوتا ہے..... کچھ دن پہلے میں نے کامی کو کتنے یقین سے یہ بات کہی تھی پھر میں خود کیسے بھول گئی کہ ہم بھی مرد اور عورت ہیں جن کے درمیان دوستی کا رشتہ اپنے ہی رنگ و انداز میں ہوتا ہے..... میں نے ہر بات پر رشتے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مصطفیٰ کو میل کی۔ ''مسٹر مصطفیٰ فراز..... دو دن آپ سے بات کیا کرلی' آپ نے الٹا ہی مطلب نکال لیا..... ایک بات میں بہت واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میری منگنی ہو چکی ہے اور میں اپنے منگیتر سے محبت کرتی ہوں۔'' حالانکہ یہ بالکل غلط تھا میں فیضان سے محبت نہیں کرتی لیکن ایک تعلق ہونے کی بنا پر مجھے اس سے انسیت ہے..... آپ کیا جانو کہ محبت کیا ہوتی ہے..... محبت اتنی ارزاں نہیں کہ جب چاہو کر لو' نہ ہی یہ ہر کسی کو دی جاتی ہے..... یہ صرف آپ کے دماغ کی خلل ہے..... محبت کا مزید دعویٰ کرنے کی بجائے اپنے دماغ کا علاج کروائیں..... پہلی نظر کی محبت کے بارے میں تو سنا تھا۔ یہ خالی باتوں کی محبت پہلی بار دیکھی ہے.....'' میں نے اچھی خاصی سنائی' جواب میں ان کی اک معذرت خواہاں میل آئی اور وہ غائب ہو گئے۔

''پیاری عرو..... تمہاری سب باتیں بالکل بجا..... میری محبت کی پاکیزگی اور مقدس ہونے کا ثبوت اور کیا ہوگا کہ میں نے تمہارے ظاہر سے نہیں باطن سے محبت کی ہے..... تمہاری روح سے محبت کی ہے..... تمہیں نہیں ماننا تو مت مانو لیکن پلیز میری محبت کی توہین تو مت کرو..... مجھے تمہارے جسم کی خواہش نہیں..... محبت تو سفیدے کے اس کھیت کی مانند ہے جو کڑی دھوپ میں بھی ٹھنڈک کا احساس دیتی ہے..... مجھے محبت میں ہوس کی طلب نہیں ہے..... کیونکہ محبت میں جب طلب آ جاتی ہے تو وہ سرسوں کے اس کھیت کی مانند ہو جاتی ہے جو یخ سردی میں بھی تیز دھوپ کی طرح چبھتی ہے..... پیاری عرو..... میں نے تمہیں دل و جان سے چاہا ہے..... اگر تم یہ سوچتی ہو کہ میں تمہاری باتوں سے خائف

ہو کے تم سے محبت کرنا چھوڑ دوں گا تو میری جان..... میری پیاری عرو' ایسا ممکن نہیں' میں مرتے دم تک تم سے محبت کرتا رہوں گا..... چاہے تم مجھ سے کرو یا ناں کرو..... تم مجھے ملو یا نہ ملو لیکن میری محبت کی تپش میں نہ تو کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کی شدتیں ماند پڑیں گی..... میری جان عرو' میں تم سے محبت کا طالب نہیں..... لیکن خدا کے لئے ایک بار میری محبت پر وشواس کر لو..... تمہارا مصطفیٰ فراز۔''

انہوں نے ایک بار پھر ڈھٹائی سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور اب کے بار میں محبت کے چھینٹے خود پر پڑنے سے خود کو بچا نہیں پائی تھی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان کے جانے سے میں سکھ کی بانسری بجاتی۔ لیکن اس میل نے میرے اندر تک اداسی بھر دی۔ مصطفیٰ کے جانے سے جو ادراک' جو تبدیلی میرے اندر ہوئی تھی میری راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ میں مصطفیٰ کی باتوں سے اس کی محبت سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی' میں نے خود کو مصروف کر لیا لیکن میرا کسی بھی کام میں دل نہیں لگتا تھا..... میں نے قلم کا سہارا لینا چاہا لیکن ہر ہر لفظ میں وہ اتر آئے' دیکھ لینا عرو' وہ دن دور نہیں جب تم مجھے اپنی سانسوں میں پاؤ گی..... اپنے دل میں..... اپنی تحریروں میں ہر جگہ صرف مجھے پاؤ گی..... میں جدا ہو کے بھی تم سے کبھی جدا نہیں ہو پاؤں گا.....'' کتنی لجاجت سے مصطفیٰ نے کہا تھا۔

''ایسا ناممکن ہے مسٹر فراز جس دن میں نے آپ کو اپنی تحریروں میں پایا' میں لکھنا چھوڑ دوں گی.....'' میں نے حقارت سے کہا تھا..... اور آج میرا رواں رواں مصطفیٰ کو پکار رہا تھا۔

مصطفیٰ کو مجھ سے رابطہ ختم کئے پورے دس دن ہو چکے تھے۔ میں روز نیٹ آن کرتی' ان باکس چیک کرتی اور مایوسی کے ساتھ آف کر دیتی۔ گزرتے ہر لمحے نے مجھ پر یہ آشکار کر دیا تھا کہ میں ''عروش ندیم' مصطفیٰ فراز' کی محبت میں پور پور ڈوب چکی ہوں..... میں محبت کا مذاق اڑانے والی' محبت نے مجھے امتحان کے لئے چنا تھا..... میں نے لاکھ چاہا..... لاکھ خود کو سمجھایا کہ میں خود کے بڑھتے قدم روک لوں..... محبت کی اس خاردار روش پر نہ چلوں..... جو میرے پیر زخمی کرنے والی تھی..... جو میرے وجود کو چھلنی کرنے والی تھی..... میں نے لاکھ چاہا کہ میں اپنے دل کو برباد ہونے سے بچا لوں..... خود کو فنا ہونے سے بچا لوں..... میں جانتی تھی کہ جن رستوں کی طرف میں چل رہی ہوں وہاں مجھے سوائے اذیتوں کے کچھ نہیں ملنے والا..... لیکن میرا دل میرے خلاف اٹھ کھڑا ہوا..... اس نے میری ایک نہ مانی..... میں جو ہمیشہ دماغ سے کام لیتی تھی' دل کی انگلی تھام کر انجانے رستوں کی طرف چل نکلی..... محبت کی طلب میں' وفا کی تلاش میں' میں عروش ندیم مکمل وجود کے ساتھ مصطفیٰ کے پیروں میں اس کی اک نظر پانے کی خاطر ڈھیر ہو گئی..... عروش ندیم نے ہار مان لی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جانتی ہوں میں اک ایسے شخص کو
جس سے میرا کوئی رشتہ نہیں
ناں دکھ کا' ناں سکھ کا
ناں دل کا' ناں درماں کا
پھر بھی تمام رشتے ہمارے
اک دوجے سے ہیں
نامکمل اور ناتمام رشتے

میں نے اس نظم کے ساتھ اپنی ہار تسلیم کی اور مصطفیٰ کو سینڈ کر دی۔ وہ مجھ پر میری محبت' میرے اندر پہنچنے والے جذبوں کو اجاگر کرنا چاہتے تھے اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے' مصطفیٰ فراز نے عروش ندیم کو چاروں شانے چت کیا تھا..... ایسا کون سا جادو مجھ پر کیا کہ میں گونگی' بہری صرف مصطفیٰ کو سن سکتی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ محبت جادو کی مانند ہوتا ہے جو اگر کسی کو اپنے حصار میں قید کر لے تو پھر وہ ساری عمر اس کے سحر سے نہیں نکل پاتا۔ مجھ پر بھی محبت نے سحر کر دیا اور میں مبہوت اس محبت کے تاج محل کی رنگینیوں میں کھوتی چلی جا رہی تھی۔

میرے اظہار کرنے کی دیر تھی کہ اگلے دن مصطفیٰ فراز آن لائن آ گئے۔

''میں جانتا تھا پیاری.....'' مصطفیٰ مجھے پیاری کہہ کے پکارتے تھے۔ ''کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے..... تمہیں یقین کبھی نہ آتا اگر میں تمہیں یقین دلانے کے لئے جدا نہ ہوتا.....'' مصطفیٰ کے لہجے میں سرشاری تھی۔

''اب زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے.....'' میں نے دامن بچایا..... ''اک بار پھر کہو میری جان تمہیں مجھ سے محبت ہے.....'' میرے اظہار نے انہیں ہفت اقلیم کی دولت دی تھی۔ ان کے لفظ لفظ میں شیرینی گھل گئی تھی۔ لفظوں میں پہلے سے زیادہ محبت ٹپکنے لگی تھی۔ مصطفیٰ فراز کو میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا..... بے حد ٹوٹ کر کہ اپنے ٹوٹ جانے کا بھی احساس نہ کیا..... اس قدر شدت سے چاہا کہ زندگی کم پڑ جاتی لیکن میری محبت دم نہ توڑتی اپنے ہر رشتے کو نظر انداز کیا تھا..... میں جو رشتوں میں جیتی تھی..... ان رشتوں کو دکھ دینے کا سامان کر رہی تھی..... ان آٹھ مہینوں میں' میں فیضان کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔ حالانکہ وہ ہمیشہ کہتا۔ ''عرو میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن تم میری محبت سے بھاگتی ہو.....'' آج بھی احساس ہوا کہ میں اس کی محبت سے کیوں بھاگتی تھی۔ کیونکہ اس کی محبت کے

بدلے اسے دینے کے لئے میرے پاس محبت نہیں تھی..... میری محبت مصطفیٰ فراز کے لئے تھی تو پھر میں کیسے اپنی محبت مصطفیٰ کے حصے کی محبت فیضان کے نام کر دیتی۔ مصطفیٰ کی محبت نے جو احساس تفاخر میرے اندر بھرا تھا' اس نے میرے ہر احساس پر برف ڈال دی تھی جو کبھی فیضان کے لئے تھا۔

''کاش آپ مجھے ڈھائی سال پہلے ملے ہوتے.....'' مجھے اکثر یہ ملال ہوتا۔

''بے فکر رہو میری جان ہم اب بھی ایک ہوں گے.....'' میرے ادھورے جملے کو وہ مکمل معانی دیتے۔ میری محبت کی مدت بڑی چھوٹی تھی..... مصطفیٰ نے مجھے اک امتحان میں ڈال دیا..... جب انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ شادی شدہ ہیں..... ''عرو کتنی عجیب بات ہے تمہیں محبت بھی ہوئی تو اک شادی شدہ مرد کے ساتھ.....'' کس قدر مطمئن انداز تھا۔ میری روح تک گھائل ہوئی تھی۔ مجھے لگا خودکش حملہ ہوا ہو جس نے میرے وجود کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ ابھی تو میری محبت پروان چڑھی تھی' ابھی تو میری محبت پر جذبوں کی ننھی کلیاں کھلی تھیں..... مصطفیٰ نے محبت کی اس بیل کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی تھی۔ یہ کیسا امتحان تھا کہ میں کسی سے شکایت بھی نہ کر سکی۔ میں مصطفیٰ سے جی بھر کے لڑی..... حالانکہ لڑنے سے سچائی بدل نہیں جاتی.....

''عرو کیا اتنی کمزور ہے تمہاری محبت.....'' میری لعن تن سننے کے بعد وہ بولے۔ میں نے کوئی بھی جواب دیئے بنا لاگ آف ہو گئی۔ اس دن میں نے جی بھر کے آنسو بہائے اپنی نئی نویلی محبت کے اجڑ جانے کا دل کھول کے سوگ منایا۔ اس رات میں نے جاگ کے یہی فیصلہ لیا تھا کہ مجھے اب مصطفیٰ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا' یہ فیصلہ کرتے ہوئے میرے رگ و جان میں ٹیس اٹھی تھیں..... میں نے ہر انداز سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس عورت کا وجود میری زندگی کے کسی بھی خانے میں فٹ نہیں آتا تھا..... میں نے اس مصطفیٰ کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا' جو میری رگوں میں خون بن کے دوڑتا ہے..... جو میری روح میں بہتا ہے..... جو میرے لفظوں میں ابہام بن کر اترا..... میں نے خود کو زندگی سے جدا کرنے کا فیصلہ کر لیا..... دن نکل آیا تھا لیکن میری زندگی میں رات ٹھہر گئی تھی۔ سارا دن میں نے خود سے لڑتے گزارا تھا..... جیسے ہی گھڑی نے تین بجائے میرے قدم کمپیوٹر کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ میرے فیصلے ریت کی دیوار ثابت ہوئے..... ان باکس آن کیا تو مصطفیٰ کی ڈھیروں میلو میری منتظر تھیں' جن میں بے چینی اور بے قراری سرفہرست تھی۔ خود ساختہ خول چٹخنے لگا تھا۔ میں ایک بار پھر مصطفیٰ کے سامنے ہار گئی۔

یہ میرے عشق کی انتہا ہی تھی شاید
کہ تیرے ہمسفر سے رقابت نہ تھی مجھے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تمہیں واقعی اس سے رقابت نہیں....." میرے شعر کے جواب میں مصطفیٰ نے پوچھا.....

"پلیز مصطفیٰ، میں اس کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتی..... حالانکہ اس عورت کا کوئی قصور نہیں تھا، اس کی زندگی میں تو زبردستی میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ میری شادی مجبوری تھی..... اگر میں ناں کرتا تو میرے والد محترم میری ماں کو طلاق دے دیتے....." ان کا جواز ایسا تھا کہ میں مزید کوئی سوال نہ کر سکی۔ مصطفیٰ نے ایک بار پھر مجھے اپنی محبت بھری باتوں سے بہکایا تھا اور میں بہک گئی تھی۔ میں اس قدر اپنی محبت میں خود غرض ہو گئی تھی کہ میں بھول گئی تھی کہ وہ ایک شادی شدہ مرد ہے..... پرایا مال ہے..... اور پرائی چیز پر نظر رکھنا وہ بھی بری نظر گناہ ہے..... لیکن میں محبت کے اس کھیل میں گناہ، ثواب، ماں باپ، بہن بھائی، عزت، عزت نفس، رشتے ناتے سب بھول چکی تھی..... ہر روز ہم ڈھیر ساری باتیں کرتے، محبت کی باتیں..... پیار و وفا کی باتیں..... اپنے مستقبل کی باتیں..... ملن و وصال کی باتیں..... اس کے علاوہ ناں ہم نے کبھی کچھ سوچا تھا اور ناں سوچنا چاہتے تھے۔ ہم دنیا جہاں کی باتیں کرتے سوائے ہجر و فراق..... لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ ہماری محبت "ہجر نصیب" ہے اور جو لوگ ہجر نصیب محبت کرتے ہیں ان کی قسمت میں کبھی بھی "وصل" نہیں ہوتا۔

ہجر کے عادی لوگوں کو
وصل پسند تو آ جاتا ہے
مگر
راس نہیں آتا

ہم بھی محبت کی اک ایسی ہی کشتی پے سوار تھے۔ جس کا بادبان وصل کی ہواؤں کے موافق نہ تھا۔

زندگی یہ کس مقام پے لے آئی ہے

"عرو اس شعر کو مکمل کرو....." مصطفیٰ نے شعر کا پہلا مصرعہ سینڈ کرتے ہوئے کہا۔

تمہیں چھوڑیں تو مر جائیں ہم

میں نے برجستگی سے شعر مکمل کیا..... "واہ..... ایکسیلنٹ پیاری....." بے تحاشہ داد دی گئی۔ "عرو کیا تم واقعی میرے بنا نہیں رہ سکتی....." اک اور میسج سینڈ کیا گیا۔

"بالکل بھی نہیں..... اک پل بھی نہیں....." میری آنکھیں بھیگی تھیں۔

"عرو..... عرو....." کامی پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ "مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں....." میرے جواب پر مصطفیٰ نے کوئی بھی خوبصورت جملہ کہنے کی بجائے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم پھر بات کرتے

ہیں....." میں کچھ بھی سنے بنا لاگ آف ہو گئی۔ ایسا اب اکثر ہونے لگا تھا۔ میں نے جب سے مصطفیٰ سے بات کرنا شروع کی تھی میں کسی کی بھی آمد سے گھبرا جاتی تھی..... شاید اس لئے کہ میرے دل میں محبت کا چور تھا۔

"کیا کرتی رہتی ہو تم اس کے سامنے بیٹھ کر سارا دن....." کامی کا انداز عجیب سا تھا۔

"کوئی کام ہے....." میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو پوچھا اس کا جواب دو....." وہ خواہ مخواہ تلخ ہوا۔

"میری جاسوسی کرنے کی ضرورت نہیں....." محبت نڈر کر دیتی ہے۔

"تمہاری سمتیں درست نہیں....." میں جو کہہ کر کمرے سے نکل رہی تھی اس کی بات پر میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

"مجھے اپنی حدوں کا علم ہے....." میں ہمیشہ یہ بات اعتماد اور یقین سے کہتی تھی لیکن آج مجھے اپنی آواز پر کمزوری کا احساس ہوا۔ "وہ کوئی اہم بات کرنا چاہتے تھے....." میرا دھیان بس اس بات میں اٹک گیا تھا۔ "عرو بدل گئی ہے..... عرو بدل رہی ہے..... عرو کا دماغ خراب ہو گیا ہے....." یہ وہ لفظ تھے جو اب مجھے وقتاً فوقتاً سننے کو ملتے تھے۔ سب کو یہی لگتا تھا کہ میں کتاب کی اشاعت کے بعد سے بدلی ہوں لیکن میں نہیں میرا دل بدلا تھا۔ میرے احساسات، میرے محسوسات، میرے جذبات بدلے تھے جنہوں نے مل کر میرے رویوں کو بدل دیا تھا۔

اگلے دن بھی مجھے مصطفیٰ سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ نانی اماں کی ڈیتھ ہو گئی اور ہمیں وہاں جانا پڑا..... مجھے انہیں بتانے کا موقع ہی نہ ملا اور سچ تو یہ تھا کہ کچھ دن تو میرا ان کی جانب دھیان بھی نہ رہا..... یاد تھا تو بس اتنا کہ اماں نے اپنا سب سے عزیز اور قیمتی رشتہ کھویا ہے..... وہ دکھی ہیں اور میرا دل اماں کے دکھ میں بھیگ رہا تھا..... اماں کی چھوٹی سی چھوٹی تکلیف بھی ہمیشہ مجھے دکھی کر دیتی..... اماں بارہ دن ماموں کے ہاں رہیں، اس دوران میں سائے کی طرح اپنی ماں کے ساتھ لگی اس کی دلجوئی کرتی رہی، جیسے ہی سوگ کی کیفیت تھمی اور اللہ نے صبر کی پھوار ڈالنا شروع کی..... سب سے پہلا احساس مصطفیٰ کا جاگا..... دل تھا کہ اڈاڈ کے مصطفیٰ سے بات کرنے کو بے چین ہوتا۔ میرا دل اس قدر بے قرار ہوا کہ مجھے لگا جیسے مصطفیٰ مجھے پکار رہے ہوں..... میں نے گھر واپس جانے کا سوچا۔ میں اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ مجھے فیضان کے آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

"بہت گہری سوچ میں لگ رہی ہو....." وہ میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھے اس کی موجودگی نے کوفت

kutubistan.blogspot.com

میں مبتلا کیا۔

"نہیں تو....." میں کہہ کے اٹھنا چاہا جب ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے روکا۔ "آئی ایم سوری.....اس دن میں اوور ری ایکٹ کر گیا' مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا....." میری توقع کے برخلاف وہ سر جھکائے شرمندہ سا اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا۔ میرا حیران ہونا بجا تھا.....اس دن کے بعد ہماری آج ملاقات ہو رہی تھی۔

"اٹس او کے....." میرا لہجہ آپ ہی آپ اجنبی ہو گیا۔ کتنے ہی پل خاموشی سے سرک گئے۔

جیسا کہ کبھی تعارف ہی نہ ہو
یوں ملتے ہوئے جھجک رہی ہوں

اس وقت ہم دونوں کی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ "میں نے تمہاری کتاب پڑھی ہے....." میرا دل دھک سے رہ گیا۔ "تم بہت اچھا لکھتی ہو کہ میرے جیسا بدذوق انسان بھی گرویدہ ہو گیا....." وہ مجھے آج حیران کرنے پر تلا تھا۔ وہ یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا اور میں بے دلی سے ہوں.....ہاں کرنے لگی....."تم بہت بدل گئی ہو عرو....." میری بیزاریت سے وہ اکتا کے بولا۔

"نہیں تو....." میں صفائی دینا نہیں چاہتی تھی پھر بھی میرے منہ سے نکلا۔

"تم اتنی خاموش تو کبھی نہیں رہی....." اس نے اوپر جاتی آکاس بیل کے پتوں کو نرمی سے چھوا تھا۔ وہ فکرمندی اور محبت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ میری خاموشی کو اور بھی قفل لگ گئے.....جب سارے منظر بدل جائیں تو منظر آپ ہی آپ بدل جاتے ہیں۔ میرا دل کیا بدلا' سارے موسم' سارے قصے پرانے ہو گئے۔ مجھے اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنی ہے' جس کی موجودگی مجھے کوفت میں مبتلا کر رہی ہے.....میں نے گھبرا کے اس کی جانب دیکھا' جانے کیوں میرا دل پنجرے میں قید پنچھی کی طرح پھڑ پھڑانے لگا تھا۔ وہ میری جانب متوجہ نہیں تھا بلکہ آکاس بیل کے پتوں کو پژمردگی سے توڑ رہا تھا۔ "کیا ہوا....." کتنا بے تکا اور بے موقع سوال کیا تھا میں نے۔ "ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا....." جانے وہ کس دھیان میں تھا اسی بے دھیانی سے بولا۔ مانا کہ ہمارے درمیان محبت کا رشتہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اک ان دیکھی پرخلوص چاہت اور اپنائیت کا رشتہ ضرور تھا۔ جو ہمیشہ ہمیں بنا کیسے اک دوسرے کی بات سمجھا دیتا تھا۔ آج مجھے وہ رشتہ بھی کمزور پڑتا محسوس ہوا۔ اس کی خاموشی اور میری بیزاری کو ہم دونوں نے شدت سے محسوس کیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا۔ میرے دل میں ان دیکھے اندیشوں سے سر اٹھایا۔ میں چند لمحے اس کے بولنے کی منتظر رہی لیکن وہ پورے انہماک سے آکاس بیل پر لگے اب

سفید پھول توڑ کر پتی پتی بکھیر رہا تھا' مجھے اس کی حرکت عجیب لگی۔ میں کچھ بھی کہے بنا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اپنی زندگی کو جیسے چاہو گزارو آئندہ بھی تمہاری کسی بات' کسی فعل پر اعتراض نہیں کروں گا.....صرف اتنا یاد رکھنا میرے اعتماد کو ٹھیس مت پہنچانا....." میں چند قدم چلی تھی جب وہ پیچھے سے بولا۔ اس کی بات نے میرے اندر کے چور میں کھلبلی مچائی تھی۔ میں نے بے چین ہو کے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے نمی کا احساس ہوا' میں نے کچھ کہے بنا قدم بڑھا دیئے۔ میرے قدم بوجھل تر ہونے لگے تھے۔ دوسری جانب اس کے قدموں کا بوجھل پن فیضان کے اندر اترنے لگا تھا.....اس کا دل کسی انہونی کے احساس سے لرز رہا تھا.....جانے محبت کے اس سفر میں کون کس کے درمیان آیا تھا.....؟

چلو فیصلہ چھوڑیں اس پر
ہمارے درمیان جو تیسرا ہے

مجھے ہمیشہ اپنے اچھے مسلمان ہونے کا دعویٰ رہا ہے۔ مجھے عبادت کرنا' بے وقت کے نوافل ادا کرنا.....تہجد پڑھنے اور تسبیح کرنے میں مزہ آتا.....میں خود کو اللہ کا نیک اور متقی بندہ سمجھتی ہوں۔ میں نے کبھی بھی اپنے طویل سجدوں اور لمبی دعاؤں میں دنیا کی خواہش نہیں کی۔ میری عبادت ہمیشہ اللہ کے لئے ہوتی۔ پھر بھی اللہ نے مجھے دنیا کی ہوس لگا دی۔ میرے دل پر مہر لگا دی' اچھے برے کی پہچان کو مٹا دیا.....مصطفیٰ فراز اس قدر میرے وجدان پر حاوی ہو گئے کہ میں سجدے میں جاتی تو اللہ کی بجائے میرا دھیان مصطفیٰ فراز کی طرف رہتا.....دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی تو دعا بھول جاتی.....اکثر مصطفیٰ اس قدر میرے دماغ پر حاوی ہوتے کہ میں نماز کی رکعتیں آگے پیچھے کر جاتی.....مصطفیٰ نے مجھے میری ذات سے تو بیگانہ کیا تھا' اللہ سے بھی دور کر دیا.....میرے دل میں بس ایک ہی حرص باقی رہ گئی کہ میں مصطفیٰ کو حاصل کر لوں۔ میں نے حقیقت میں اس کی محبت میں خدا کو بھلایا تھا.....تب ہی تو اللہ نے مجھے بھلا دیا۔ میرا دن مصطفیٰ کی تسبیح سے شروع ہو کے مصطفیٰ کی تسبیح پر ختم ہونے لگا۔ وہ شخص خدا کے نام پر مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتا اور میں خدا کے نام پر اس کی محبت کا اعتبار کر لیتی۔ پتہ نہیں وہ مجھے خدا کے نام پر دھوکا دے رہا تھا یا میں خدا کے نام پر دھوکا کھا رہی تھی.....لیکن میں اتنا جانتی تھی کہ جو رشتہ میں نے دوستی کے نام پر شروع کیا تھا' وہ عشق کے مراحل طے کر گیا کہ مجھے احساس تک نہ ہوا.....' میں اتنی دور نکل آئی تھی کہ واپسی کے سارے رستے بھول گئی.....' میں عشق کی ان حدود پر کھڑی تھی جس کی اگلی منزل جنون تھا.....

"محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے....." میں ہمیشہ اس مقولے کو بے ہودہ قرار دیتی.....لیکن اب جب میں خود اس مقام پر آئی تو مجھے محبت اور جنگ میں سارے جواز جائز لگتے۔

kutubistan.blogspot.com

میں عشق کے اس مقام پر تھی جب آنکھیں بند کرنے پر محبوب کا دیدار نصیب ہوتا ہے' اکثر میری نیند مصطفیٰ کے لمس سے کھل جاتی..... میں نے ان پندرہ مہینوں میں کبھی بھی مصطفیٰ فراز کو پانے کا نہیں سوچا تھا۔ کیوں نہیں سوچا تھا یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی تھی..... اتنا معلوم تھا کہ میں نے محبت کی معراج کو پالیا ہے..... عشق کے راز جان لیے ہیں۔ باقی کچھ بھی جاننا میرے لیے ضروری نہیں تھا..... میں نے مصطفیٰ فراز کی روح تو چھوا تھا اس کا جسم پانا میں ضروری نہیں سمجھتی تھی..... اکثر ایسا ہوتا کہ مصطفیٰ کی سوچ کو لفظ میں دیتی..... ہمارے درمیان میلوں کا فاصلہ تھا لیکن ہمارے دل اتنے قریب تھے کہ اک دوسرے کی دھڑکنوں سے چلتے..... میں نے ہمیشہ مصطفیٰ فراز کو ان کے لفظوں سے جانا' لہجوں سے موڈ تک رسائی تو ہر کوئی کر لیتا ہے..... میرے عشق میں اتنی گہرائی تھی کہ میں نے انہیں ان کے لفظوں سے جانا..... محبت تو بار بار ہوتی ہے..... عشق بس ایک بار ہوتا ہے۔ اور وہ شخص میرے عشق کی انتہا تھا۔ وہ اکثر پوچھتے۔ ''پیاری' تم محبت کی کونسی حد پر ہو۔'' مجھے ہمیشہ ان کی بات بری لگتی۔ ''محبت کو حدود میں نہیں ناپا جاتا مصطفیٰ' جن محبتوں کو حدوں تک پابند کر دیا جائے وہ محبتیں کھل نہیں پاتی..... سمٹ سمٹ کے سکڑ جاتی ہیں..... اپنا اصل کھو دیتی ہیں.....'' میں محبت پر اچھا خاصا لیکچر دے دیتی۔

''تم بات کو بہت اچھا بنتی ہو.....'' میری بات کے جواب میں وہ کہتے تو میں کھلکھلا کے ہنس دیتی۔

''اتنا مت ہنسا کرو عرو.....'' میرے ہنسنے پر وہ اکثر ٹوک دیتے..... ''کیوں رلانے کا ارادہ ہے۔'' میں تنگ کرتی۔ ''پاگل ہو گیا..... اللہ تمہیں میری مسکراہٹیں بھی دے دے.....' عروش ہے تو مصطفیٰ کی سانسیں چلتی رہیں گی۔'' وہ اتنی محبت سے کہتے کہ میرا اندر تک سرشار ہو جاتا' وہ شخص میری زندگی میں ''سر'' کی حیثیت سے آئے تھے لیکن میری محبت نے انہیں مصطفیٰ سے مصفی کا مقام عطا کیا..... جب میں انہیں مصفی کہہ کے پکارتی تو وہ نہال ہو جاتے۔ ''عرو جب تم مجھے مصفی کہہ کے پکارتی ہو تو میرا دل چاہتا ہے تمہیں چوم لوں.....'' ان کی بات سے میرے کان کی لویں تک سرخ ہو جاتیں..... میں شرما کے خود میں سمٹ جاتی۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ میرے سامنے ہوں اور یہ جسارت کرنے کو بے چین ہوں.....

''کتنا چاہتی ہو مجھے.....'' آج کل مصطفیٰ یہ سوال کثرت سے کرنے لگے تھے۔

''اتنی محبت مصفی کہ زندگی بھی کم پڑ جائے۔'' جانے کیوں مصطفیٰ کو میری بات سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں اس کے بعد پتہ چلے گا کہ کتنی محبت ہے.....'' آج مصطفیٰ کا لہجہ

ہی بدلا ہوا تھا۔ ''محبت کا امتحان لے رہے ہیں یا آزمائش میں محبت کو ڈال رہے ہیں.....'' مجھے گھبراہٹ ہوئی۔

''جو بھی سمجھو.....'' صفاچٹ جواب ملا۔ ''ایک میل سینڈ کر رہا ہوں پڑھ لو.....' پھر فیصلہ کرو اور بتاتا کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔'' میرے کچھ کہنے' سننے سے پہلے ہی وہ لاگ آف ہو گئے.....' یہ اتنے مہینوں میں پہلا موقع تھا کہ مصطفیٰ مجھ سے پہلے آف لائن ہوئے۔' ہمیشہ وہ میرے لاگ آف ہونے کے بعد ہی جاتے۔ آج یوں ان کا چلے جانا مجھے وسوسوں میں مبتلا کر گیا۔ اک طرف دل جاننے کو بے چین تھا کہ میل میں کیا ہے۔' دوسری طرف دل چاہتا کہ ان سچائیوں کو کبھی ناں جانوں' جن کا انکشاف مصطفیٰ نے کیا ہے' فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے میں نے میل آن کی۔ وہ میل نہیں تھی تباہی تھی۔ بم تھا' جس نے میری ہستی جان اور ہستی دل دونوں کو اجاڑ دیا تھا۔

''میری پیاری جان۔

تم صرف اتنا جانتی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔' تم یہ نہیں جانتی کہ تم میرے لیے کیا ہو.....' صرف اتنا سمجھ لو کہ جو ''جان'' خدا کی امانت ہوتی ہے ہم وہ جان بھی تمہیں دینے کو تیار ہیں۔ ہمیں اس جنم میں ہی نہیں بلکہ اگلے سات جنموں میں بھی تمہارا ساتھ چاہیے۔ تم سوچ رہی ہو گی کہ میں کیا مسلمان ہوں جو جنموں پر وشواس رکھتا ہوں۔ اس کی حقیقت بھی تمہیں بتاؤں گا' فی الحال مجھے یہ بتانے دو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اتنی محبت جان مصطفیٰ کہ کبھی دماغ کام نہیں کرتا تو کبھی دل ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ دل کی رگیں تم سے جدائی کا سوچ کے ہی کٹنے لگتی ہیں۔ بہت دنوں سے طبیعت بوجھل ہے۔ کبھی تو سانسیں برق رفتاری سے چلنے لگتی ہیں اور کبھی اکھڑنے لگتی ہیں۔ کہ مجھے زندگی کی پٹری سے اترنے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ جانتی ہو پیاری' میں مرنا نہیں چاہتا۔' تمہارے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ہمہ وقت مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔' تمہاری یادیں جب آتی ہیں تو میں سانس لینا بھول جاتا ہوں۔' سوچتا ہوں تم مجھ بنا کیسے جی پاؤ گی۔ اسے تم میری خوش فہمی کہہ لو یا میری کم فہمی لیکن مجھے لگتا ہے عرو کہ تم میرے بنا کبھی خوش نہیں رہ پاؤ گی..... بولو جان مصطفیٰ ایسا ہی ہے ناں.....؟ میں جانتا ہوں کہ ایسا ہی ہے۔ محبت کرنے والوں کے دل جھوٹ نہیں بولتے' میرا دل بھی جھوٹ نہیں بولتا میرا دل چیخ چیخ کے دہائی دیتا ہے کہ تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں تم.....''

عروش کا دل سکڑا تھا۔ مصفی نے کئی بار اظہار محبت کیا تھا لیکن کبھی بھی اتنی تفصیل سے حال دل بیان نہیں کیا تھا۔ عروش کا دل انجانے وسوسوں میں ڈوبنے لگا۔

kutubistan.blogspot.com

"میں تمہیں سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ تمہارے ہونے کے احساس کو دل سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ جانتی ہو جان مصطفیٰ بہت دن ہوئے تمہاری طلب کی شدت بڑھ گئی ہے۔ ہر لمحہ تمہارے قرب کی شدت مجھے بے چین رکھتی ہے۔ تمہارا انتظار میرے جسم پر تلوار بن کے پڑتا ہے۔ میرے دل و دماغ، میری فہم و فراست، میری عقل و دانش اور میرے ذہن و ذکا کا عالم تباہ تباہ رہنے لگا ہے، مجھ جیسا انسان، جس کی ذہانت اور قابلیت کی قائل اک دنیا ہے اس نے اپنا دل، اپنا وجود، اپنی روح اک لڑکی کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہے..... میں تمہیں دھوکا دینا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن محبت نے اتنی اچانک واردات کی کہ میری عقل نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، نا چاہتے ہوئے بھی تم سے بہت کچھ چھپانا پڑا۔ عرو مجھے تم سے جذباتی پن کی قوی امید نہیں، تم حوصلہ ہار کے میرا حوصلہ مت توڑنا....." عروش کا دل پہلوؤں کے درمیان کچلا جا رہا تھا۔ "جان مصطفیٰ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں یہ سن کے اچھا نہیں لگے گا کہ میرا تعلق ہندوستان سے ہے۔" عروش کا دل دھک سے رہ گیا۔ "تم سے صرف اس لیے چھپایا کہ میں نے جب جب تم سے انڈیا کا ذکر کیا تمہارے لفظوں میں نفرت دیکھی، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا.....؟ بس ایک اور سچ باقی ہے عرو، ادھر دیکھو میری جانب....." عرو نے بے اختیار پلکیں اٹھا کے سامنے دیکھا۔ "میرا تین سال کا بیٹا بھی ہے....." عروش کا دل ٹھہر سا گیا، وجود ریزہ ریزہ ہو گیا..... اعتماد کی کرچیاں آنکھوں میں بھر گئیں۔ وہ پورے قد کے ساتھ زمین پر آن گری۔ "اچھی طرح سوچ لو، میرا پیار، میری وفا، میری چاہت، میرے جذبے سب تمہارے لیے ہیں، میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں جان مصطفیٰ میرے نصیب میں ہجر مت لکھنا.....؟ تشنگیوں کو میرا مقدر مت بنانا۔"

"کیوں کیا آپ نے مجھ سے اتنا بڑا دھوکا....." آنسو تواتر سے برسنے لگے تھے۔ "میں تمہیں بتانا چاہتا تھا لیکن ناں ہمت ہوئی اور ناں کبھی تم نے ایسا ماحول....." وہ اپنی صفائی دینے لگے۔

"آپ نے محبت کی بنیاد جھوٹ پر رکھی، آپ کی محبت جھوٹ ہے۔" میں نے بات کاٹتے ہوئے تنفر سے کہا۔ "کچھ بھی کہو، جو بھی کہو، لیکن میرا یقین کرو کہ میں نے تم سے سچی محبت کی ہے۔" میری بات پر وہ تڑپ اٹھے۔ "اگر آپ کو اس عورت سے نفرت تھی تو بچہ کہاں سے آیا۔" میں جرح کرنے لگی۔ "تم نہیں سمجھو گی عرو۔" وہ صرف اتنا ہی بولے۔

"نفس کی کمزوری۔" میں انہیں زچ کرنا چاہتی تھی۔ "عروش تم غلط بول رہی ہو، کمزور لمحے انسان کی زندگی میں آتے ہیں۔" میری بات پر انہیں غصہ آیا۔ "ایک ہندوستانی سے مجھے سچ کی توقع نہیں۔" میرا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ "میں ایک ہندوستانی بعد میں پہلے ایک مسلمان ہوں۔"

زمین کی تقسیم کا قائل نہیں ہوتا....." وہ بے حد صبر سے بولے۔

تیری تڑپ سے تو نہ تڑپا تھا دل
تیرے سکون سے بے چین ہو گیا ہوں میں

ان کے سکون سے میں سرتاپیر بے چین ہوئی تھی۔ اب میں بلا لحاظ کے بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے سن رہے تھے..... میں تھک کے خاموش ہوئی۔

"ہو گیا تمہارا غصہ ختم۔" وہی محبت بھرا لہجہ، وہی تفہیم، وہی تعلم، میرا دل پگھلنے لگا تھا۔ "کیوں آئی آپ کو محبت کی ضرورت پیش....." میں رو دی۔

"عرو..... میری جان، چپ کر جاؤ، تمہارے آنسو مجھے بے چین کر رہے ہیں۔" ان کے لفظ لفظ میں بے چینی اتری۔ "کیوں مجھے قدم بڑھانے پر مجبور کیا۔" میری سسکیاں بڑھی تھیں۔

"میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا، صرف چھپایا تھا۔ میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے سب مجبوری میں کیا۔" وہ محبت سے بولے۔ "جھوٹ پر جھوٹ مت بولیں، اللہ کو بیچ میں مت لائیں....." میں درشتی سے بولی۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں.....؟ کیا تم میرے لیے بے چین نہیں.....! کیا تم مجھے پانا نہیں چاہتی....." ان کے لہجے میں مٹھاس گھولنے لگی۔ خود ساختہ خول چٹخنے لگا تھا۔ "میں آپ کی زندگی میں اتنے سارے رشتے برداشت نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو شیئر نہیں کر سکتی....." مجھے ایک ہاتھ اور ایک شانہ نہیں چاہیے۔" میں خود غرض کی انتہاؤں پر کھڑی تھی۔ "میں....." تم کہوں تو ہمیشہ کے لیے پاکستان آ جاؤں گا۔ سب چھوڑ دوں گا، میرے دونوں ہاتھ، دونوں شانے..... میں صرف تمہارا ہوں جان مصطفیٰ..... ایک بار میرا یقین کرو۔" اور میں نے ایک بار پھر یقین کر لیا..... میں ہار گئی اپنی محبت کے آگے..... اپنی خواہش اور نفس کے آگے، اس شخص کے آگے۔ میں نے اسے اس کی بیوی بچے سمیت قبول کر لیا۔ صرف اتنا جانتی تھی کہ جو عورت دل میں ہو وہی پہلی عورت ہوتی ہے.....، اور میں مصطفیٰ کے دل میں تھی..... یہی مان میری زندگی کا سرمایہ تھا۔ محبت دلدل کی مانند ہے جس میں ایک بار انسان اتر جائے تو پھر کبھی ابھر نہیں پاتا..... میں بھی محبت کی دلدل میں دھنستی چلی گئی۔

"میں تمہارے بابا سے ملنا چاہتا ہوں....." مصطفیٰ نے کچھ دن بعد کہا۔ "کیوں؟" سوال بے تکا تھا۔ "تمہیں اپنانے سے پہلے....." صاف لہجہ، صاف لفظوں میں جواب آیا۔

"بابا کو ابھی منا تو لوں....." اچانک مجھے خیال آیا۔ "یہ کام میں خود کر لوں گا۔" غصے کا اظہار کیا

kutubistan.blogspot.com

گیا۔ ''مصفیٰ بابا کو مجھے ذہنی طور پر تیار کرنے دیں۔'' میں ہچکچائی۔ محبت کرتے ہوئے میں نے اس پہلو پر تو سوچا نہیں تھا۔

''تم مجھے اپنا نمبر دو' میں جانوں اور بابا۔'' وہ میرے ہر رشتے کو اپنا کہہ کے پکارنے لگے تھے۔

''اگر وہ نہ مانیں تو.....'' پہلے خدشے نے سر اٹھایا۔ ''میں ان کے آگے ہاتھ جوڑوں گا' ان کے پیر پکڑوں گا..... انہیں بتاؤں گا کہ میں ان کی عروسے بے پناہ محبت کرتا ہوں' پیاری میں تمہیں تمہارے بابا سے زیادہ محبت دوں گا۔'' وہ بے تابی سے بولے کچھ عرصے سے ہم وائس چیٹ کے ساتھ ویب آن کرنے لگے تھے۔

''مصفیٰ بابا کو منانا آسان نہیں۔'' میں مصفیٰ کو سمجھانا چاہتی تھی کہ بابا کبھی نہیں مانیں گے اگر مان بھی گئے تو انہیں ماننے میں وقت لگے گا لیکن مصطفیٰ کو یہ خوف رہنے لگا تھا کہ بابا میری شادی فیضان سے نہ کردیں۔ ''تم دو گی ناں میرا ساتھ۔'' بے حد مان سے پوچھا گیا..... 'میں کچھ بول نہ سکی۔

''مصفیٰ' میں.....''

''ہاں جان مصطفیٰ بولو دو گی ناں میرا ساتھ۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑے۔ ''ہم پھر بات کریں گے.....'' میں نے دامن بچایا۔ کیونکہ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں ان سے کہہ سکوں کہ جیسا ساتھ آپ مانگ رہے ہیں' میں وہ نہیں دے پاؤں گی۔

''نہیں آج.....ابھی.....'' وہ بضد ہوئے۔

''بولو پیاری.....'' مصطفیٰ کے لہجے میں مٹھاس گھلی تھی۔ میں انکار کے باوجود انکار کا حوصلہ نہیں کرپا رہی تھی۔ ''میں..... مصفیٰ..... میں..... بابا کے..... کسی فیصلے کے خلاف نہیں جاؤں گی۔'' میں پل صراط سے گزر گئی۔ کچھ لمحے کے لیے مصطفیٰ بول نہ پائے۔

''تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم کو مجھ سے صرف محبت کا ناٹک کرنا ہے' شادی نہیں۔'' ان کے لہجے میں بے پناہ تلخی تھی۔

''مصفیٰ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا آپ بات کو سمجھ نہیں رہے.....'' میں دوہانسی بولی۔

''تم صرف وقت گزاری کررہی ہو۔ محبوبہ بن کے رہنا چاہتی ہو' یہ چاہتی ہو کہ میں تمہاری پوجا کروں لیکن تم میرے سے شادی نہ کرو.....'' پل بھر میں لہجہ بدلا تھا۔

''آپ میری محبت کی توہین مت کریں۔'' میں تڑپ اٹھی۔ ''نہیں ہے ناں تمہاری محبت فریب تو ٹھیک۔ اچھی طرح سن لو..... تمہیں اگر اپنے بابا کے خلاف جانا پڑا تو تم جاؤ گی۔'' دوٹوک فیصلہ سنایا گیا۔

''بالکل نہیں..... میں اپنے بابا کے خلاف نہیں جاؤں گی۔'' میرا لہجہ ان سے زیادہ فیصلہ کن تھا۔

''یعنی محبت چھوڑ دو گی۔ مجھے قربان کردو گی۔'' بے یقینی سے پوچھا گیا۔ ''معلوم نہیں.....'' میں نے دامن بچایا۔ ''جو پوچھو وہی معلوم نہیں' ہر مطلب کی بات ٹال جاتی ہے۔' اتار دو عروش ندیم اپنے چہرے سے یہ نقاب۔ دکھا دو اپنی اصلیت' ختم ہو چکا ہوگا تمہارا ناول' ایوارڈ ملے گا تمہیں اس ناول پر کیونکہ تم نے میرا دل برباد کرکے رکھا ہے۔'' زہر میں اترے یہ جملے جن میں بے اعتباری سی بے اعتباری تھی' مجھے چھلنی کرگئے۔ میں کچھ بھی کہے بنا لاگ آف ہوگئی وہ ایسے ہی تھے۔ محبت کرنے پر آتے تو دیوی بنا دیتے۔' بات مرضی کے خلاف جاتی تو الزامات کے تابڑ توڑ حملے دل کو چھلنی کرجاتے۔' دھوپ چھاؤں جیسا یہ انسان' کبھی دھوپ بن کر جسم کو جھلسا دیتا تو کبھی چھاؤں بن کر اندر تک ٹھنڈک اتار دیتا۔

اس رات میں نے مصطفیٰ کے پرپوزل پر ہر طریقے سے سوچا۔ ہر پہلو پر غور کیا۔ اور پھر دل نے کہا' بابا کبھی نہیں مانیں گے' ہماری محبت کو پندرہ ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے۔ عدنان بھائی کی شادی طے ہو رہی تھی اور ماموں چاہتے تھے کہ میری اور فیضان کی شادی بھی کردی جائے' جب سے مصطفیٰ کو پتہ چلا تھا ان کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ مصطفیٰ کو ریجیکٹ کرنے کی بابا کے پاس کئی وجوہات تھیں' ان کا شادی شدہ ہونا' باپ ہونا' سب سے بڑا ہندوستانی ہونا۔ بابا کوئی جذباتی قسم کے محب الوطن نہیں اس کے باوجود اک فطرت میں جو نفرت ان دو سرحدوں میں رہنے والوں کے دل میں ہے وہ کبھی بابا کو اپنی بیٹی کا ہاتھ سرحد پار دینے کو راضی نہیں ہوں گے۔ ''میں کیسے مناؤں گی' مصطفیٰ سمجھنے کو تیار نہیں۔ میرا دل بھی تو چاہتا ہے ناں کہ میں مصطفیٰ کی ہو جاؤں۔''

''کتنی خود غرض ہو تم عروش ندیم۔'' دماغ نے آئینہ دکھایا۔ ''محبت میں خود غرضی اور غرض کو کون دیکھتا ہے۔'' دل چلایا۔ ''تمہاری خود غرضی محبت کو ملا دے گی لیکن کتنے رشتے اس غرض کی سولی چڑھیں گے کیا تمہیں نہیں معلوم.....'' دماغ کے اپنے فلسفے تھے۔ ''رشتے کبھی نہیں مرتے' دل کل موت ہو جائے تو دھڑکنیں رک جاتی ہیں.....'' دل نے دہائی دی۔ محبت قربان کرنے کا فیصلہ دماغ نے سنایا تھا۔ ''ایک کوشش کرنے میں حرج کیا ہے۔'' دل مچلا۔ دل اور دماغ کی جنگ میں اکثر دماغ ہار جاتا ہے۔ ہم دل کی نفی کرکے کبھی خوش نہیں رہ پاتے اور مجھے اپنی زندگی میں خوش رہنے کے لیے دل کی ماننی تھی۔ دماغ نے افسردگی سے ماتم کیا اور خاموش ہوگیا' میرا دل جیت گیا۔ میں نے مصطفیٰ کو ایک موقع دینے کا فیصلہ کیا۔ میرا فیصلہ سن کے مصطفیٰ کی حالت دیدنی تھی۔ دو ماہ بعد عدنان بھائی کی شادی ہے' فی الحال میری شادی ڈیلے کردی گئی۔ ''آپ کے۔ پاس صرف ایک ماہ ہے پاکستان آجائیں۔ ایک موقع ہے مصفیٰ ہار

kutubistan.blogspot.com

یا جیت' دوسرا موقع نہ میں آپ کو دوں گی ناں قسمت۔"

"مجھ پر بھروسہ رکھو پیاری' میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔" اتنا یقین کہ میری ناامیدی ڈگمگانے لگی۔ سچ تو یہ تھا کہ مجھے مصطفیٰ سے کہیں ناں کہیں جیت کی توقع بھی تھی اور آس بھی' یہ ہماری آخری بات تھی اس کے بعد مصطفیٰ پاکستان آنے کی تیاریوں میں لگ گئے اور میں عدنان بھائی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ دو چار دن بعد ہم بات کرتے' ایک دوسرے کو حالات سے آگاہ کردیتے۔ "مجھے تمہارے پیار اور انتظار کا احساس ہے جان مصطفیٰ' میں جانتا ہوں کہ دور کوئی کتنی بے صبری اور بے قراری سے میرا منتظر ہے۔ میرا یقین رکھو' میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ تمہارے انتظار کو رائیگاں نہیں کروں گا۔" ہر بار وہ ضرور یہ جملے بولتے' جو میری محبت کو بڑھا دیتے اور انتظار کے کرب کو کم کردیتے۔

میں نے ابھی تک مصطفیٰ کے بارے میں گھر بات نہیں کی تھی..... ایسا کرنے سے مجھے مصطفیٰ نے منع کیا تھا..... مصطفیٰ اپنے وعدے کے مطابق پورے ایک ماہ بعد پاکستان آگئے۔ میری تو راتوں کی نیندیں اڑ گئی۔ ہر کام میں میری توجہ صفر ہوگئی۔ کوئی میرے پاس بول رہا ہوتا اور میں چونک کے پوچھتی "مجھے کچھ کہا.....؟"

"کیا بات ہے عرو..... تم کو کوئی پریشانی ہے۔" دن بدن کمزور اور بیمار لگنے لگی۔ بابا نے مجھے لاغر اور ست دیکھ کر پریشانی سے کہا۔ بابا کی بات پر میں بدقت مسکرائی۔ "کیا بات ہے جان پدر.....؟" وہ مجھے ساتھ لگائے اس قدر محبت سے پوچھ رہے تھے کہ میرا خود پر اختیار نہ رہا' میں ان کے ساتھ لگی زار زار رونے لگی۔ "اماں اور بابا دونوں میری حرکت پر بوکھلا اٹھے۔ "بولو عرو کسی نے کچھ کہا ہے کیا.....؟"

بابا نے تو کبھی مجھ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی یوں میرا بے وجہ رونا انہیں پریشانی میں مبتلا کرگیا۔ "رقیہ پانی لاؤ....." بابا نے مجھے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھایا اب وہ مجھے ساتھ لگائے میرے رونے کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ میں ضبط تو کھو بیٹھی تھی لیکن اب بتانے کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ کیا بتاؤں۔ "میں فیضان سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔" میں نے روتے ہوئے ہمت کی۔ "کیوں.....؟" اماں جو پانی کا گلاس میرے لبوں سے لگا رہی تھیں ہٹاتے بولیں۔ بابا نے حیرانگی سے میری جانب دیکھا۔ "بس مجھے نہیں کرنی فیضان سے شادی....."

میں ہچکیوں کے دوران بولی۔ "پوچھیے اس سے کیا تماشا ہے یہ.....؟" اماں رو دینے کو تھیں وہ بابا کی جانب لپکی جو میرے پاس سے اٹھ چکے تھے اب بے یقینی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر یونہی گزر گئے' اماں پوچھتی رہیں' میری ایک ہی رٹ اور بابا تو جیسے وہاں ہو کے بھی نہیں تھے۔ "عرو کیوں ہماری

عزت داؤ پے لگا رہی ہو۔" اماں رو پڑی میرے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن اس وقت اگر میں بے حسی کا لباس اتار دیتی تو مصطفیٰ کو کھو دیتی۔ "کون ہے وہ۔" بابا کے بے جان وجود میں جنبش ہوئی۔ اماں اور میں نے حیرانگی سے بابا کو دیکھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میری یہی ادا اماں اور بابا کو میرا حال دل عیاں کرگئی۔ "عروش کون ہے وہ۔؟" بابا چلائے اماں نے میری جانب اس سے دیکھا کہ شاید میں بابا کی بات کی نفی کردوں' میں نے کپکپاتے ہونٹوں سے ان کی جانب دیکھا۔ میرا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ مصطفیٰ کا نام میرے ہونٹوں میں اٹک کے رہ گیا۔ "اچھا صلہ دیا ہے تم نے ہمارے پیار اور آزادی کا۔" بابا یکدم ہی سو سال کے بوڑھے لگنے لگے تھے۔ "بابا..... ایک بار..... آپ..... ان سے....." میں نے ہمت کرکے کہا لیکن اماں کے دھمکی اور بابا کی تیز نگاہوں نے مجھے بات مکمل کرنے سے روکا۔ "ایسا کبھی نہیں ہوگا....." اماں نے دو ہتڑ مجھے رسید کیے۔ کسی نے انی میرے جگر میں گھونپی تھی میں بلبلا اٹھی۔

"اماں ایک بار۔" میں نے منت سے کہا۔ "بے شرم' بے حیا' بے غیرت' تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مرگئی۔" اماں مجھے دھنک رہی تھیں۔ بابا خاموش تماشائی تھے۔ "بس کرو نیک بخت' اسے کہو کل شام ہمیں آکے ملے۔" بابا نے اماں کو ساتھ لگاتے ہوئے فیصلہ سنایا۔ میں نے بے یقینی سے بابا کو دیکھا تھا۔

میرا رواں رواں بابا کے فیصلے پر مہک اٹھا تھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ....." میں نے کمرے سے نکلتے ہوئے اماں کی خوفزدہ آواز سنی۔ میں نے رک کے بابا کا جواب نہیں سنا تھا۔ مجھے مصطفیٰ کو بتانے کی جلدی تھی۔ مصطفیٰ سن کے مجھ سے بھی زیادہ خوش ہوئے۔ اس رات ہم نے اپنے مستقبل کی ڈھیروں باتیں کیں۔ چاند ڈوب چکا تھا لیکن نیند ہماری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اگلے دن مصطفیٰ چار بجے میرے گھر موجود تھے' بابا نے انہیں کامی اور عدنان بھائی کی غیر موجودگی میں بلایا تھا۔

میرے گھر کے وسیع ڈرائنگ روم میں مصطفیٰ اور بابا آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ "نام کیا ہے تمہارا۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بابا نے خاموشی کو توڑا۔

"مصطفیٰ فراز۔" مصطفیٰ نے بے حد ادب سے جواب دیا۔

"کیا کرتے ہو.....؟"

"میں ڈریس میٹریل کا کام کرتا ہوں۔" جس سنجیدگی سے پوچھا گیا اسی سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

"کہاں؟" نیا سوال۔ "بنگلور میں....." مصطفیٰ سر جھکائے بولے۔ بابا نے چونک کے انہیں دیکھا' "کہاں کے رہنے والے ہو۔" اب کے لہجے میں سختی تھی۔ "انڈیا۔" انداز مجرمانہ تھا۔ بابا نے لب بھینچے ان کی جانب دیکھا۔ "تم جانتے ہو کہ وہ اپنے ماموں زاد سے منسوب ہے۔" بابا نے آہستگی سے کہا۔

kutubistan.blogspot.com

"جی۔" اسی انداز سے جواب دیا گیا۔ "اس کے باوجود تم نے یہ سوال کیوں اٹھایا۔" وہی لہجہ جو سامنے والے کو زیر کر دے۔ "میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں عروش سے محبت کرتا ہوں۔"

بے باکی کا مظاہرہ کیا گیا "کب تک۔" بابا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی۔ "آخری سانس تک۔" لفظوں میں محبت سمٹ آئی۔ ندیم اختر نے بے بسی سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا جو ان کی بیٹی کا سوالی بنے ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ جس کے چہرے پر انہیں سچائی چھلکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"دیکھو برخودار....."

"میرا یقین کریں بابا میں عروش کو کبھی کوئی کمی آنے نہیں دوں گا۔ اس کا ام کلثوم کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔" جذبات کی رو میں کہے مصطفیٰ کے لفظوں نے بابا کے اندر غصہ بھر دیا' انہیں ان کے فیصلے سے بھٹکا دیا۔ وہ جو بیٹی کے حق میں فیصلہ دینے جا رہے تھے۔ اب ان کا دل چاہا کہ سامنے بیٹھے اس دوغلے انسان کو اٹھا کے باہر پھینک دیں۔ "کلثوم کون.....؟" خدشوں نے لہجے میں تلخی بھر دی۔ "میری پہلی بیوی۔" انداز مجرمانہ۔ "تم نے سوچ کیسے لیا کہ میں ایک شادی شدہ مرد کو اپنی بیٹی کا ہاتھ دوں گا....." بابا کے لفظ لفظ میں کڑواہٹ تھی۔ "وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں نے اسے دھوکے میں نہیں رکھا۔" انداز صفائی دیتا تھا۔ "تو گھر پھونکنے میں ہوائیں ہی نہیں گھر کا دیا بھی شامل ہے۔" مان پل بھر میں خاکستر ہوا۔ "ہم اپنی بیٹی کی بیوقوفی میں اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔" دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا۔ "میرا یقین کریں بابا' میں کبھی عروش کو کوئی دکھ نہیں دوں گا' میں اس کے بنا نہیں رہ سکتا۔" وہ ندیم کے قدموں میں آن بیٹھے۔ "دوسری شادی کی وجہ؟" بابا کا دل پسیجا۔ "میرا ایک بیٹا ہے۔" یونہی بیٹھے جواب آیا۔ بابا کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ "مجھے سمجھ نہیں آ رہی تمہیں بے غیرت کہوں یا کم عقل؟" بابا اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ انکار مت کریں بابا۔" وہ بابا کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ بابا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ دل چاہتا تھا کہ فیصلہ بیٹی کے حق میں کر دیں۔ انا اور عزت ایسا کرنے سے روکتی۔ سارے دلائل ان کے خلاف جاتے۔ "فیصلہ عروش کرے گی" انہوں نے دامن بچایا۔ مصطفیٰ کے اندر امید کے دیے جلے تھے۔ انہیں اپنی جیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"عروش....." بابا نے پکارا۔ وہ جو دروازے کی اوٹ میں تھی' بابا کی آواز سے اس کا دل بے طرح دھڑکا۔ وہ خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی کہ بابا کا سامنا کرے' لیکن سامنا تو کرنا تھا۔ وہ بمشکل ہمت مجتمع کر کے ان سے سامنے آئی۔ "آج ہمیں خود پر اور اپنے فیصلے پر بے حد افسوس ہو رہا ہے۔ ہم فیصلے کا اختیار تمہیں دیتے ہیں' تم چناؤ کر لو' باپ یا یہ سامنے کھڑا شخص.....؟" وہ بے بسی اور ضبط کی انتہاؤں پر

کھڑے تھے۔ عروش نے گھبرا کے باپ کی جانب دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو..... وہ سر جھکائے کھڑی تھی اک طرف بے حد مشفق باپ تو دوسری جانب بے حد محبت کرنے والا محبوب' اک طرف زندگی تو دوسری جانب زندگی دینے والا۔ فیصلہ مشکل تھا۔ قسمت آپ کو صرف ایک موقع دیتی ہے' فیصلہ کرنے کا صرف ایک موقع۔ ایک طرف ہستی دل تو دوسری طرف ہستی جان اور فیصلہ کرنے کے لیے بس اک لمحہ' عروش جان کنی کے عذاب میں مبتلا تھی۔

"عروش فیصلہ کرو۔" بابا نے اس کے آنسو نظر انداز کرتے ہوئے تلخی سے کہا۔ عروش نے الجھ کے انہیں دیکھا۔ اس کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔ بابا کے چہرے پر زمانے بھر کی سختی تھی۔ عروش نے روتی آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس نے مصطفیٰ کی زندگی کا رہتا سکون بھی برباد کر دیا۔ اس کی اک اک سانس عروش کے آنسوؤں سے لپیٹ کے اپنی بے بسی کا ماتم کرنے لگی۔ "با..... با..... مجھے عروش کا فیصلہ نہیں جاننا۔" عروش کے بولنے سے پہلے مصطفیٰ بول اٹھے۔ ندیم اور عروش نے بیک وقت انہیں دیکھا۔ "بابا....." عروش مرتی مر جائے گی لیکن میرے حق میں اپنی زبان سے فیصلہ نہیں دے گی..... جس نے دعویٰ کیا تھا بابا کہ عروش مجھ سے محبت کرتی ہے..... لیکن اس کے باوجود اس نے میرے حق میں فیصلہ نہیں دیا..... کیونکہ اسے آپ کی عزت میری محبت سے زیادہ عزیز ہے....." مصطفیٰ اذیت کی انتہاؤں پر کھڑے تھے تو بابا بے حسی کا لبادہ اڑھے کھڑے تھے..... وہ چاہ کے بھی اپنی بیٹی کے حق میں فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے..... عروش مسلسل رو رہی تھی۔ "اس نے بیٹی ہونے کا حق ادا کیا ہے..... آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو عروش جیسی بیٹی ملی..... مجھے اپنی محبت پر فخر ہے....." وہ مسکرائے تو ان کی مسکراہٹ میں نمی تھی۔ "تم جا سکتے ہو....." بابا نے رخ بدلا۔

"میرا کونسا جرم ناقابل تلافی تھا ہندوستانی ہونا..... عرو سے محبت کرنا..... یا شادی شدہ ہونا..... اگر اولاد ماں باپ کے لئے قربانی دے سکتی ہے تو ماں باپ کیوں نہیں.....؟ بولیں بابا....." مصطفیٰ کا ضبط جواب دے گیا وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیئے۔ باب اب بھی خاموش کھڑے تھے۔ "مصطفیٰ پلیز....." عروش نے بے بسی سے انہیں مخاطب کیا۔ وہ چند لمحے یونہی کھڑے عروش کو حیرت سے دیکھتے رہے..... "عرو کا خیال رکھیے گا....." اب کے وہ بابا سے مخاطب تھے۔ آس نراس کی کیفیت میں انہوں نے قدم بڑھائے..... پلٹ کر عروش کو دیکھا اور وہ ایک لمحہ عروش کے رہتے سکون کو بھی برباد کر گیا..... وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ اس ایک نظر میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دکھ' ملال' یاد' تنہائی' وحشت' التجا' شکوہ' بے سکونی..... عروش کو لگا' وہ کبھی ان دو نظروں کے حصار سے نہیں نکل پائے گی۔ بابا کب کے جا چکے تھے..... وہ وہیں

kutubistan.blogspot.com

بیٹھ کر اپنی گم گشتہ محبت پر ماتم کرنے لگی۔

اک نظر اور دیکھ اور مجھے آزاد کردے
میں ابھی تک تیری پہلی نظر کے حصار میں ہوں

یہ ہماری آخری ملاقات نہیں تھی' شام میں مصطفیٰ کا فون آیا۔ ان کی آواز سنتے ہی میرا سارا ضبط جواب دے گیا۔ ''میں نہیں رہ پاؤں گی مصطفیٰ آپ کے بنا..... مجھے چھوڑ کر مت جایئے..... میں مرجاؤں گی مصطفیٰ.....'' میں تڑپ تڑپ کر بکھری۔ میں جانتی ہوں میری تڑپ میں مصطفیٰ مجھ سے زیادہ تڑپیں ہوں گے۔ ''شی.....' رونا بند کرو' کیوں مجھے تکلیف دے رہی ہو.....'' وہ بولے تو ان کی آواز میں نمی نمایاں تھی۔ وہ کتنی ہی دیر مجھے چپ کرواتے رہے۔ وہ جب جب خاموش کرواتے' میرا ضبط اور بھی ٹوٹتا..... ''اب تم نے رونا بند نہ کیا تو میں فون بند کردوں گا.....'' آنسو روکنا میرے اختیار میں نہیں تھا پھر بھی میں نے اپنے آنسو ضبط کئے۔ کیونکہ میں جانتی تھی اگر میں نے ایسا نہ کیا تو مصطفیٰ فون بند کردیں گے۔ ''میری بات دھیان سے سنو.....'' جب انہیں میرے چپ ہونے کا یقین ہوگیا تو وہ بولے۔

''جی.....'' میرے لہجے میں اب بھی نمی تھی۔ ''تم نے اپنے بابا کی بات مانی ہے' میں نے غلط کیا جو پاکستان آیا' مجھے تمہاری بات ماننی چاہیے تھی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہے تھے۔ میں جانتی تھی کہ صرف میری خاطر انہوں نے خود کو سمیٹ رکھا ہے۔ ''مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے.....'' میں بضد ہوئی۔ وہ مجھے سمجھانے لگے' میری ایک ہی رٹ کہ ''مجھے ساتھ جانا ہے۔''

''جو کہا اس پر دھیان دو..... بابا نے کیا کہا وہ مانو..... بھول جاؤ سب کچھ' سمجھو تم نے خواب دیکھا تھا.....'' وہ تلخی سے بولے..... ''میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ آپ جانتے ہیں میں خواب نہیں دیکھتی..... میری محبت حقیقت ہے' آپ حقیقت ہیں..... یہ بھی حقیقت ہے کہ میں آپ کے بنا نہیں رہ سکتی.....'' اس نے چلاتے ہوئے کہا۔ آنسو اک بار پھر روانی سے بہنے لگے۔ ''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو میری جان..... تم تو میری پیاری محبوبہ ہو..... میں جانتا ہوں میری دیوانی میری بات ضرور مانے گی.....'' وہی یقین' وہی تکلم مجھے اک بار پھر برباد کرنے لگا۔ ''میں مرجاؤں گی مصفی.....'' میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اڑ کے مصطفیٰ کے پاس چلی جاؤں..... ''میں تمہاری قبر کا مجاور بن جاؤں گا.....'' انہوں نے بات کو ہنسی میں اڑایا۔ میں چڑ گئی..... ''تم ہو تو میں ہوں..... جس دن تمہاری دھڑکنیں بند ہوں گی میری سانسیں بھی رک جائیں گی.....'' پھر کتنی ہی دیر وہ مجھے محبت کی میٹھی گولی سے بہلاتے رہے..... ہمیشہ کی طرح میں بہل گئی۔ ''میں کل واپس جارہا ہوں.....'' بہت دیر بعد وہ بولے میرے آنسو بے اختیار

ہوئے۔ ''تم اپنے وعدے سے مکر رہی ہو.....'' میرے آنسوؤں پر انہوں نے ٹوکا۔ ''رونا تو میرے نصیب میں لکھا جاچکا ہے۔'' میں نے سوچا لیکن کہا نہیں۔ ''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں.....'' وہ کچھ بولنے والے تھے جب میں نے ٹوکا۔ ''نہیں.....'' وہ سختی سے بولے۔ ''کیوں.....؟'' میں بھی چڑ گئی۔ ''میں جا نہیں پاؤں گا' ایسا ممکن نہیں.....'' وہ منت سے بولے۔ ''مجھے ساتھ لے جانا ممکن نہیں.....' رونا نہیں' مرنا نہیں' ملنا نہیں..... تو ممکن کیا ہے.....'' میں نے چلاتے ہوئے پوچھا۔ ''کول جان مصطفیٰ.....'' وہی محبت میں بھیگا لہجہ۔ ''کیوں سزا دے رہی ہو مجھے.....'' میرے دوبارہ کہنے پر وہ تھکے ہوئے سے بولے۔ ''آئی جسٹ وانٹ ٹو میٹ یو اور تھنگ.....'' میں ضدی ہوئی۔ ''ٹھیک عرو..... اگر تمہیں میرا امتحان لینا ضروری ہے تو آجاؤ..... کیسے آؤ گی اور کہاں مجھے بتادو.....'' ان کا لہجہ ٹوٹا تھا۔

''آپ کی فلائٹ کب کی ہے.....'' میں پرسکون بولی۔ ''کل سات بجے کی.....'' آہستگی سے جواب آیا۔

''ٹھیک میں کل پانچ بجے پاک ہوٹل میں آپ سے ملوں گی' آپ آسانی سے پہنچ جاؤ گے تو ٹھیک' ورنہ میں پک کرلوں گی.....'' میں نے جلدی جلدی پروگرام بنایا۔ ''میں ارشاد کے ساتھ آجاؤں گا.....'' انہوں نے اپنے نیٹ فرینڈ کا نام لیا جس کے گھر وہ ٹھہرے تھے۔

''بابا آنے دیں گے تمہیں.....'' کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولے۔ ''اٹس نن آف یور بزنس..... میں آپ سے کل ملوں گی' بائے اینڈ ٹیک کیئر.....'' میں نے کہہ کے عجلت میں فون بند کیا کیونکہ میں جانتی تھی کہ مصطفیٰ مجھے پھر سے سمجھانے والے ہیں۔

''مجھے کنول کی طرف جانا ہے.....'' سب ہی ناشتے کی میز پر اکٹھے تھے جب میں نے اطمینان سے کہا۔ اماں نے خفگی سے میری جانب دیکھا۔ شاید وہ میرے کمال ضبط پر حیران تھیں کہ میں اتنا سب کچھ ہوجانے کے بعد بھی مطمئن کیسے ہوں.....؟ بابا سر جھکائے ناشتہ کررہے تھے لیکن میں جانتی ہوں ان کا ذہن بھی مجھ میں الجھا تھا۔

''کیوں.....؟'' پہلا اعتراض کامی نے کیا۔ میں نے جواب دینے کی بجائے صرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔ ''چلی جانا گڑیا' پریشان کیوں ہورہی ہو.....'' عدنان بھائی نے میری رونی صورت دیکھ کر کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں جانے کی.....'' اماں زیادہ دیر چپ نہ بیٹھ سکیں۔ ''مجھے جانا ہے اور ہر حال میں جانا ہے.....'' میرے لہجے میں ایسی ضد کبھی نہیں تھی سب ہی نے حیرانگی سے مجھے دیکھا۔ ''کیا بات ہے گڑیا' کیوں ناراض ہورہی ہو۔'' عدنان بھائی میرے پاس آئے محبت سے بولے۔ میری آنکھیں

kutubistan.blogspot.com

بھیگی تھیں۔

"میں کیوں کسی سے خفا ہونے لگی....." میرا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ "جاؤ عدنان اس کا دماغ خراب ہے....." اماں خوفزدہ ہو کے بولیں کہ کہیں بات بھائیوں تک نہ پہنچ جائے بابا اب بھی انہاک سے ناشتہ کر رہے تھے۔ عدنان بھائی ناسمجھی میں ہمیں دیکھتے رہے پھر کچھ کہے بنا وہاں سے چلے گئے۔ بھائی کے نکلتے ہی کامی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "کامی جہاں یہ کہے اسے لے جانا....." بابا پہلی بار بولے۔

"مجھے کامی کے ساتھ نہیں جانا....." میں آج بغاوت پر آمادہ تھی۔ "گو ٹو ہیل....." کامی غصے سے کہتا چلا گیا۔ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔ "ٹھیک ہے تم چلی جانا میں آفس جا کے گاڑی بھجوا دوں گا....." وہ کہہ کے چلے گئے۔ اماں نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا اور بابا کے پیچھے گئیں۔ "آپ جانتے ہیں ناں کہ وہ پاکستان میں ہے' پھر کیوں اجازت دے رہے ہیں اسے....." اماں کے لہجے میں خوف اور پریشانی تھی۔

"جانے دو اس کی طبیعت سنبھل جائے گی....." بابا کا لہجہ دھیما تھا۔ اس کے باوجود میں با آسانی سن سکتی تھی۔ "آپ جانتے ہیں وہ....."

"وہ بہت اچھا انسان ہے ہماری بیٹی کا برا نہیں کرے گا....." بابا کے لہجے میں یقین بولا تھا۔ میری آنکھیں بھیگی تھیں۔ "آپ بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں....." اماں غصے سے بولیں۔

"سمجھ بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں.....' اسے جانے دو رقیہ بیگم..... میرا بھروسہ کرو' وہ ہماری بیٹی کو رتی بھر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا....." بابا نے ایک بار پھر مجھے حیران کیا.....

"کیسے باپ ہیں..... آپ بیٹی کو....." اماں جو کہنا چاہتی تھیں واضح تھا پھر بھی انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔ "ہاں بہت برا باپ ہوں..... عزت اور انا آڑے آتی ہے' اسے اس کی خوشی نہیں دے پایا۔ وہ چاہتی تو بغاوت کر سکتی تھی' رقیہ بیگم اس نے ہماری لاج رکھی ہے' بڑی صابر ہے میری عروہ' میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا.....' اسے جانے دو' جو وقت دے کر جائے گی اسی پر واپس آئے گی..... جیسی جائے گی ویسی پلٹے گی..... اللہ نا کرے اگر ایسا ناں ہوا تو میں روز قیامت تمہارا مجرم ٹھہروں گا....." بابا کے لہجے میں نمی تھی۔ وہ جس طرح ٹوٹے بکھرے بول رہے تھے' میری روح تک تڑپ اٹھی۔ اماں نے روتے ہوئے انہیں دیکھا۔ "یہ کیسی آزمائش ہے ندیم صاحب....." ان کے لفظ لفظ میں بے بسی تھی۔

"آزمائش اللہ کی طرف سے ہے..... وہ ہمیں اولاد کی طرف سے آزمائش میں ڈال رہا ہے..... بیٹی پر بن کے آئی ہے تو صابر رہو' ہمیں سرخرو ہونا ہے..... اللہ اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ

بوجھ نہیں ڈالتا....." بابا اپنے ٹوٹے لہجے کو سمیٹتے ہوئے اماں کو سمجھا رہے تھے اور میں شرم سے زمین میں دھنستی جا رہی تھی۔ میرا دل چاہا میں مصطفیٰ سے ملے ناں جاؤں..... "اگر وہ چلے گئے تو کبھی لوٹ کے نہیں آئیں گے۔" دل ضدی ہوا۔ "بابا تکلیف میں ہیں....." باپ کی محبت نے جوش مارا۔ "صرف ایک نظر ہی تو ملنا ہے پھر جو بابا کہیں گے....." محبت کے جوش میں دراڑ پڑی۔ وہ مطمئن ہو کے مصطفیٰ سے ملنے کی تیاری کرنے اٹھی۔

بابا نے وعدے کے مطابق گاڑی بھجوا دی۔ میں تین بجے تیار ہو کر اماں کے پاس بتانے آئی۔ اماں نے اک تیر کی نگاہ مجھ پر ڈالی۔ "تم کنول کی طرف ہی جا رہی ہو ناں....." انداز تشویش لئے ہوئے تھا۔ "ج..... جی..... جی اماں....." محبت جھوٹ بولنا بھی سکھا دیتی ہے۔ "اگر اس لڑکے کو ملنے جا رہی ہو تو تمہیں خدا کا واسطہ عروش' ایسا نہ کرو..... ہمیں برباد نہ کرو۔" انہوں نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔ عروش سر تا پیر جل اٹھی۔ "خدا کے لئے اماں' میں کسی کو برباد نہیں کر رہی' میں ان سے ملنے جا رہی ہوں..... اماں پلیز آخری بار مجھے مت روکیں..... وہ چلے گئے تو میں انہیں دوبارہ کبھی دیکھ نہیں پاؤں گی....." اس نے ان کے جوڑے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ لیا اور منت کرنے لگی..... اماں نے آہستگی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے۔ انداز اجازت دیتا تھا۔

"اماں مجھے معاف کر دیں' اک نظر دیکھنے دیں..... محبت کرنے کی غلطی کی ہے' سزا تو ملے گی....." وہ رقیہ بیگم کو حیران چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ رقیہ بیگم کی آنکھوں میں کبھی ناں ختم ہونے والی حیرانگی اتری تھی۔ شاید وہ محبت کو صرف محبت سمجھ رہی تھیں' وہ نہیں جانتی تھیں کہ محبت عشق سے نکل کر جنون میں داخل ہو رہی ہے۔ جہاں سے واپسی ممکن نہیں..... وہ پونے پانچ بجے پاک ہوٹل پہنچی تھی۔ مصطفیٰ پہلے سے موجود تھے۔ وہ ہمت جو مصطفیٰ میرے سامنے دکھاتے تھے' کیسی ٹوٹی پھوٹی تھی۔ عروش کتنے لمحے دور کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ "یہ چہرہ میرا نہیں رہا....." کسی نے انی اس کے سینے میں گھونپی تھی' مصطفیٰ کہنیاں میز پر ٹکائے اپنے ہاتھوں میں سر رکھے گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کی شکستگی نے عروش کے وجود کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ لاکھ ضبط کے باوجود بھی آنسو نکل آئے۔ وہ یونہی کھڑی خود پر خول چڑھاتی رہی اور پھر ان کی جانب بڑھ گئی۔ میز بجائی..... "ہوں..... ہاں..... آ گئیں تم۔" سوالوں کے ساتھ لہجے میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"کب آئے آپ.....؟" میں بنا جواب دیئے بیٹھ گئی۔

"تین بجے....." انہوں نے گہرا سانس بھرا۔ جیسے زندگی کے اک سانس کو اندر سے نکالا گیا ہو۔

kutubistan.blogspot.com

کچھ لمحے خاموشی سے سرک گئے۔ جب انسان خاموش ہو تو خاموشی باتیں کرتی ہے۔

"کیا سوچ رہی ہو پیاری....." وہ بولے تو انداز مطمئن تھا۔

"ناٹک مت کریں میرے ساتھ....." مجھے ان کا انداز برا لگا۔

"کہا تھا ناں کہ پاکستان مت آئیں..... کہا تھا ناں کہ حالات سازگار ہونے دیں' ایک نہیں سنی میری' آج اپنے ساتھ مجھے بھی خالی کر دیا..... کیسے رہوں گی میں آپ کے بنا..... کیسے جیوں گی یہ زندگی.....؟" میرا ضبط جواب دے گیا' وہ کچھ دیر مجھے روتے دیکھتے رہے.....

"اب رونا بند کرو....." مصطفیٰ نے اس کی جانب پانی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "رونا بند کرنے سے حالات بدل نہیں جائیں گے' ہاں یہ ہار جیت میں بدل جائے گی۔" میں نے بدتمیزی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں تم تکلیف میں ہو' لیکن اس طرح تمہارا رونا مجھے تکلیف میں مبتلا کر رہا ہے....." مصطفیٰ نے اس کا لہجہ نظر انداز کیا..... "نہیں برداشت ہوتا مصطفیٰ' نہیں سہا جاتا مجھ سے جدائی کا یہ زہر....." وہ بدستور رو رہی تھی۔ مصطفیٰ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے تسلی دے بھی تو کیسے.....؟ عقل و فہم جیسے کھو کے رہ گئے تھے۔

"میری جانب دیکھو جان مصطفیٰ....." مصطفیٰ کے لہجے میں شہد سی مٹھاس تھی۔ عروش نے کچھ توقف کے بعد انہیں دیکھا۔ "اگر تم یونہی روتی رہی ناں تو خدا کی قسم عرو میں جا نہیں پاؤں گا....." عروش کی نم آنکھوں میں مصطفیٰ کا دل ڈوب کے رہ گیا۔ عروش نے سختی سے اپنے ہونٹ کاٹے اور آنسو پینے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ "عروش خدا کے لئے رونا بند کرو..... ورنہ میں کسی کی بھی پرواہ کئے بنا ابھی اسی وقت تم سے کورٹ میرج کر لوں گا' پھر چاہے بابا کی عزت داؤ پر لگے یا مجھے جیل جانا پڑے....." مصطفیٰ نے سختی سے اسے وارن کیا تھا۔ لمحہ کی تاخیر کئے عروش نے خود پر ضبط کیا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

"تمہارے ان آنسوؤں پر سب کچھ قربان..... میں بھول جاؤں گا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔" ان کی محبت میں دھمکی تھی۔

"آنسوؤں پر میرا اختیار نہیں مصفی..... کیا قیمتی چیز کے کھونے پر آنسو بہانا بھی میرا حق نہیں....." آواز میں نمی نمایاں تھی۔

"جانتا ہوں میری جان..... میں سمجھتا ہوں..... مجھے معاف کر دو کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکا..... تم روتی ہو تو ان آنسوؤں سے میرا دل پیٹ پیٹ کے بین کرتا ہے' میرا دل چاہتا ہے کہ میں زمانے سے بغاوت کر جاؤں....." مصطفیٰ کا لہجہ ٹوٹا بکھرا تھا۔ "عرو' میں نہیں چاہتا کہ میں تمہارے بابا کی

اجازت کے بنا تم پر کوئی حق قائم کروں' مجھے اپنے رب پر پورا یقین ہے' ہم زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ضرور ملیں گے..... عروش' مصطفیٰ ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں' اگر آج میں نے تمہیں تمہارے بابا کو سونپا تو صرف اس لئے کہ مجھ سے زیادہ تم پر ان کا حق ہے..... میں نے ان کے احسان کا بدلا چکایا ہے..... کہ انہوں نے میری عرو کو پالا پوسا..... میں نے آج ان کا یہی قرض اتارا ہے' کوئی پوچھے میرے دل سے کہ کیسے اپنے جگر کا ٹکڑا نکال کر اپنی جان کو کسی اور کے حوالے کیا ہے....." وہ عروش کا ہاتھ تھامے کرب سے کہہ رہے تھے۔ عروش کا دل پسلیوں کے درمیان کچلا گیا۔ اسے لگا جیسے کائنات کے سارے رنگ ختم ہو گئے ہوں..... دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا ہو۔ وہ یک ٹک مصطفیٰ کو دیکھے گئی۔ وہ تو اپنے درد پر کراہ رہی تھی۔ اک پل کے لئے بھی اسے مصطفیٰ کا خیال نہیں آیا تھا۔ اب مصطفیٰ کی باتوں نے اس کی روح کو گھائل کیا تھا۔ درد مشترکہ ہوں تو تکلیف کم ہوتی ہے۔ عرو بھی کسی حد تک بہلی تھی۔

"عرو ابھی تو مجھے اللہ سے یہ جاننا ہے کہ اگر تم میرے لئے نہیں بنی تھیں تو مجھ سے ملایا کیوں.....؟ اگر ملا ہی دیا تو چھوڑنا کیوں لکھا..... میں اللہ سے شکوہ نہیں کرتا لیکن....."

"ایکسکیوزمی سر....." ویٹر ان کے پاس آیا تو بات ادھوری رہ گئی۔ "دو اورنج جوس....." انہوں نے خود ہی کہہ کے عروش کو دیکھا۔ "دیکھو پیاری..... اللہ اپنے بندوں کے لئے بہتر سوچتا ہے۔ اس نے ہمارے لئے بھی بہتر فیصلہ کیا ہوگا..... اگر یہ جدائی آئی ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ دعا کرو یہ دائمی نہ ہو....." وہ محبت کی چاشنی اس کے اندر انڈیل رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ عروش کوئی جواب دیتی۔ ویٹر نے آ کے جوس سرو کیا..... "سب جھوٹی تسلیاں ہیں....." وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"تم جانتی ہو میں جھوٹ نہیں بولتا....." وہ عروش کو دیکھتے ہوئے بولے۔ عروش کا دل کر رہا تھا۔ "میں نے اس جہاں کے لئے بھی تمہارا ساتھ مانگا ہے تم اس جہاں کی بات کرتی ہو....." وہ اسی انداز میں بولے۔ عروش کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔ وہ سرتاپیر بے چین ہوئی۔ روح کی یہ بے چینی آنکھوں میں اتری تھی۔ "اللہ کرے مصفی میں مر جاؤں....." وہ روتے ہوئے بولی۔

"بکواس بند کرو....." مصطفیٰ دھاڑے۔ "اگر تم چاہتی ہو کہ میں مر جاؤں تو ٹھیک ہے' اپنے مرنے کی دعا کرو....." مصطفیٰ کی تڑپ کم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ عروش کو بھی تڑپا گئی تھی۔ "مصفی....." وہ سسک اٹھی۔ "تم اپنے پاس میری امانت ہو' خیانت کا سوچنا بھی مت....." وہ اک اک لفظ پر زور دے کر بولے۔ پھر کتنا بہت سا وقت خاموش گزر گیا۔ "عرو کبھی آئینہ دیکھا ہے....." وہ جو سب سے بے نیاز فرصت سے عروش کو دیکھ رہے تھے' اچانک بولے۔

kutubistan.blogspot.com

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے....." وہ چڑ گئی۔ "میں نے کب کہا کہ مذاق کیا ہے....." وہ برجستگی سے بولے۔ "مجھے آئینہ دیکھنا پسند نہیں....." وہ ان کی نظروں سے گھبرائے بولی۔ "تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہیے' ورنہ آئینے کی نظر لگ جائے گی....." ان کی نظروں کی تپش عروش کو پگھلانے لگی تھی۔

"مجھے جانا چاہئے....." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ظلم نہ کرو..... تھوڑی دیر اور خود کو دیکھنے دو....." انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عروش کا دل ڈوب کے ابھرا تھا۔ وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ "آج جا کے آئینہ دیکھنا' اپنی نہیں میری نظروں سے اور کبھی مجھ سے باتیں کرنے کو دل چاہے تو آئینے کے سامنے کھڑی ہو جانا..... میں تمہارے اک اک خدوخال میں تمہیں ملوں گا....." مصطفیٰ کی باتوں میں ایسی تپش تھی کہ عروش کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔ "جاؤ اب....." وہ اچانک رخ بدل کر بولے تو بالکل مختلف مصطفیٰ لگے۔ "کیا ہوا....." وہ حیرانگی سے بولی۔ "جاؤ عرو' تم مزید رکی تو میں ضبط' ہمت اور برداشت کھو دوں گا....." وہ رخ موڑے' آنکھیں بھینچے بول رہے تھے۔

"ایک نظر دیکھیں میری جانب....." وہ بے چینی سے بولی۔ "یہی اک نظر تو نہیں دیکھنا چاہتا....." ان کی آواز میں نمی گھلنے لگی ہے۔

وہ آخری شام یاد رکھنا
تیری نگاہوں سے جب میں اپنی نگاہ
چرا کے پلٹ رہا تھا
تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا تھا..... مگر
یہ ہوا میں اچانک ہی نمی بڑھ گئی تھی

عروش کی آنکھیں نمکین پانیوں میں ڈوبی تھیں۔ "آئی لو یو سو مچ عرو....." مصطفیٰ ہولے سے بولے۔ ہوا کی ہر سرسراہٹ نے عروش کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ پلٹ کے دیکھے مگر مصطفیٰ کی تنبیہ نے دوبارہ اس کے قدم پلٹنے سے روکے تھے۔ عروش نے شکستگی سے قدم بڑھائے۔ اس کے قدموں میں زمانے بھر کا بوجھل پن اترا تھا۔ جو مصطفیٰ کے وجود کو بکھیرتا چلا گیا.....

اب تمام عمر کے لئے یہی اک دکھ کافی ہے
ہم محبت کے باوجود اس شخص کو جاگیر نہ کر سکے

وہ ساڑھے سات بجے واپس آئی تھی۔ رقیہ بیگم جلے پیر کی بلی بنے سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ گاڑی کا ہارن ہوا تو ان کی جان میں جان آئی' وہ لپک کے چوکیدار سے پہلے گیٹ کی طرف بڑھی

عروش نے سخت نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور گاڑی اندر لے آئی۔

"اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے میری؟ بھاگ نہیں گئی تھی اس کے ساتھ۔" اس کی آواز مسلسل رونے سے بھاری ہو رہی تھی۔ رقیہ بیگم کی ممتا اس کی بے بسی پر تڑپی تھی۔ ممتا مچل کے اس جانب بڑھی اور اسے اپنی محبت بھری آغوش میں لے لیا۔ عروش کا سارا ضبط اک بار پھر چکنا چور ہوا تھا۔ وہ بین کرنے کے انداز میں رونے لگی۔ رقیہ بیگم نے چوکیدار کو متوجہ ہوتے دیکھ کر اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اندر لے آئیں۔

"اماں وہ چلا گیا..... ہمیشہ کے لئے..... چھوڑ گیا مجھے..... اس نے اپنے سارے وعدے توڑ دیئے..... اماں اس نے عروش کو توڑ دیا..... اماں میں نے تو اسے ٹوٹ کے چاہا..... کیوں اس نے مجھے توڑ دیا....." وہ بے ربط' مچھلی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کے چلا رہی تھی۔ بیٹی کی حالت نے رقیہ بیگم کو رلا دیا..... وہ اسے ساتھ لگائے تسلی دینے لگی۔ یہ کیسی آزمائش ڈالی تھی قسمت نے کہ اکلوتی بیٹی..... جسے ان سب نے خود سے زیادہ چاہا..... اس کی کوئی خواہش پوری کرنے کے لئے "پھر" یا بعد کا لفظ نہیں لگایا۔ آج ایسی خوشی کے لئے تڑپ رہی تھی جو یقیناً ان کے بس میں تھی لیکن بہت ساری وجوہات ایسی تھیں کہ وہ اقرار چاہ کے بھی نہ کر سکے۔ انہوں نے تو کبھی اپنی بیٹی کو پھول کی چھڑی سے نہیں مارا تھا اور وہ شخص اسے نارسائی اور جدائی کے عذاب کی مار مار گیا تھا۔ عروش کی حالت سے نہیں لگ رہا تھا کہ کبھی وہ اس دکھ سے ابھر پائے گی۔ جب وسوسوں اور خدشات نے رقیہ بیگم کے دل میں پھن پھلائے تھے۔ انہوں نے بے چین ہو کے عروش کو دیکھا۔ جو ان کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔

"عروش....." ان کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی تھی۔ دوسری جانب برتھ پر بیٹھے مصطفیٰ فراز کا دل اچانک ڈوبا تھا..... وہ بیٹھے سے اٹھ گئے اور کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ دل کی دھڑکنیں اپنی لے سے ہٹ گئی تھیں..... انہوں نے بے اختیار سینہ مسلا۔ "عروش....." ان کا رواں رواں عروش کو پکارنے لگا۔ ٹرین تیزی سے عروش کے شہر کو پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی۔

جان سے مار دے مجھے لیکن
چھوڑ جانے کا مجھ پر ظلم نہ کر

عروش کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ ڈاکٹرز نے چوبیس گھنٹے اہم بتائے تھے ان میں سے بھی پندرہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ جو بات کامی اور بڑے بھیا سے چھپائی گئی تھی۔ وہ کھل چکی تھی۔ "بابا نے جو فیصلہ کیا بالکل درست کیا' اس شخص کے عیب اسے نظر نہیں آئے کیا..... کون کونسی بات اگنور کریں' اس کا شادی شدہ ہونا..... بچے کا باپ ہونا یا پھر ہندوستانی ہونا..... اگر پسند ہی کرنا تھا تو سامنے والے کو دیکھ لیتی

kutubistan.blogspot.com

برابری کا ہے بھی یا نہیں.....'' کامران کے لہجے میں تنفر اور حقارت تھی۔ بڑے بھیا نے ان کی مخالفت کی تھی..... باب کے پاس انکار کے لاتعداد ہی اعتراضات اور جواز تھے۔ جبکہ بڑے بھیا کے پاس حق میں لاتعداد دلائل..... ''اگر اسے کچھ ہو گیا تو.....'' یوں تو سب ہی اس بات سے خوفزدہ تھے جبکہ بڑے بھیا باقاعدہ جرح کرتے بابا اور کامی کو غلط ٹھہراتے..... بابا سے ناراضگی کا اظہار بھی کیا..... کامی اور بڑے بھیا کی زندگی میں پہلی بار بحث ہوئی..... پہلی بار ہی دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ اماں کے تو تسبیح اور سجدے طویل ہو گئے تھے۔ انہیں کسی بحث' حق' اعتراض' دلائل میں دلچسپی نہیں تھی۔ بابا اور کامی نے بھی ہار مان لی تھی یا وقت کے تقاضے نے خاموشی کو بہتر جانا تھا۔ ان پندرہ گھنٹوں میں ایک بار مصطفیٰ کا فون آیا تھا۔ انہوں نے بڑے بھیا کی آواز سن کے ہی لائن کاٹ دی۔ بڑے بھیا نے ری ٹرائے کیا لیکن فون اٹینڈ نہ کیا گیا پھر موبائل آف کر دیا گیا۔

دعاؤں کو مستجابی ملی تھی۔ قدرت کو رحم آ گیا تھا۔ 23 گھنٹے بعد عروش کو ہوش آیا تھا۔ اس کی دماغی حالت اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ پلٹ ہونے میں اسے تحاشہ وقت درکار تھا۔ بڑے بھیا اسے ساتھ لگائے کتنی دیر روتے رہے تھے۔ عروش تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی' ناں اس کے آنسو بہے تھے ناں ہی لب ہلے تھے۔ وہ ٹکر ٹکر سب کو دیکھے جاتی کہ اس کی آنکھوں کی پتھرائی سے خوف آنے لگتا۔ بابا اس سے نظریں چراتے۔ کامی اس وقت کو ستا جب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اماں جانے کون کون سے وظیفے پڑھ کر پھونکتی تھیں اور وہ خود سب سے انجان جانے کیا سوچتی رہتی۔ کوئی بولنے پر اکساتا تو چڑ جاتی۔ اسے چار دن ہو چکے تھے ہاسپٹل آئے۔ اس سارے عرصے میں ایک بار فیضان آیا تھا اور صورتحال اس سے چھپی نہیں رہی تھی۔

وقت کے پنچھی کا کام اڑتے چلے جانا ہے۔ وہ پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتا' نہ ہی پیچھے رہ جانے والوں کو دیکھتا ہے۔ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ زخموں کو بھرتا چلا جاتا ہے..... عروش بھی وقت کے ساتھ سنبھلنے لگی تھی۔ یا شاید سب سے انجان ہو کے خود کی ذات میں سمٹ گئی تھی۔ محبت انسان کو اس قدر سنجیدہ کر دیتی ہے کہ پھر محفل' تماشے' کھیل اسے بوجھ لگنے لگتے ہیں..... اس کا بھولپن' چہچہانا' مسکرانا بھی محبت کی سنجیدگی نے اوڑھ لیا تھا۔ اس کی شوخی کو اس کے الہڑپن کو جدائی کا روگ لگ گیا تھا۔ محبت اتنی بھی زور آور ہوتی ہے کہ ناں ملنے پر باقی کی ساری حسوں کو مردہ کر دیتی ہے..... چھ ماہ گزر گئے لیکن اس کی حالت آج بھی پہلے دن جیسی تھی۔ بہت کچھ بدل گیا تھا..... کامی اسے لکھنے پر اکساتا۔ وہ جب بھی کاغذ' قلم اسے تھماتا' عروش خود پر ضبط کے باوجود ضبط کھو دیتی۔ ان چھ مہینوں میں اگر اس نے کوئی کام تسلسل سے کیا تھا تو وہ پاک

ہوٹل جانا' اس میز پر بیٹھنا جہاں وہ دونوں آخری بار ملے تھے..... اور پھر اٹھ آنا..... وہ ہمیشہ دو جوس کے گلاس منگواتی۔ اب تو ہوٹل والے بھی اس کی روٹین سے واقف ہو چکے تھے..... اس لئے شروع میں اٹھنے والے ہوٹل کے عملے کے اعتراضات بھی دم توڑ گئے تھے۔

سازشیں زمانے کی کام کر گئیں آخر
آپ ادھر تنہا' ہم ادھر تنہا

''میں تمہیں ملنا چاہتا ہوں.....'' فیضان نے اسے بہت عرصے بعد فون کیا تھا۔

''کیوں.....؟'' عروش کا لہجہ آپ ہی آپ سخت ہو گیا۔

''ملو گی تو بتاؤں گا.....'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''گھر آ جاؤ.....'' وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ وہ خود بھی فیضان سے وابستہ رشتے سے آزادی چاہتی تھی۔

''نہیں.....'' فوراً انکار کیا گیا۔

''پھر.....'' وہ آہستگی سے بولی۔

''کل میں اسنو پی پارلر میں تمہارا انتظار کروں گا شام چار بجے.....'' فیضان نے اس کا جواب سنے بنا فون بند کر دیا۔

''بولو.....'' وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ فیضان نے بھرپور نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ ''کیا لو گی.....'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جس مقصد کے لئے بلایا ہے وہ بولو.....'' اس کا لہجہ تیکھا تھا۔ ''تمہاری حالت دیکھ کر کچھ بھی جاننے کی خواہش دم توڑ گئی ہے..... تمہاری ظاہری حالت تمہارے اندر کی شدتوں کی گواہ ہے.....'' جانے اس کے لہجے میں کیا تھا۔ دکھ' افسوس' طنز یا حقارت..... عروش سمجھ نہ پائی۔ ''اگر میری ذات کو ڈسکس کرنے کے لئے بلایا ہے تو مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی.....'' وہ بدلحاظی سے بولی۔ فیضان مسکرایا' دل سے نہیں تمسخر سے..... جانے خود پر یا اپنی بے بسی پر..... ''آٹھ مہینے دس دن بہت ہوتے ہیں کسی کی یادوں سے ابھرنے کے لئے.....'' اس کی نگاہیں عروش کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ ان رنگوں کو دیکھنے لگا جو اس کے سوال پر عروش کے چہرے پر بکھرے تھے دکھ' تکلیف' خوف اور افسوس کے رنگ۔ ''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا.....'' اس نے اندر اٹھنے والے بھونچال پر بمشکل قابو پایا۔

''شرمندہ ہونے کی بجائے اکڑنا تمہاری ڈھٹائی اور بے شرمی کا منہ بولتا ثبوت ہے.....'' فیضان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

کے لفظوں میں انگارے چلے تھے۔ عروش کچھ کہنے کی بجائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میری بات ابھی شروع نہیں ہوئی اور تم اٹھنے کی بلکہ بھاگنے کے لئے پر تولنے لگی.....'' انداز میں طنز کی آمیزش تھی۔

''مجھے تمہاری فضول بکواس نہیں سننا.....'' وہ پھنکاری۔

''میری بات مکمل ہوئے بنا تو یہاں سے ہلو گی بھی نہیں.....'' اس نے بازو سے پکڑ کے اس کرسی پر دھکا دیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے.....'' عروش کو غصہ آیا۔ ''جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے بدتمیزی اور بدتہذیبی وہ تھی.....'' وہ اس کے انداز میں بولا۔ عروش نے گہرا سانس لیا۔ ''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا..... میری عزت' میری غیرت' میری خودداری' میری انا کو چکنا چور کیا..... بولو عروش ندیم.....'' اس نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نرم رکھا۔

''میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں.....'' وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

''تم پابند ہو.....'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''کیا چاہتے ہو تم.....؟'' انداز تھکا ہوا تھا۔

''تم اس قابل ہی کہاں رہی ہو کہ تم سے کچھ چاہا جائے..... جانتی ہو عروش میں نے اس وقت تم سے محبت کی' جب میں نے محبت کا مفہوم بھی ٹھیک سے نہیں جانا تھا..... تم سے منگنی کے بعد میں ہر اندیشے سے آزاد ہو گیا تھا کہ تم کسی اور کی نہیں ہو سکتی..... تم نے بڑا ظلم کیا عروش ندیم..... مجھ جیتے جاگتے انسان کو مٹی کر دیا..... تم مجرم ہو میری' میری ہو کے تم نے اپنی نظروں کو' اپنی سوچ کو' اپنے جذبوں کو' اپنے دل کو بھٹکنے کیوں دیا..... تم جھگڑتی تھی مجھ سے تو میرا دل تمہاری اس ادا پر نثار ہو جاتا..... کوئی فرمائش کرتی تو دل چاہتا دنیا تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں..... تم نے کہا ''ہم دوست ہیں'' میں نے سوچا محبت میں دوستی مقدم ہوتی ہے..... تم نے کہا مجھے کسی بات سے منع نہ کرو' میں نے سوچا محبوب کی رضا میں فنائی ہے..... تم نے تو مجھے ہی فنا کر دیا..... محبت جرم نہیں عرو' لیکن تم نے میرے حصے کے جذبوں میں خیانت کی ہے..... اپنے نوخیز جذبے جو صرف میرے لئے تھے انہیں کسی اور کے نام کر دیا..... بتاؤ عرو میں تمہارے کس کس جرم کو معاف کروں.....'' وہ اذیتوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا تھا۔ عروش سر جھکائے رو رہی تھی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا..... اور وہ کہتی بھی کیا..... ''سوچتا ہوں تم سے کنارہ کر لوں..... لیکن عرو دل بے بس ہے..... ناں معاف کرنے پر آمادہ ہے ناں تمہیں چھوڑنے پر اور نہ اپنانے پر اور تم..... کیا خود کبھی مجھے دل سے قبول کر پاؤ گی..... نہیں عروش میں تمہیں پا کے بھی ادھورا

رہوں گا..... تم مجھ سے شادی کر کے بھی ادھوری رہو گی..... ناں ادھورا مرد کسی کا ہو سکتا ہے ناں ادھوری عورت کسی کی..... سوچتا ہوں تمہیں بددعا دوں..... لیکن تمہارے پاس کھونے کے لئے ہے کیا.....؟''

ہر اک شخص سے لڑتا رہا میں تیرے لئے
ہر اک نے مجھ سے کہا تھا تو بھلا دے گا

وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا لمبے ڈگ بھرتا ہوا عروش کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اک چبھن نے عروش کے رگ و جان میں ٹیس بھر دی تھیں۔ وہ سر جھکائے قسمت کی اس نئی افتاد پر حیران پریشان ماتم کرنے لگی۔

جن کا دل برباد ہو جائے پھر وہ کسی کا دل برباد نہیں ہونے دیتے..... عروش نے دل پر جبر کر کے خود کو فیضان سے شادی کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ گھر بھر میں ہی خوشی کی لہر دوڑ اٹھی۔ فیضان عروش کے اس فیصلے پر جہاں کا تہاں رہ گیا۔ صرف دو مہینے بعد ان کی شادی کی تاریخ طے ہوئی۔ بڑی بھابی کو عروش کے اس فیصلے پر سب سے زیادہ تشویش تھی..... وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی..... ''سچ پوچھیں تو آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی میں..... میں نے یہ فیصلہ دل سے نہیں لیا..... لیکن پوری ایمان داری سے نبھانے کی کوشش کروں گی..... پھر مصفی بھی یہی چاہتے تھے کہ میں بابا کی بات مان لوں.....'' اس کی آواز بھرائی تھی۔ بڑی بھابی نے اسے ساتھ لگا لیا۔

آج عروش کا نکاح تھا۔ اس کے پور پور میں تھکن تھی..... اعصاب جکڑے ہوئے تھے..... کتنی مشکلوں سے اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا یہ صرف وہ جانتی تھی یا اس کا خدا..... دوسری طرف آج بہت عرصے بعد مصطفیٰ کے اندر بے چینیاں اتری تھیں..... یوں تو عروش سے جدائی کے بعد انہیں کسی کل چین نہیں پڑا تھا..... لیکن آج کی بے چینی حد سے سوا تھی..... بہت مہینوں بعد انہوں نے اپنا آئی ڈی چیک کیا۔ بے چینی کی وجہ سامنے تھی۔

''عزیز از جان مصفی

جانتی ہوں بہت عرصے سے آپ نے اپنا ان باکس چیک نہیں کیا ہو گا..... پھر بھی میل کر رہی ہوں' اس یقین کے ساتھ کہ آپ میری میل پڑھنے کے لئے ان باکس ضرور اوپن کریں گے۔ آج ہمیں جدا ہوئے پندرہ مہینے اٹھارہ دن اکیس گھنٹے اور کچھ سیکنڈ ہو چکے ہیں لیکن اس سارے عرصے میں ایک پل بھی ایسا نہیں گزرا جس نے مجھے آپ کی یاد سے بیگانہ کیا ہو' آپ کے احساس سے میں نے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی ہو یا آپ کا لمس محسوس نہ کیا ہو..... اس بات کا بھی مجھے یقین ہے کہ لمحہ بھر کے لئے میرے

kutubistan.blogspot.com

خیال سے آپ بھی غافل نہیں ہوئے ہوں گے.....'' عروش کے پکے یقین پر مصطفیٰ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔ ''جانتی ہوں آج آپ بے چین ہیں..... بے چین کیوں ہیں وجہ میں بتا دیتی ہوں.....'' مصطفیٰ کو لگا عروش اکے دل میں بیٹھی ہر راز سے پردہ اٹھا رہی ہو۔ انہیں عروش پر ڈھیروں پیار آیا تھا۔ ''وجہ جان کے بے چینیوں کا تسلسل تو ٹوٹے گا' ساتھ میں بہت کچھ اور بھی ٹوٹے گا..... آج میرا فیضان کے ساتھ نکاح ہے.....'' آسمان مصطفیٰ کے سر پر آن گرا تھا۔ پیروں تلے سے زمین کھسکی تھی..... دل ڈوب کے ابھرنے کا رستہ نہیں پا رہا تھا۔ ''جانتی ہوں آپ کس عذاب سے گزرے ہیں یہ جان کر..... انہیں اذیتوں سے اس وقت میں بھی دوچار ہوں..... یہ نہیں کہوں گی کہ میرے لئے دعا کرنا..... یہ ضرور کہوں گی کہ ناں تو یادوں پر کسی کا اختیار ہے ناں ہی محبت کسی کے کہے ختم ہوتی ہے..... میرے دل میں آپ کی یادوں کے دیئے ہمیشہ روشن ہوتے رہیں گے..... ناں ہی ان سجدوں میں کمی آئے گی' ناں ہی عشق کی تسبیح کبھی ٹوٹے گی..... کیونکہ ان سب پر میرا اختیار نہیں..... جس دن یادوں کی نماز قضا ہو جائے گی' مجھے آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی..... گواہی آپ کے دل سے نکلے گی..... دعا کرنا اس نئے رشتے میں' میں ثابت قدم رہوں.....

عروش ندیم.....''

مصطفیٰ فراز کو لگا وہ ایک بار پھر عروش سے جدا ہو گئے ہوں.....

نکاح ہو چکا تھا۔ جانے کیوں فیضان مطمئن نہیں تھا.....؟ سب کچھ اس کی منشاء کے مطابق تو ہو رہا تھا۔ پھر کیوں اس کا دل بے کل تھا..... اتنی ویرانی' اتنی اداسی دل کی دیواروں کے ساتھ کیوں چمٹی تھی..... اس نے ہزار کوشش کی کہ ان اذیتوں سے چھٹکارا پا لے اور ان اذیتوں سے چھٹکارا پانے کا اس نے ایک حل سوچا تھا..... فرار' اب صرف اس پر عمل کرنا باقی تھا۔

آٹھ دن بعد رخصتی تھی..... سب کچھ اپنی روٹین سے چل رہا تھا۔ کہاں کیا غلط ہو رہا ہے کسی کو احساس نہیں ہوا تھا۔ سب عروش کے فیصلے کی خوشی میں اتنے مست تھے کہ ارد گرد کا ہوش نہیں رہا۔ سب کی مطمئن اور آسودہ چہروں پر اک بار پھر وحشت بھری تھی۔ بھونچال آیا تھا۔ جب بابا کو فیضان کا خط ملا۔

جانتا ہوں رخصتی میں دن کم ہیں لیکن میرا دل مطمئن نہیں..... جب سوچتا ہوں عروش دہرے چہرے کے ساتھ میرے ساتھ رہے گی تو دل کٹ جاتا ہے۔ جانتا ہوں عروش کا فیصلہ کھوکھلا نہیں لیکن شاید میں کم ظرف ہوں..... مجھے تھوڑا نہیں بہت وقت درکار ہے۔ میں عروش کو اور خود کو وقت دینا چاہتا ہوں..... جب بھی لوٹوں گا' عروش میری ہو گی..... امید کرتا ہوں آپ میرے جذبوں کو' میرے احساسات کو سمجھ رہے

ہوں گے..... ناں سمجھ پائیں تو عروش سے پوچھ لینا..... عروش سے زیادہ مجھے کوئی سمجھ نہیں پائے گا۔

آپ سب کا گنہگار..... فیضان عزیز رحمت۔''

گھر بھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ اٹھی تھی۔ ''یہ سب کرنا تھا تو نکاح سے پہلے کرتا.....'' سب ماموں کی فیملی سے خفا تھے۔ ماموں' مامی اپنی جگہ چور بنے تھے..... وہ معافیاں مانگ رہے تھے کہ وہ بے خبر ہیں..... اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ فیضان نے جو کیا سب سے چھپا کے کیا تھا۔ کامی سب سے زیادہ بپھرا تھا۔ ''اسے کہیں عروش کو طلاق دے۔'' اس کے فیصلے نے سب کو دنگ کیا تھا۔ بڑے بھیا نے خوب ڈانٹا' بابا خاموش رہے' اماں نے ہاتھ جوڑے بہن کی زندگی تباہ نہ کر..... عروش سے پوچھا گیا۔ ''مجھے فیضان کے فیصلے سے کوئی اعتراض نہیں..... وہ جب تک چاہے میں اس کا انتظار کرنے کے لئے تیار ہوں.....'' بے حد سنجیدگی سے اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔ سب ہی عروش کے فیصلے پر حیران تھے۔ کامی باقاعدہ اسے ڈانٹنے لگا۔ ''کامی' مان لو یار سب کچھ ایسے ہی لکھا تھا میری قسمت میں..... یقین مانو مجھے رتی بھر بھی ناں دکھ ہوا' ناں افسوس' بلکہ فیضان کے فیصلے پر خوشی ہوئی۔'' وہ بہت عرصے بعد کامی سے دوستانہ اظہار خیال کر رہی تھی۔'' کامی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں نے دکھی ہونا چھوڑ دیا ہے.....'' وہ ہنس دی۔ کامی اسے ساتھ لگائے اس کے اندر کے دکھ میں شگاف ڈالنے لگا تھا اور وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ عروش اس سے لپٹ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

سب کے خیال میں دو چار مہینوں کی بات ہے۔ فیضان آ جائے گا لیکن یہ دو چار مہینے ایک نہیں' دو نہیں' سات سالوں پر محیط ہو گئے۔ وہ عروش کو فون کرتا' ہلکی پھلکی باتیں کرتا' اپنے اور اس کے درمیان کی برف جیسی پھسلن میں شگاف ڈالتا۔ پتہ نہیں عروش کے دل میں شگاف پڑتے تھے یا نہیں البتہ اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ ان سات سالوں میں بہت کچھ بدل گیا۔ عروش نے دوبارہ لکھنا شروع کیا..... وہ اپنے اندر کے ابال کو لفظوں میں ڈھالنے لگی تھی..... سب یہی سوچتے تھے کہ عروش مصطفیٰ کو بھول گئی..... سب غلط سوچتے تھے۔ وہ آج بھی صرف مصطفیٰ کے لئے لکھتی تھی۔ کیونکہ اسے عروش کا لکھنا پسند تھا..... وہ عروش کو بہت بلندی پر دیکھنا چاہتا تھا۔ محبوب نہ سہی محبوب کی خواہش ہی سہی..... انسان پہلی محبت بھول سکتا ہے۔ پہلا عشق نہیں' پہلا عشق' آخری عشق ہوتا ہے جو رگوں میں رہتا ہے..... وہ اسے یاد نہیں کرتی تھی وہ خود یاد بن کے اس کے اندر آ کر آتا تھا۔ کبھی لفظ بن کے اس کے لفظوں میں ابھرنے لگتا تھا۔ وہ فیضان سے بے وفائی نہیں کرتی تھی۔ پھر بھی یادوں میں ملاوٹ ہو جاتی تھی۔

ان سات سالوں میں عروش نے کامیابی کی بلندیوں کو چھوا تھا۔ کامی کی شادی ہو گئی' بابا بیٹی کی

kutubistan.blogspot.com

خوشیوں کا ارمان لے کر چل بسے..... عدنان بھائی کے دو بچے ہو گئے..... سب کچھ بدل گیا سوائے عروش کے کرموں کے..... عدنان بھائی جھنجلانے لگے تھے کہ اب فیضان لوٹ آئے۔ ان سے عروش کی تنہائی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بڑی بھابی سگی بہنوں کی طرح اس کا خیال رکھتیں..... کامی کی بیوی کو کچھ کچھ خار تھی اس سے..... لیکن اسے پرواہ کب تھی' وہ اپنے حال میں مست رہتی۔ بڑے بھیا کی محبتیں اسے مقروض کرتیں۔ کامی بیوی کے رویے کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ ان سات سالوں میں عروش مایہ ناز رائٹرز میں شمار ہونے لگی۔

اک ادھورے عشق کا قصہ چھیڑا اور شام کچھ اور ڈھلنے لگی
گھر کا گھر پرچھائیوں سے بھر گیا اور شام کچھ اور ڈھلنے لگی
موسم سرما کی ڈھلتی آخری بے رگ شاموں کے بیچ
زخم مہکے' درد سا دل میں اٹھا اور شام کچھ اور ڈھلنے لگی

"بہت ہو گئی فیضان لوٹ آؤ اب..... ہماری بہن ہماری دہلیز پر بوڑھی ہو گئی ہے....." بڑے بھیا نے فیضان کو فون کیا' کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں۔

"بس بھیا دو ماہ تک آ جاؤں گا....." پچھلے سات سالوں کی طرح اب بھی اس نے وہی کہا۔

"کتنے دو مہینے سالوں میں بدل گئے ہیں فیضان....." بڑے بھیا کا لہجہ تلخ ہوا۔

"اب کے آ جاؤں گا وعدہ کرتا ہوں....." اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ بڑے بھیا جانتے تھے' وہ اب بھی نہیں آئے گا۔ ان کا یقین کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ اس نے واقعی نہیں آنا تھا۔ اگرچہ اس کا دل عروش کی جانب سے صاف ہو چکا تھا پھر بھی اسے ضد تھی کہ سب ہی اسے لوٹ آنے کا کہتے ہیں سوائے عروش کے..... اسے ضد سی تھی کہ جب تک عروش نہیں کہے گی وہ پاکستان نہیں آئے گا۔

"آ جاؤ فیضان' بڑے بھیا بہت پریشان رہنے لگے ہیں....." جس دن بڑے بھیا کو انجائنا کا اٹیک ہوا' اسی رات اس نے روتے ہوئے فیضان سے کہا تھا۔ فیضان کو لگا اس کا انتظار ختم ہو گیا ہو۔ اگرچہ اس نے بڑے بھیا کا حوالہ دے کر اسے واپس آنے کو کہا تھا۔ اس کے باوجود فیضان کو اپنا انتظار منزل تک جاتا محسوس ہوا..... اس کی ضد لمحے بھر میں موم کی طرح پگھلی تھی۔ وہ جو بڑے بھیا سے کئے وعدے کے مطابق دو ماہ بعد بھی نہیں آ پایا تھا۔ عروش کے کہنے پر پورے آٹھ دن بعد پاکستان میں تھا۔

تو کہے تو جان بھی ہنس کے دے دوں
تیری کوئی بھی بات ہم سے ٹالی نہیں جاتی

معافی تلافی کا دور ختم ہوا تو عروش کی رخصتی طے پا گئی۔ فیضان خوش تھا' بہت زیادہ خوش..... اس کے پاکستان آنے کے تین ماہ بعد رخصتی طے ہوئی تھی۔ وجہ تھی عروش کا ادبی شو جو اپنے آخری مراحل میں تھا۔ عروش کے کہنے پر ہی تین ماہ بعد کی ڈیٹ رکھی گئی..... لیکن عروش نہیں جانتی تھی کہ قسمت اسے اک نئے امتحان میں ڈالنے والی ہے۔ مصطفیٰ کی جدائی کے دس سال بعد وہ مطمئن نہ سہی لیکن سنبھل گئی تھی۔ آج دوبارہ مصطفیٰ کو مل کر وہ پہلے سے زیادہ بکھری تھی۔ ان کی شادی میں صرف پندرہ دن باقی تھے اور یوں مصطفیٰ کا اچانک مل جانا' وہ سرتاپیر لرز کے رہ گئی تھی۔ اس کی زندگی میں اک بار پھر بھونچال آیا تھا۔ ساری رات جاگ کے اس نے ماضی کو سوچا تھا۔ چاند اس کی کھڑکی سے دور ہوتا ڈوب چکا تھا۔ قسمت نے ایک بار پھر اسے مشکل میں ڈالا تھا۔ مصطفیٰ کو پانے کا ایک موقع اسے اور دیا تھا..... فیصلے کی کشمکش میں اس کی نیندیں اڑی تھیں۔

"میں کل چار بجے پاک ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا....." مصطفیٰ نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ اس نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ صبح کے سات بج چکے تھے۔ اس نے اپنے دراز سے نیند کی گولی نکالی اور بنا پانی کے اسے نگلا اور لیٹ گئی۔ پندرہ منٹ بعد وہ نیند کی آغوش میں اتر چکی تھی۔ نیند میں جانے تک وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

ملنے آئے ہو چھوڑنے کے لئے
اس تکلف کی کیا ضرورت ہے

مصطفیٰ نے گھڑی کی جانب دیکھا' چار کے دائرے سے نکل کے سوئیاں پانچ کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔ انتظار کرب میں بدلا ہو رہا تھا۔

"راستے میں ہو گی....." امید کا ایک اور دیا اس نے روشن کیا۔ جسے تھوڑی دیر کے مزید انتظار نے اپنی موت مار دیا۔ یہ انتظار کس قدر جان لیوا ہوتا ہے..... لمحہ لمحہ عذاب..... اور پھر جب انتظار محبوب کا ہو تو جان ہتھیلی پر دھری رہتی ہے۔ ادھر امید و انتظار کا دیا بجھا' ادھر ہتھیلی سے جان گر کے مٹی ہو گئی۔ اذیت بھرے انتظار سے گزرتے ہوئے وہ ہوٹل کے باہر دروازے پر آیا اور بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگا..... اک اک لمحہ قیامت بن کے گزر رہا تھا۔ ہر گزرتے لمحے کے بعد آس و نراس کی شمع جل کے خاکستر ہو جاتی۔ وہ مسلسل دو گھنٹوں سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تو ہوٹل والے بھی اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ غضب تھا کہ وہ پاکستان کی شہریت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی پیاسی نگاہیں محبوب کی دید کی آس لئے ترس رہی تھیں۔ اس کا دل انجانے اندیشوں میں ڈوب کے ابھرا تھا۔

kutubistan.blogspot.com

گھڑی نے چھ کی طرف جانا شروع کر دیا۔ وہ مایوس ہو چکا تھا۔ امید کے سارے دیئے بجھ کر اندھیرا کر گئے تھے۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ وہ رو دینے کو تھا۔ انہیں لگا آج ان کی دس سالوں کی محبت بیکار چلی گئی ہو..... وہ بے جان وجود کو سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے..... دل کی کرچیاں ساری رگوں کو کاٹ رہی تھیں..... انہوں نے قدم اٹھانے کی کوشش کی' منوں بھار ان کے قدموں میں اتر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ ڈھے کر اپنی بے بسی اور انتظار کا ماتم کرتے..... ہوٹل کے دروازے سے انہیں دشمن جان کا چہرہ نظر آ گیا..... جو خراماں خراماں ان کی جانب آ رہی تھی۔ اس نے ہوٹل کا دروزہ کھولا۔ مصطفیٰ کو یوں لگا ان کے مردہ وجود میں جان پڑ گئی ہو۔ بے چینی اور اضطراب ان کے وجود کے پرخچے اڑانے لگا۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں' آج تو مجھے لگا میں انتظار کرتے کرتے مر جاؤں گا....."

جیسے ہی وہ قریب آئی' مصطفیٰ بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"سوری....." اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ مصطفیٰ کو لگا کسی نے جلتے انگاروں پر پانی ڈال دیا ہو۔

"کیسی ہو.....؟" مصطفیٰ کے انگ انگ میں خوشی تھی۔ "ہمیشہ جیسی....." وہ جان بوجھ کے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "لگتا ہے تم بھی رات بھر نہیں سوئی....." انہوں نے اس کی سرخ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ عروش نے گڑبڑا کے انہیں دیکھا۔

"کیوں بلایا ہے مجھے....." انداز اب بھی اجنبی تھا یا اجنبیت کا خول چڑھایا گیا تھا۔

"تم جانتی ہو....." سوال لوٹایا گیا۔

"گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہیں.....؟" انداز ہنوز تھا۔ مصطفیٰ چند لمحے انہیں دیکھتے رہے۔ "تم بدل نہیں سکتی پھر بدل جانے کا ناٹک کیوں کر رہی ہو....." انداز چبھتا ہوا تھا۔ عروش نے پہلو بدلا۔ "کیا سوچا ہے تم نے....." وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر غور کرنے لگے۔

"میں اپنی زندگی میں خوش ہوں....." وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"یہی بات میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو....." مصطفیٰ کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

"بھول کیوں نہیں جاتے آپ....." وہ چیخ پڑی۔

"تم بھول گئیں....." الٹا سوال کیا گیا۔

"میں پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتی' آپ اچھی طرح جانتے ہیں....." اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"جانتا ہوں..... لیکن میں کبھی پیچھے نہیں رہا' یہ تم بھی جانتی ہو....." انداز پر وثوق تھا۔ "خدا کی قسم

عروٗ میں اب بھی تمہارا منتظر ہوں.....' میری محبت آج بھی تمہاری تمنائی ہے..... میری کوئی رات ان دس سالوں میں ایسی نہیں گزری جو تمہاری یاد سے غافل ہو کے گزاری ہو.....' میرا کوئی دن ایسا نہیں تھا جب میں نے تمہیں پکارا نہ ہو....." مصطفیٰ کے ہر ہر انداز میں بے چینی تھی۔ "محبت امر بیل کی مانند ہوتی ہے..... جو اک بار وجود سے لپیٹ جائے تو کبھی جدا نہیں ہوتی..... اسے اتار کے پھینکنا بھی چاہو' تب بھی کوئی نہ کوئی جڑ ایسی وجود میں گڑھی رہ جاتی ہے جو اس بیل کو پھر سے ہرا کر دیتی ہے۔"

"میں چلتی ہوں....." وہ دامن بچا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج بھی جانے کی باتیں..... ابھی تو اس دس سالوں کی تشنگی بھی نہیں مٹی..... عروش تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا....." مصطفیٰ کے لفظ لفظ میں دکھ آہیں بھر رہا تھا۔

"ان دس سالوں نے اتنا ڈسا ہے مصفی کہ میری روح تک نیلوں نیل ہے..... بابا میرے دکھ لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے..... بڑے بھیا کو میرے ادھورے پن نے دل کا روگی کر دیا..... فیضان نے صرف محبت کرنے کی سزا مجھے آٹھ سالوں کے جان لیوا انتظار کی صورت میں دی..... اماں مجھے دیکھ کر کڑھتی ہیں..... کامی کی محبت میں ہمدردی ہے..... میں نے محبت کی تھی مصفی..... سزا میرے اپنوں کو ملی..... میرا تو اک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب میں نے عشق کی نماز قضا کی ہو۔ ان سب کے باوجود آج بھی میرا فیصلہ....." اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے مصطفیٰ کی جانب دیکھا۔ جن کے چہرے پر التجا تھی۔

"بولو عرو.....' کیا ہے تمہارا فیصلہ.....؟" وہ پل صراط سے گزر رہے تھے..... "میں اپنوں کو ایک بار پھر دکھ نہیں دے سکتی....." اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ مصطفیٰ کی سانسیں ٹوٹ کے بکھر گئیں' وہ پل صراط سے نیچے جا گرے..... "آج بھی فیصلہ میرے خلاف.....؟" کچھ لمحوں بعد وہ بولے تو ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ عروش نے سر جھکا لیا۔ "تمہیں ہمیشہ لوگوں کی پرواہ رہی ہے..... لوگ کیا کہتے ہیں لوگ کیا کہیں گے..... کبھی میرے دکھ کا احساس ہوا' کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کیا چاہتا ہوں' میرا دل کیا چاہتا ہے....." وہ درشتی سے بولے..... "ہم ٹین ایجرز نہیں رہے....." وہ آہستگی سے بولی۔ "کہاں لکھا ہے کہ محبت صرف ٹین ایجرز کے لئے ہوتی ہے۔ محبت کی جڑ جتنی پرانی ہو' اتنی مضبوط ہوتی ہے..... لیکن تم کیا جانو' تم نے تو وقت گزاری کی تھی....." مصطفیٰ نے طاق کر پتھر مارا تھا جو ٹھیک نشانے پر لگا۔ عروش اس بات سے بلبلا اٹھی۔ ضبط کی ہزار کوشش کے باوجود آنسو بہہ نکلے۔

"رو کیوں رہی ہو.....؟" وہ چڑ گئے۔ عروش نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔ "عرو قسمت نے ہمیں ایک موقع دیا ہے ملنے کا اسے مت گنواؤ....." وہ منت سے بولے۔

kutubistan.blogspot.com

"I live in ur heart" اس سے پہلے کہ عروش کچھ کہتی' ٹیبل پر رکھے موبائل نے سر بکھیرے۔ "بس دس منٹ تک آ رہی ہوں....." دوسری جانب فیضان تھا..... "ہاں صرف دس منٹ....." اس نے کہتے ہوئے چور نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ جن کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔

"ایک یہ انسان جو میری زندگی کا سب سے بڑا ناسور بنا....." انہوں نے موبائل کی طرف انگلی کرتے ہوئے سختی سے کہا۔ "پلیز مصفی....." عروش نے ان کے بڑھتے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ مصطفیٰ نے چونک کے اسے دیکھا۔ اذیت' ملال' دکھ' ہار' ناامیدی' کیا کچھ نہیں تھا اس کے چہرے پر' انہیں لگا وہ اپنے سامنے ان کھڑے ہوں۔ "عروتم میرے بنا خوش نہیں..... مان لو میری بات....." وہ اس کا ہاتھ تھامے منت سے بولے۔

"کس نے کہا زندگی گزارنے کے لئے خوش رہنا ضروری ہے....." اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"بہت باتیں آ گئیں ہیں تمہیں....." وہ ناراضگی سے بولے۔ وہ مسکرا دی..... اس زبردستی کی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اذیت بھر دی تھی۔ "دس سال پہلے یہی بیٹھ کر ہم نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ضرور ملیں گے..... آج دس سال بعد یہی بیٹھ کر ہم وعدہ کرتے ہیں' ہم کبھی نہیں ملیں گے....." عروش لاکھ ضبط کے باوجود رو دی۔

"کیوں ایسے فیصلے لے رہی ہو..... جنہیں کرنے پر تمہارا دل آمادہ نہیں....." مصطفیٰ بے بسی سے بولے۔

"آج میں آپ کا انتظار ختم کرتی ہوں..... آپ کو..... اپنے وعدوں سے آزاد کرتی ہوں....." عروش کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل نکال دیا ہو۔ وہ حیرانگی سے عروش کو دیکھنے لگے۔

"میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا....." وہ ضد سے بولے۔

"مجھے آزادی نہیں چاہیے....." کمال مطمئن انداز تھا۔

"عروتم....." وہ زچ ہوئے۔ "عشق وہ جو ادھورا رہے..... مکمل ہو جائے تو مٹ جاتا ہے....." اس کی منطق نرالی تھی۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے....." وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ "مجھے ادھورا مت کرو عرو....." انہوں نے کھڑی ہوتی عروش کا ہاتھ تھام لیا۔ عروش کے سارے فیصلے ڈھینے لگے تھے۔ "جو لوگ خود ادھورے ہوں وہ کسی کو کیا مکمل کریں گے....." مصطفیٰ کے ہاتھ میں اس کی کلائی مچلی تھی۔

"تم چاہتی ہو' میں محبوب کی رضا میں فنا ہو جاؤں....." انہوں نے عروش کی کلائی چھوڑی۔ عروش

کچھ نہ بولی۔ "تمہارے لفظ' تمہارا لہجہ' تمہاری آنکھیں تمہارے فیصلے کا ساتھ نہیں دیتیں عرو۔ اگر تم چاہتی ہو کہ دسال بعد بھی میں فنا ہو جاؤں تو مجھے تمہارا فیصلہ منظور..... لیکن یہ منظور نہیں کہ تم اپنی بات منوا کے بھی خوش نہ رہو....." وہ جان چکے تھے عروش اپنا فیصلہ بدلنے والی نہیں.....

"میں نے کہا مصفی زندگی گزارنے کے لئے خوش رہنا ضروری نہیں....." وہ چھوڑا لپٹ لپٹ کے بین کرنے لگا۔ مصطفیٰ نے حیرت سے عروش کو دیکھا تھا۔ "عشق وصال سے مر جاتا ہے۔" عروش کے خیال نے مصطفیٰ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ "مجھے اپنا وصل دے دو میں فراق میں مرنا نہیں چاہتا....." مصطفیٰ نے دہائی دی۔ دونوں ہی خاموش زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ کتنے بہت سارے لمحے گزر گئے۔

"I live in ur heart" موبائل کی بپ دونوں کو حواس کی دنیا میں واپس لائی۔ عروش نے کال ری جیکٹ کی۔ "آئی ہیوٹو گو....." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑی دیر اور رک جاؤ عرو میرے لئے....." مصطفیٰ منت سے بولے۔ عروش کے حوصلے پست پڑنے لگے تھے۔

تم سے منزل کا نہیں
یہ ضروری نہیں..... ساتھ چلا بھی جائے
تم سے ملا بھی جائے
عشق دیدار کا محتاج نہیں ہوتا
اک احساس کا رشتہ ہے یہ خوشبو کی طرح
دیکھنے' چھونے سے عاری کسی جادو کی طرح
صرف آواز ہی کافی ہے محبت کے لئے
باقی سب کچھ ہی اضافی ہے محبت کے لئے

اس نے ہولے سے نظم پڑھی۔

"کب تک نبھاؤ گی اس روح کے رشتے کو....." مصطفیٰ تمسخر سے بولے.....

"اپنی آخری سانس تک....." وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"کیا فائدہ....." مصطفیٰ نے طنز کیا۔ "محبت میں سود و زیاں کا حساب رکھنے والے بیوپاری ہوتے ہیں....." مصطفیٰ کو عروش کا ہر روپ حیران کر رہا تھا.....

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

"سوری عروٗ میں نے تمہیں پریشان کیا....." مصطفیٰ کا لہجہ شرمندہ تھا۔

"آپ کی باتوں نے کبھی مجھے پریشان نہیں کیا..... ہمیشہ مجھے حوصلہ دیا....." وہ مسکرادی۔ جواباً مصطفیٰ مسکرائے تھے۔

"مجھے تمہاری محبت پر فخر ہے....." ان کے لہجے میں فخر تھا۔ "اور مجھ پر....." وہ پھر بولی۔ "خود سے زیادہ بھروسہ....." فوراً جواب آیا۔ وہ کچھ لمحے انہیں کھڑی دیکھتی رہی پھر مڑ گئی۔ ضبط ٹوٹ گیا..... حوصلوں نے جواب دے دیا..... وہ پلٹی تو آنکھوں میں سمندر اتر آیا تھا..... دل وحشت سے بھر گیا..... اس کے قدم من من بھاری ہو رہے تھے..... عروش کے قدموں کا بوجھل پن مصطفیٰ کے اندر تھکن اتارتا چلا گیا۔ ہنسوں کا یہ جوڑا اب اک ڈال پر کبھی اکٹھے نہیں بیٹھ سکے گا..... ان کا ادھورا عشق وفاؤں کے گلے لگا بین کرنے لگا۔

آخری بار ملو ایسے کہ جلتے ہوئے دل
راکھ ہو جائیں کوئی تقاضا نہ کریں
چاک وعدہ نہ سلے زخم تمنا نہ کھلے
سانس ہموار رہے شمع کی لو تک نہ ہے
باتیں بس اتنی کہ لمحہ آ کر گن جائیں
اس ملاقات کا اس بار کوئی وہم نہیں
جس سے اک اور ملاقات کی صورت نکلے
اب ناں تجدید وفا کا نہ شکایات کا وقت
اب نہ پیماں وجنون کا نہ حکایات وقت
آج تک تم سے رگ وجان کے کئی رشتے تھے
کل سے جو ہوگا اسے کون سا رشتہ کہیے
ماتمی ہیں دم رخصت در و دیوار چلو
پھر ہم نہ ہوں گے اقرار نہ انکار چلو

بہار کی اِک اُجلی شام

جیسے جیسے جہاز لینڈ کر رہا تھا' اُس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں۔ دھڑکنوں کی یہ بے ترتیبی کسی اضطراب کی وجہ سے نہیں بلکہ آنے والے اُن لمحوں کی وجہ سے تھی جو اُسے ملنے والے تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ کچھ دیر کو ہی سہی لیکن وہ ہر اُس دکھ سے آگاہ ہو گیا تھا جو جہاز میں بیٹھنے سے پہلے اُس کے رگ و جان سے لپٹا تھا۔ اک نظر اُس نے بند شیشوں سے باہر جھانکا۔

"وہ کتنا قریب تھا اپنوں کے۔" ملن کی اس الوہی خوشی نے اُس کے اندر طمانیت بھر دی تھی۔ اک مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں کو چھو کے گزری۔ خوشی اُس کے رنگ رنگ سے پھوٹ رہی تھی۔ اُسے خوش ہونا بھی چاہیے تھا کہ وہ چوبیس سال بعد اپنی سرزمین کو چھونے والا ہے..... اپنوں سے ملنے والا ہے۔ انسان چاہے تمام عمر بھی سفر میں رہے' بہر حال اُسے اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہی ہوتا ہے۔ بالکل اُن پرندوں کی طرح جو چاہے سرحدوں سے دور نکل جائیں لیکن شام ہوتے ہی اُنھیں اپنے گھونسلوں میں لوٹنے کی فکر ہونے لگتی ہے۔ جو عمر گزار کے بھی اپنے اصل کی طرف نہیں لوٹ پاتے' وہ حقیقت میں اُس مٹی کے لیے بنے ہی نہیں ہوتے..... اُس مٹی کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ رشتوں سے کٹ کر انسان زندگی تو گزار سکتا ہے لیکن اپنی زندگیوں میں رنگینی نہیں بھر سکتا۔ تیز رفتار زندگی کا حقہ بننے کے لیے اُس نے بے تحاشہ قربانیاں دی تھیں۔ سب سے بڑھ کر رشتوں کو تیاگ دیا تھا۔ اپنی زندگی کے قیمتی چوبیس سال اُس نے پرائے دیس' رشتوں کی تشنگی میں گزارے تھے۔ اک دنیا تسخیر کی' جہد مسلسل کے چوبیس سال گزار کے بھی وہ اُن خوشیوں کو کشید نہیں کر پایا جو اُن کا من جل تھل کرتیں۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اک خط سا رہ گیا۔ کبھی انسان کے لیے دولت آزمائش بنتی ہے تو کبھی اولاد..... شاید انھیں میں سے ایک آزمائش اُسے واپس پاکستان لا رہی تھی۔ اس کے باوجود دل میں کہیں اپنوں سے ملن کی اک خوشی سانس لے رہی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ رشتوں کا ادھورا پن انسان کو کبھی مکمل نہیں ہونے دیتا۔

"کیا چوبیس سال پہلے جن رشتوں سے میں ناتا توڑ گیا تھا' وہ مجھے اپنانے کو آگے بڑھیں گے....."

kutubistan.blogspot.com

ملن کی خوشی پر پچھتاوے کے چھینٹے پڑے تھے۔ اُس کا جوش ماند پڑا۔

''انھیں مجھے اپنانا ہی ہوگا.....'' دل باغی ہوا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ چوبیس سال پہلے..... ضروریاتِ زندگی اُسے اپنوں سے دور لے گئی تھیں اور آج چوبیس سال بعد اک آزمائش ضرورت بن کے اُسے اپنوں کے قریب لا رہی تھی۔ اگر رشتوں سے اتنی ہی لگن اُسے ہوتی تو چوبیس سالوں میں ایک بار تو وہ واپس لوٹتا' یا لوٹنے کی کوشش کرتا۔ اک بار تو ماں کے تڑپتے بلکتے جذبات پر اپنے دید کی پھوار ڈالتا۔ اُس کی ممتا کو سکون دینے کے لیے اک بار تو لوٹنے کی کوشش کرتا۔ کتنا بدنصیب بیٹا تھا جس نے اپنے سکھ کی خاطر ماں باپ کا آخری دیدار بھی ناں کیا۔ ''اباجی کو کیا ہوا تھا.....؟'' بے حد مشفق باپ کے مرنے پر اُس نے فون کر کے رسم نبھائی تھی۔ حالانکہ وہ خودغرض نہیں تھا لیکن غیروں کی آب و ہوا نے اُس کے دل پر مہر لگا دی تھی۔

ان چوبیس سالوں میں اُس نے کبھی پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی' تو پھر یہ طے ہوا کہ رشتوں کی ذرا سی تشنگی کسی بڑی ضرورت پر حاوی ہو کے اُسے پاکستان کھینچ لائی ہے۔ ضرورت انسان کو خودغرض کر دیتی ہے۔ اُس نے برابر بیٹھی اپنی اٹھارہ سالہ بیٹی کو دیکھا۔ درد کی اک لہر اُس کے رگ و جان کو نڈھال کر گئی۔ اک وقت تھا وہ اُس کے حال حلیے پر زچ ہو جاتا۔ وہ ہمیشہ شارٹ اسکرٹ اور ٹاپ میں ملبوس رہتی۔ آج سر تا پیر چادر میں ڈھکی وہ اُسے اپنی عمر سے کئی گنا بڑی لگ رہی تھی۔ بیٹیاں تو تتلیوں کی طرح ہوتی ہیں' خوبصورت نکھرے رنگوں میں اڑتی پھرتی..... ماں باپ کے آنگن میں رونقیں بکھیرتی' اور اگر کبھی ذرا سا ہاتھ سخت لگ جائے تو سارے رنگ اتر کے انھیں بے رنگ کر دیتے ہیں۔ اُس نے دکھ کی اک نظر اپنی بیٹی پر ڈالی' اُس کا دل کٹ کے رہ گیا۔

''آر یو آل رائٹ مائی سویٹ ہارٹ.....'' اندر اُٹھنے والے اُبالوں سے گھبرا کے اُنھوں نے اُسے پوچھا۔

''یس.....'' اُس نے بنا اُن کی جانب دیکھے سر ہلایا۔ عزیز احمد کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' پلین کے لینڈ ہو جانے کی اناؤنس منٹ ہوئی۔ مسافر دھیرے دھیرے اترنے لگے تھے۔ وہ اپنی بیلٹ کھول چکی تھی لیکن ابھی تک بیٹھی تھی۔ عزیز نے افسردگی سے اُسے دیکھا۔ اکا دکا مسافر رہ گئے تو عزیز نے اُسے اٹھنے کے لیے کہا۔ جہاز کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اک ہوک سی اُس کے دل میں اٹھی تھی۔ عزیز نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے سجدہ کیا۔ اُم خیر نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔

''پاکستان کتنا بدل گیا ہے— چوبیس سال پہلے یہ ایئرپورٹ کم اور جنگل زیادہ لگتا تھا۔ اب تو دیکھو پیرس کو مات دے رہا ہے.....'' ان کے لہجے میں بے پناہ کھنک تھی۔

''مجھے تو ان رستوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا.....'' وہ ایئرپورٹ سے باہر آتے ہوئے بول۔ اُم خیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُنھیں بچوں کی طرح خوش ہوتے..... خود سے سوال کر کے اور خود ہی جواب دیتے دیکھ رہی تھی۔ اُس کا باپ خوش تھا کہ اُسے بہت سے رشتے مل رہے تھے۔ اسے یاد نہیں پڑتا کہ اُس نے آخری بار اپنے باپ کو اتنا خوش کب دیکھا تھا؟ اُم خیر کا تو ہر احساس ساکن تھا۔ اس نے بچپن سے آج تک صرف پاکستان کا نام سنا تھا' کبھی پاکستان آنے کی چاہ یا خواہش نہیں کی تھی۔ بچپن میں دادی سے بات کرتے ہوئے اس کا دل ان کے بلانے پر پاکستان جانے کو چاہتا تھا۔ پھر اس کے لڑکپن میں جب نائن الیون کا واقعہ ہوا اور جو کچھ سننے اور دیکھنے کو ملا' بچپن کی خواہش نے دم توڑ دیا۔ امریکہ میں رہ کر اس نے وہاں کے ہر حق اور قانون کا بلا دریغ استعمال کیا۔ حتیٰ کہ ایک بار جب وہ بمشکل دس سال کی تھی' اسوہ نے اسے کسی بات پر ڈانٹا تھا۔ اس نے بلالحاظ پولیس کال کرنا چاہی' عزیز کی بروقت مداخلت نے اسے ایسا کرنے سے روکا تھا۔ اسے پاکستان سے کبھی محبت نہیں رہی تھی۔ وہ پاکستان کو بے امانی کی سرزمین کہتی تھی' ایک دقیانوس ملک..... کتنی عجیب بات کہ زندگی کے اس مقام پر اُسے پاکستان کی ضرورت پڑی تھی۔ جسے وہ بے امانی کی سرزمین کہتی تھی' آج وہی پر اسے امان لینی پڑی تھی۔ قسمت نے اُسے بڑی زور کا طمانچہ مارا تھا۔ اُس کے اندر ٹن بھرنے لگی تھی۔

''وہ دیکھو' بشیر بھاء.....'' اس سے پہلے کہ اس کے اندر کی گھٹن ساری فضا کو آلود کرتی عزیز کی چہکتی آواز اسے حواس میں لائی تھی۔ وہ چھوٹے قدم رکھتی ہوئی باپ کی معیت میں چل دی۔

''بھاء یہ میری بیٹی ہے ام خیر.....'' خود اچھی طرح ملنے کے بعد انھوں نے بھیگے لہجے میں تعارف کروایا۔ اُنھوں نے گرم جوشی سے اُسے گلے لگایا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔ جانے کیا احساس تھا' اُن کے لمس میں کہ ام خیر کے اندر تک طمانیت اتر آئی۔

''مجھے ابوذر کہتے ہیں.....'' خاموش تماشائی ابوذر نے اپنا تعارف کروایا تھا تو عزیز نے اُسے ساتھ لگا کے پیار کیا۔

''میرا بڑا بیٹا.....'' اُنھوں نے ام خیر کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''چلیں.....'' وہ کہتے ہوئے پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اب بھی بڑے تایا کی بغل میں تھی۔ ناں تو اُنھوں نے اُسے علیحدہ کیا تھا ناں ہی ام خیر نے خود کو ان سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

☆☆

جاوید کیانی کی پانچ اولادیں تھیں۔ چار بیٹے اور ایک بیٹی۔ عزت دار گھرانہ اپنی سفید پوشی کا بھرم لیے ہوئے تھا۔ عزیز سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سب سے لاڈلے تھے۔ باپ ہر جائز ناجائز ضد پوری کرتا' بھائی کوئی کمی نہ آنے دیتے' بہن جواز خود اکلوتی تھی' وہ بھی آس کے ناز نخرے سے ایسے اٹھاتی جیسے وہ اکلوتی نہ ہو بلکہ عزیز اکلوتا ہو غرض یہ کہ زندگی میں کم از کم عزیز کے لیے کوئی بے سکونی نہ تھی۔ بڑے بھائی بشیر کیانی نے میٹرک کیا' اُن دنوں جاوید کیانی ایک ایکسیڈنٹ میں ٹانگ کی ہڈی تڑوا بیٹھے۔ ڈاکٹر نے کم سے کم چھ مہینے کا بیڈ ریسٹ بتایا۔ جاوید کیانی گھر کیا بیٹھے' گویا فاقے گھر کے اندر داخل ہونے لگے۔ جاوید کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے اسٹور پر ملازموں نے خوب ہیرا پھیری کی۔ نتیجہ بشیر بھاء کو میٹرک کے بعد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ کے ڈوبتے اسٹور کو سنبھالنا پڑا۔ ان کا ارادہ پرائیوٹ ایف اے کرنے کا تھا لیکن جو ایک بار کمانے لگے تو پھر پڑھائی کی طرف سے بالکل ہی بیگانہ ہو گئے۔ دوسرے نمبر پر نظیر کیانی ایف اے کرنے کے بعد اپنے ایک دوست کے توسط سے اینٹی کرپشن میں فائل مین لگ گئے۔ ان سے چھوٹی فروا جو ابھی میٹرک کے پیپر بھی نہیں دے پائی تھی کہ پیا دیس سدھار دیا گیا۔ فروا سے چھوٹے ظہیر کیانی سب سے زیادہ ذہین اور لائق ایم کام کرنے کے بعد بینک میں لگ گئے۔ ساتھ میں پڑھائی جاری رکھی..... سب سے چھوٹے عزیز..... جنھیں لاڈ پیار نے بگاڑ دیا تھا' جو اپنی ہر بات منوانا فرض سمجھتے تھے۔ جب عزیز نے بی اے کے امتحان دیے تب ان کے بڑے دو بھائی شادی شدہ تھے۔ ظہیر بھائی کا ان دنوں اپنی ایک کولیگ کے ساتھ افیئر چل رہا تھا۔ جب عزیز نے امریکہ جانے کی بات کر کے سب کی توجہ نہ صرف ظہیر سے ہٹائی بلکہ ظہیر کی محبت پانے کے اسے مواقع بھی فراہم کیے۔

"مجھے امریکہ جانا ہے....." بی اے میں جب دوسری بار بھی سپلی آئی تو گویا پڑھائی سے دل اُچاٹ ہوا سو ہوا ساتھ میں ملک سے بھی بیزاریت ہونے لگی۔

"کیوں یہاں کیا تکلیف ہے.....؟" ابا نے سنا تو اعتراض اٹھایا۔

"یہاں سکھ کیا ہے.....؟" وہ بڑبڑائے کہ اونچا بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"بولو کیا تکلیف ہے.....؟" گرج دار آواز میں جملہ دہرایا گیا۔

"یہاں رکھا..... کیا ہے.....؟" وہ منمنائے۔ "تمھیں کیا چاہیے.....؟" الٹا سوال کیا گیا۔

"ہر وہ چیز جو ہمارے پاس نہیں....." خاموش رہ کر خواہش کا گلاب دبانے سے بہتر بولنا لگا اُسے۔ جاوید کیانی کی آنکھیں حیرت اور تحیر سے پھٹی تھیں۔

"کیا نہیں تمھارے پاس.....؟" وہ اپنی بات پر زور دے کر چلائے۔ "گاڑی' بنگلہ' پرتعیش زندگی' اے سی' اچھا لباس' اچھا کھانا....." پل بھر میں نفسانی خواہشات زبان سے پھسلنے لگی۔ جاوید کیانی کو حیرت اور دکھ کا شدید جھٹکا لگا۔

"کہاں سے آیا تمھارے اندر لالچ....." ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عزیز کو شوٹ کر دیں۔ "ترس ترس کے خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی..... مجھے بس....." جاوید کیانی کے زوردار تھپڑ نے اسے مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ عزیز جسے اس رویے کی توقع نہیں تھی' ہکا بکا باپ کی صورت دیکھنے لگا۔ کمرے میں موجود باقی نفوس جواب تک خاموش تماشائی تھے' حرکت میں آئے۔ نفیسہ بیگم نے شوہر کا ہاتھ پکڑا جو دوسری بار اٹھ رہا تھا۔

"زبان چلائے گا باپ کے ساتھ....." انھوں نے نفیسہ بیگم کے ہاتھ جھٹکے اور ہاتھ میں تھامی لاٹھی اس کی کمر میں رسید کی۔ عزیز ہٹ دھرمی سے کھڑا رہا۔ بڑے دونوں بھائی اور بھابیاں اس کے سامنے آ گئیں۔ اس کے باوجود وہ دو چار لاٹھیاں برسا گئے۔

"بس کریں ابا جی....." بشیر بھاء جو اُسے اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے' تڑپ کر آگے بڑھے اور اسے اپنی آغوش میں لیا۔

"یہ صلہ دیا اس نے ہماری محبت کا' زبان چلاتا ہے۔" ان کا ہاتھ دوبارہ اٹھنے لگا تھا جب ظہیر بھائی نے آ کے ان کا ہاتھ روکا۔

"جوان اولاد کو بغاوت پر آمادہ کیوں کر رہے ہیں.....؟" وہ نرمی سے بولے۔ "ظہیر بھائی میں نے زبان نہیں چلائی صرف اپنا مؤقف بتایا' ساری دنیا امریکہ جاتی ہے حرج کیا ہے.....؟" ان کا لہجہ پہلے سے زیادہ اٹل تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گے' کتے کی دم کی طرح ٹیڑھی بات ہی کرنا....." وہ اس کی ڈھٹائی پر زچ ہوئے۔

"پھر آپ سب بھی سن لیں' مجھے یہاں کسی صورت نہیں رہنا۔" وہ تن من کرتا سب کو حیران چھوڑ کے باہر نکل گیا۔ دو دن وہ بھوک ہڑتال پر رہا۔ جاوید کیانی کا دل اس کی حرکت پر کڑھتا' سب سمجھا سمجھا کے تھک گئے' اس کی ایک ہی ضد' مجھے یہاں نہیں رہنا۔ "تم یہاں رہ کر سب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔" نذیر بھائی پیار سے سمجھانے لگے۔

"یہاں سال لگیں گے۔" اس کی رگ رگ میں بغاوت اور لالچ رچی بسی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

"کیوں ماں کا کلیجہ نکالتے ہو۔" نفیسہ بیگم نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

اس نے خاموشی سے ان کے جوڑے ہاتھ کھولے اور باہر نکل گیا۔ مطلب..... جذباتی بلیک میلنگ بھی بے کار ٹھہری۔

"جانے دیں حرج کیا ہے.....؟" ظہیر بھائی نے اس کا ساتھ دیا۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو۔" بشیر بھاء نے سختی سے ٹہوکا۔ تین دن مسلسل گھر میں یہی بحث چلتی رہی۔ سوگ کی سی کیفیت پھیل گئی۔ سب سمجھا سمجھا کے تھک گئے لیکن اس کی ہاں ناں میں نہ بدلی۔ آخر اباجی نے اجازت دے دی۔ ابا کی بات پر سب پریشان جب کہ عزیز کی خوشی دیدنی تھی۔ اس نے خوشی سے انھیں گلے لگانا چاہا جسے انھوں نے منہ موڑ کر ناراضگی کا ثبوت دیا۔ اک سایہ سا عزیز کے چہرے پر آ کے گزر گیا۔ من کی خوشی ہر احساس پر حاوی ہو گئی۔

☆☆

جاوید کیانی شروع ہی سے سخت مزاج تھے' یہ تو نفیسہ بیگم کی ہمت اور تقدیر کا لکھا تھا کہ پینتیس سال سے ان کا ساتھ بنا رہا۔ جو فیصلہ کر دیتے گویا پتھر پر لکیر۔ اب بھی سب نے ہی سمجھایا کہ وہ بچہ ہے آپ ایسا نہ کریں لیکن ان کی ایک ہی رٹ "اسے جانے دو....." سچ تو یہ تھا کہ عزیز انھیں دل و جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کی بات ٹالی نہیں جا سکی۔ یہاں تک بات کہ عزیز کے لب و لہجے نے انھیں دکھی کیا۔ حقیقتاً انھیں اسے خود سے دور کرنے کا دکھ تھا لیکن عزیز کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ عزیز کے جانے کے انتظامات انھوں نے ارجنٹ کروائے۔ پھر بھی چھ سات ماہ لگ گئے۔ امریکہ جانے سے پہلے وہ انھیں ملنے آیا۔ وہ رخ موڑ کر حقہ پینے لگے۔ حقہ کی گڑگڑ کے ساتھ ان کا دل بھی پھونک رہا تھا۔ "اباجی....." وہ روہانسا ان کے گھٹنے پکڑ کے بیٹھ گئے۔

"جاؤ' تمھاری فلائیٹ کا وقت ہو رہا تھا۔" ہزار کوشش کے بھی وہ لہجے کی توڑ پھوڑ چھپا نہ سکے۔

"آپ کو منائے بنا نہیں جا سکوں گا۔" وہ عزیز سے دل سے خفا تھے۔ جاوید کیانی نے سخت نگاہوں سے اسے دیکھا اور حقہ پینے لگے۔ عزیز ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر رونے لگے۔

"یہ ڈھکوسلے کیوں.....؟" اس کے رونے پر وہ چڑے تھے۔

"اباجی مجھے معاف کر دیں' میں نے آپ کا دل دکھایا....." اس لمحہ انھیں سچ مچ احساس ہو رہا تھا کہ انھوں نے کیا غلطی کی ہے؟ جاوید کیانی کا دل سکڑا۔ ماں باپ کا دل تو موم کی طرح ہوتا ہے' اولاد کے آنسو کی ذرا سی آنچ ان کے دل کو پگھلا دیتی ہے۔

"کیوں عزیز مجھے یہ لگتا ہے کہ آج کے بعد تو مجھے دوبارہ نہیں دیکھ پائے گا..... تیرا واپسی کا رستہ بڑا کٹھن ہو گا عزیز میاں....." دل کے خدشے زبان تک آئے' عزیز نے خوفزدہ ہو کے انھیں دیکھا تو انھوں نے اسے ساتھ لگا کے بھینچ لیا۔ یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد عزیز کبھی دوبارہ چاہ کے بھی پاکستان نہ آ سکے۔ ان کے جانے کے صرف چند ماہ ہی جاوید کیانی زندہ رہے۔ شاید کہ ان میں بیٹے کی جدائی اور بربادی دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

"یہ ہماری آخری ملاقات ہے....." باپ کے الفاظ عزیز کے گرد منڈلانے لگے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی وہ زار زار رونے لگے تھے۔

☆☆

"یو ایشین....." وہ کافی دیر سے سڑک کے کنارے بنے سنگی بینچ پر بیٹھا رو رہا تھا۔ جب اک بے حد خوبصورت انگلش لڑکی اس کے پاس آ کے بولی۔

"یس....." عزیز گھبرا کے کھڑا ہو گیا۔ لڑکی کا قہقہہ بے تحاشا تھا۔ عزیز نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے فرار کا رستہ تلاش کیا لیکن وہ اس انداز سے کھڑی تھی کہ عزیز بھاگ نہیں سکتا تھا۔ عزیز نے مضبوطی سے اپنا بیگ پکڑ لیا۔

"پہلی بار آئے ہو....." وہ اب بھی اُسے دیکھ رہی تھی۔ عزیز کی حالت سے کوئی احمق بھی جان سکتا تھا کہ وہ پہلی بار امریکہ آیا ہے۔

"ج.....جی.....بس۔" وہ کسی مؤدب طالب علم کی طرح بولا۔ امریکہ آ کے یہ دوسرا دھچکا تھا جو اسے لگنے والا تھا۔ ابھی وہ ایئرپورٹ سے نکلا ہی تھا کہ کچھ امریکن لڑکوں نے اسے روک کے اس مہارت اور صفائی سے اس کی جیبیں صاف کروائی تھیں کہ ساتھ گزرتے شخص کو اندازہ کیا' شک بھی نہ ہو پایا تھا کہ وہ لٹ چکا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جاتے ہوئے اس کا وہ بیگ بھی لے گئے تھے جس میں اس کے کپڑے اور وہ ایڈریس تھا جہاں اباجی نے اسے بھیجا تھا۔ اب دوسری بار وہ اک لڑکی کے ہاتھوں لٹنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے شکاری اپنے شکار کو۔

"کافی پیو گے میرے ساتھ۔" خلافِ توقع اس نے اچھی آفر کی۔ عزیز نے انکار میں تیزی سے سر ہلایا۔ لڑکی کا قہقہہ اک بار پھر ابھرا۔ مندر میں بجتی گھنٹیوں کی طرح' یا آبشار سے بہتے پانی کے سریلے راگوں جیسا۔ عزیز کو لگا کوئل کوکنے لگی ہو' اس کی ہنسی کی جلترنگ جس میں وہ کھو سا گیا۔

"لیٹس گو....." انکار کے باوجود لڑکی نے دوبارہ کہا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"نو.....بس....." وہ حقیقتاً کنفیوز ہوا۔ اس نے تو کبھی پاکستان میں رہ کر کسی لڑکی سے بات نہیں کی تھی' کجا اس لڑکی کی بے باک نگاہوں کا مقابلہ کرے۔

"کم آن میں تمھیں رات گزارنے کی آفر نہیں کر رہی....." لڑکی نے بے باکی کی انتہا کر دی۔ عزیز کے کانوں کی لویں تک سرخ ہوئی تھیں۔ اس نے گھبرا کے اردگرد دیکھا۔

"یو ایڈیٹ ایشین....." لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے قدم بڑھائے۔ عزیز کو گویا کرنٹ لگا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بدک کے پیچھے ہوا۔ لڑکی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ بھی اتنی ہی اتنی ہی دلفریب تھی جتنی کہ وہ خود..... ناچار عزیز کو قدم بڑھانے پڑے۔ اسے آئے چار دن ہو چکے تھے۔ ان چار دنوں میں وہ جس کٹھن حالات کا شکار تھا' اُسے اپنا امریکہ آنا حماقت لگنے لگا۔ اس کا دل چاہا واپس لوٹ جائے لیکن مسئلہ اب اس کے پاس ٹکٹ تو دور کھانے تک کے پیسے نہ تھے۔ چند منٹ کی واک کے بعد وہ دونوں سڑک کے کنارے بنے' کافی شاپ' میں بیٹھے تھے۔

"بیٹھو....." اس نے بت بنے عزیز کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عزیز فوراً ہی تابعدار شاگرد کی طرح بیٹھ گیا۔

"یور گڈ نیم....." اس نے کافی کا آرڈر دے کر پوچھا۔ "عزیز کیانی....." عزیزہ چاہ کے بھی اپنا اعتماد بحال نہیں کر پا رہا تھا۔

"عز.....یز....." لڑکی نے نام دہرایا۔ "کیا کرتے ہو.....؟" اس نے شستہ انگلش میں پوچھا۔ عزیز ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

"آئی ہیو نو جانب.....نو ہوم....." وہ ٹوٹی پھوٹی انگلش میں اسے سمجھنے لگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نے یہاں آنے سے پہلے جو وقت انگلش سیکھنے میں گزارا' وہ بے کار گیا تو غلط نہ ہوگا۔

"او....." لڑکی نے اپنے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ہونٹ سکیڑے۔ "میں تمھارے لیے رہائش کا انتظام کر سکتی ہوں....." وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔ عزیز نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"دھیان سے رہنا' وہاں کے مرد تو کیا عورتیں بھی چالاک ہوتی ہیں۔" ظہیر بھائی کی شوخ آواز ابھری۔ اس نے گھبرا کے اردگرد دیکھا۔ اکا دکا ایشیائی مرد اسے امریکن عورتوں کے ساتھ بیٹھے نظر آئے۔ اسے اپنا آپ سب سے احمق لگا۔ اچانک اس کی نظر چند قدم کے فاصلے پر موجود میز پر ٹھہری۔ جہاں ایک ایشیائی مرد کسی امریکن لڑکی کے ساتھ اس انداز سے بیٹھا تھا کہ عزیز کو خود میں شرم محسوس ہوئی۔ اس

نے استغفار پڑھتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدلا۔

"مائی نیم از مارلن.....دوستی کرو گے مجھ سے۔" مارلن نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ عزیز نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے بڑھے ہاتھ کو' میز پر دھرے اپنے ہاتھ کو اس نے فوراً نیچے کیا تو مارلن مسکرا دی۔

"او کے' لیٹس گو....." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عزیز جانا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے اس پرائے دیس میں یہ کمزور سا سہارا بھی غنیمت لگا۔ سو بنا چوں چرا کے اس کے پیچھے چل دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد دونوں ایک ٹرام میں سوار ہوئے اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اک سوسائٹی کے پاس اترے۔ چند منٹ کی واک کر کے مارلن کا خوبصورت اپارٹمنٹ تھا۔

"یہ یو ما ہے.....آبادی سے دور پسماندہ علاقہ..... جہاں عموماً بروکن فیملیز کے بچے رہتے ہیں۔ اینڈ آئی ایم ون آف دِم.....حکومت نے ان بچوں کو یہ اپارٹمنٹ دیئے ہیں۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بتا رہی تھی۔ عزیز کی آنکھیں حیرت سے پھٹی تھیں۔ یہ کہیں سے بھی پسماندہ علاقہ نہیں لگتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ماڈل ٹاؤن کالونی سے لاکھ درجے بہتر ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس نے لانگ کوٹ کی جیب سے اپارٹمنٹ کی چابی نکالی اور دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی۔ ہچکچاہٹ کے باوجود عزیز اندر چلا آیا۔ چھوٹی سی راہداری کراس کر کے بالکل سامنے کچن کاؤنٹ جس کے آگے دو کرسیاں اور ایک میز یعنی چھوٹی سی ڈائننگ..... باقی حصے میں بمشکل ایک صوفہ سیٹ اور ٹی وی ٹرالی رکھے تھے۔ سامنے ہی ساتھ ساتھ دو کمرے تھے' ایک کا دروازہ کھلا تھا۔ یہ شاید مارلن کا کمرہ تھا کیونکہ میرٹس کے دائیں طرف اسے مارلن کی ماڈلنگ کا بے باک پوسٹر نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں پسینہ آنے لگا۔

"دس از مائی ہولی ہوم....." وہ لانگ کوٹ اتارتے ہوئے بولی۔ مارلن نے شارٹ اسکرٹ کے ساتھ ٹاپ پہن رکھا تھا۔ عزیز کا دل بے باکی سے دھڑکا۔ اُس نے پہلی نظر کے بعد نگاہیں جھکا لیں۔ پہلی نظر انسان کی' دوسری شیطان کی۔

"یہ سامنے میرا کمرہ ہے تو کیا خیال ہے.....؟" اس نے ذومعنی بات کہتے ہوئے عزیز کو دیکھا۔ عزیز بدک کے پیچھے ہٹا۔

"یو چیپ....." وہ دھاڑا۔ "او کے جیسے تمھاری مرضی' لیکن جانے سے پہلے اس وقت کی قیمت ادا کر دینا جو میں نے تمھارے ساتھ گزارا۔ ایک گھنٹے کے دس ڈالر۔" وہ اس کے بٹن سے کھیلتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ عزیز کا سانس رکنے لگا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

kutubistan.blogspot.com

"تین گھنٹے سے ہم ساتھ ہیں....." شکاری شکار کر چکا تھا۔ اس کی تو جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا کہ اس چالباز کے چلتر میں پھنس کیسے گیا۔ وہ تھک کے صوفے پر ڈھے گیا۔ مارلن نے للچائی نظروں سے اپنے شکار کو دیکھا۔

☆☆

"سفر کیسا رہا.....؟" تائی نے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ اور پیار سے بولیں۔

"بہت تکلیف دہ۔" اس نے سوچا لیکن کہہ نہ سکی۔ سب ہی کو ام خیر بے حد پسند آئی۔ سب کی ہی توقع کے خلاف وہ امریکن نہیں بلکہ خالص پاکستانی لباس میں تھی۔ نالجے میں غرور' نا انداز میں تفاخر۔ سب بڑوں سے پیار وصولنے کے بعد وہ کزنز کی طرف بڑھی جو پُر اشتیاق نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہیلو کزن....." عاصم نے لوفرانہ انداز سے ہاتھ بڑھایا۔

"السلام علیکم....." وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ عاصم کی اس عزت پر سب کی دبی دبی ہنسی ابھری تھی۔

"چلو تمھیں سب سے ملواؤں۔" وہ اپنی خجالت مٹانے کو بولا۔ "یہ وریشہ' وردہ' سمیہ' چھوٹے تایا کی تین خون کی پیاسی۔" اس نے آرام سے کہتے ہوئے تعارف کروایا تو تینوں اس پر جھپٹ پڑیں۔ ام خیر اس معصوم محبت پر مسکرا دی۔

"پہلے ان سے پوچھو انھیں اردو آتا ہے کہ نہیں....." ابوظفر نے انٹری دی۔ سب کے قہقہے بے تحاشہ تھے۔

"جی میں اردو بول سکتی ہوں۔" ام خیر کو سبکی کا احساس ہوا۔ اب وہ بھانت بھانت کی بولیوں سے ام خیر کو زچ کر رہے تھے۔ ام خیر ان کی محبتیں سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ یکدم سب کے درمیان سے اٹھی اور باپ کی جانب بڑھی' First expression is the last expression والا معاملہ ہوا تھا۔ سب ہی نے بنا سوچے سمجھے اسے بد دماغ اور مغرور ہونے کا لیبل لگا دیا۔

"ڈیڈ....." نا چاہتے ہوئے بھی اسے انھیں پکارنا پڑا۔

"یس مائی ڈارلنگ۔" وہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"آئی وانٹ ٹو ٹیک سم ریسٹ۔" نمی اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی۔ چچی نے وریشہ کو آواز دی اور اسے کمرے میں لے جانے کو کہا۔ ام خیر خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لی۔

"تمھیں ان کا مذاق برا لگا....." وریشہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولی۔

"نہیں....." اس کا لہجہ ہر احساس سے عاری تھا۔ وریشہ کو جھوٹ کا گماں ہوا۔

"سب کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔" وہ کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

"پلیز وریشہ ڈونٹ بی فارمل....." وہ اس کی صفائی سے شرمندہ ہوئی۔

"او کے میں تمھیں ان سب کے بارے میں بتاتی ہوں۔" وہ پُر جوش ہوئی۔ ام خیر اسے روکنا چاہتی تھی' اسے کہنا چاہتی تھی کہ اسے صرف اپنی کمپنی چاہیے' لیکن کہہ نہ سکی۔ مروّت آڑے آ گئی۔ "بڑے تایا کے دو بیٹے ہیں ابوظفر اور ابوذر۔ ابوظفر شوخ جب کہ ابوذر سنجیدہ مزاج۔ چھوٹے تایا یعنی میرے بابا' تو ہم بس تین بہنیں ہیں۔ بڑے چچا کے دو بیٹے اور ایک بیٹی' قاسم بھائی کی شادی ہو چکی ہے' وہ دبئی میں ہوتے ہیں۔ عاصم سے تم مل چکی اور مومنہ..... وہ ذرا موڈی ہے۔" اس نے ناک چڑھایا۔ "پھپھو کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا' جب ہم ملتے ہیں تو خوب ہلا گلا کرتے ہیں۔ اب ابوظفر بھائی کی شادی پر دیکھنا کیسا ہنگامہ ہوگا۔" آنے والے پل اس کی آنکھوں میں مچلنے لگے تھے۔

"کس سے ہے ابوظفر کی شادی؟" اسے کوئی دلچسپی تو نہ تھی' پھر بھی پوچھا۔ "اپیا سے۔" وہ جھٹ بولی۔ "یہاں سب بکڈ ہیں۔ تب سے جب ہم جوائنٹ رہتے تھے۔ اب تو سب کے پورشنز الگ ہیں۔" اسے بولنے کا شوق تھا اور اس وقت ام خیر اچھی سامع.....

"تم کس سے بکڈ ہو.....؟" ام خیر اچانک بولی۔

"عاصم سے....." کتنے ہی رنگ اس کا نام لیتے ہوئے اس کے چہرے پر بکھرے تھے۔ ام خیر کو اس کی سادگی پر رشک ہوا۔ "ابوذر کے ساتھ مومنہ یا زلیخا....." ام خیر کی نگاہوں کے سامنے ابوذر کا وجیہہ سراپا گھوما تو پوچھا۔ "دونوں نہیں..... انھیں کوئی سائیکولوجسٹ چاہیے' جس کا وہ علاج کریں....." وہ قہقہہ لگا کے ہنسی۔ ام خیر نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"وہ نفسیاتی ڈاکٹر ہیں' کوئی لڑکی پسند نہیں انھیں۔" وہ ان کی نقل اتارتے ہوئے بولی تو ام خیر کو ہنسی آ گئی۔

"تم ہنستے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو....." بیسیوں بار اس نے یہ جملہ سنا تھا' ہمیشہ وہ احساسِ تفاخر سے گزرتی۔ آج اسے یہ جملہ کانٹے کی طرح لگا' وہ یکدم اپنے خول میں سمٹ گئی۔

"میں آرام کرنا چاہتی ہوں....." پل بھر میں وہ اجنبی ہوئی۔ وریشہ کو اس کی حرکت عجیب لگی' پھر سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ ام خیر نے نیم دراز ہو کے آنکھیں موند لیں۔

kutubistan.blogspot.com

☆☆

کبھی کبھی انسان پرکھ میں کتنا دھوکہ کھا جاتا ہے۔ مانا کہ انسان خطا کا پتلا ہے لیکن کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مداوا موت بھی نہیں کر سکتی۔ جوانی بھی بڑی عجیب چیز ہے۔ انسان کے پیر ناں زمین پر ٹکتے ہیں ناں ہی خواہشوں کو لگام ہوتا ہے۔ کبھی دل چاند کو چھونے کو کرتا ہے تو کبھی جگنو ہتھیلی میں قید کرنے کو اور کبھی تتلیوں کے پیچھے دور تک بھاگنے کو..... جوانی تو معصوم ہوتی ہے پھر کیوں دل میں حکومت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کو مٹھی میں قید کرنے کو دل کیوں چاہتا ہے؟" جوانی گزر جائے تو وہی حکومت پیروں تلے روند دیتی ہے۔ کہاں غلطی کی میں نے.....؟ بے اعتباری کی دہلیز کو اعتبار کی دہلیز سمجھ کر یا دنیا کو قید کرنے کی....." وہ سسک پڑی۔

"ہیلو ڈارلنگ....." وہ اپنی ہی ذات میں مگن تھی۔ جب عزیز خوش دلی سے اس کے قریب آ کے بولے۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور انھیں دیکھا۔ "آر یو ویٹنگ....." وہ پریشانی سے اس کے قریب آ کے بولے۔

"تم پرائیک ہو رہا ہے....." آج ان کی آواز میں پریشانی کے ساتھ گھبراہٹ تھی۔

"نو....." وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھی۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا....." عزیز نے بات کا رخ بدلا۔

"بھوک نہیں تھی....." وہ آہستگی سے بولی۔

"تم نے پلین میں بھی کچھ نہیں لیا تھا.....؟ کیوں اذیت دے رہی ہو مجھے....." وہ زچ ہوئے۔

"ڈیڈ دل نہیں چاہا۔" وہ کسل مندی سے بولی۔

"تم مار کیوں نہیں دیتی مجھے.....؟" وہ تلخ ہوئے۔

"ڈیڈ....." وہ بے چین ہو کے ان سے لپٹ گئی۔ عزیز کا یہ آخری حربہ ہوتا تھا جو وہ آزماتے اور کامیاب ہو جاتے لیکن آج انھیں ایسے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ "ڈیڈ معاشرتی آزادی اور کردار کی آزادی میں فرق ہوتا ہے ناں....." اس نے جس مان سے پوچھا' عزیز نے اسی مان سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"پھر وہ لوگ کیوں معاشرتی آزادی کی آڑ میں کردار کی آزادی کرتے ہیں....." وہ بے بسی کی انتہاؤں پر کھڑی تھی۔ عزیز کا دل دکھ سے پھٹا جا رہا تھا۔ "وہ بظاہر عورت کو معاشرتی آزادی کا جھانسہ دے کر اس کے جسم کی آزادی کرتے ہیں اور پھر ہوس کا نشانہ بناتے ہیں..... وہ غلط بیانی کرتے ہیں ناں'

اگر مرد اور عورت برابر ہیں تو پھر ریپ صرف عورت کا ہی کیوں کرتے ہیں.....؟" وہ ہسٹریائی ہو رہی تھی اور عزیز اسے سنبھالنے کی کوشش میں ناکام' انھوں نے اٹھ کر اس کے بیگ سے انجکشن نکالا اور اسے لگا دیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بڑبڑاتے ہوئے سو گئی۔ عزیز نے اسے دیکھتے ہوئے بے بسی سے سر تھام لیا۔ وہیں بیٹھے انھوں نے ڈاکٹر مارگریٹ کا نمبر ڈائل کیا اور ام خیر کی کنڈیشن بتانے لگے۔

"آب و ہوا بدلی ہے' چند دن لگیں گے' پھر وہ نارمل ہونے لگے گی۔ اسے اعتماد اور تحفظ کی ضرورت ہے..... ٹیسن بدلنے کی ضرورت نہیں..... اگر حالت بنا انجکشن کے سنبھل جائے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔" وہ پروفیشنل انداز میں ہدایات دے رہے تھے۔ پھر چند رسمی کلمات کے بعد فون بند کر دیا۔ عزیز نے اک نظر اپنی جواں سال بیٹی کو دیکھا' ان کا دل کٹ کے رہ گیا۔ وہ اپنے آنسو روک نہ پائے۔

"جب تو لوٹے گا تیرے ہاتھ بڑے پچھتاوے ہوں گے' تجھے بددعا نہیں دیتا عزیز لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔" باپ کی آواز بے حد قریب سے آئی۔ وہ بے چین ہوتے ہاتھوں کی انگلیاں مسلنے لگے۔

☆☆

"how dare you....." مارلن نے جیسے ہی عزیز کا ہاتھ تھاما' عزیز نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور غصے سے چلایا۔

"Oh you shy guy....." وہ اک ادا سے اس کے مزید قریب ہوئی۔ عزیز نے حقارت سے اسے دھکیلا اور اپنا بیگ پکڑ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "You can't go anywhere" وہ اس کا بیگ زمین پر پٹخ کے چلائی۔

"وائے....." وہ عجیب کشمکش میں گر گیا۔ امریکہ آ کے اسے ہر لمحہ ملال ہوا تھا' آج تو اس کے پچھتاوے نے ہر حد پار کر دی تھی۔ حقیقت میں وہ اس ماحول کے لیے بنا نہیں تھا۔

"Why are you thinking darling" وہ اس کے قریب آتے بولی۔

"ڈونٹ ٹچ می....." وہ پیچھے ہٹتے ہوئے چلایا۔ مرد ہو کے اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ ان حالات کو کیسے ہینڈل کرے۔ اس نے تو کبھی اک عام سی پاکستانی لڑکی سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ ان کے گھر کا ماحول انتہائی مذہبی تھا۔ بشیر بھا اور بھاجی کی شادی انھوں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ بے شک ظہیر بھائی کا افیئر ان دنوں اپنی کولیگ سے چل رہا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ اباجی کی زندگی میں کم از کم وہ اس گھر

kutubistan.blogspot.com

کی بہو نہ بنتی۔

"اگر اباجی نے اس وقت مجھے اس لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تو یقیناً اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی گولی مار دیں گے....." اسے سوچ کے ہی جھرجھری ہوئی۔ کوئی اور اس کی جگہ ہوتا تو یقیناً سامنے کھڑی اس تیکھے نین نقش والی خوبصورت برٹش لڑکی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کا حال دل جان لیتا.....لیکن وہ بزدل ہونے کے ساتھ اچھائی برائی کے فرق کو بھی بخوبی جانتا تھا۔ گولڈن گھنگھریالے بال' نیلی چمکیلی آنکھیں' ستواں ناک' محرابی ہونٹ' صراحی دار گردن' مسکراتی تو دائیں گال پر خوبصورت ڈمپل بنتا' لگ بھگ تیس سالہ ہوشربا حسن' بھرپور جوانی' کسی بھی شخص کو مدہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔ اک پل کو تو ڈگمگایا وہ بھی تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ سوچ کے ہی گھن آئی کہ خوبصورت جسم رکھنے والی یہ عورت حقیقت میں جسم فروش ہے۔ "چھی....." اس نے نفرت سے مارلن کو دیکھا۔ مارلن کو اپنی ٹاپ کے بٹن سے کھیلتے دیکھ کر اسے غلط فہمی ہوئی' اس نے بنا سوچے سمجھے اک تھپڑ اسے رسید کیا۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ مارلن سٹپٹا کے رہ گئی۔ بمشکل اس نے خود کو گرنے سے بچایا۔

"How dare you۔" وہ دھاڑی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مارلن کا کبھی ایسی صورتِ حال سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ وہ پچھلے سات سالوں سے یہ کام کر رہی تھی۔ اس نے کبھی جسم فروشی نہیں کی تھی صرف ایئرپورٹ پر آنے والے ایشیائی مردوں کو پھانس کر کچھ گھنٹے ان کے ساتھ گزارتی اور پھر گھنٹوں کے حساب سے ڈالر لیتی۔ یہ اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ اکثر سے بیشتر ایشیائی مرد پہلی بار آنے پر اس قدر گھبرائے ہوتے کہ وہ جلدی ہی پھنس جاتے تھے۔

"چلاؤ مت....." عزیز کا دل چاہا' اس کا خوبصورت چہرہ نوچ دے۔ "تم جیسی عورتیں ہیں' عورت کی تخلیق پہ دھبا' جو عورت نفس کی خاطر اپنے عورت پن کی حفاظت نہ کر سکے' اس کو عورت کہلانے کا بھی حق نہیں۔ طوائفوں سے بدتر ہو تم....." وہ حقارت اور نفرت سے شعلے اگل رہا تھا۔

"جب نیشنلٹی کی خاطر تم مرد ہم عورتوں کا استعمال کرتے ہو' تب کس پر لعنت کرو گے۔" وہ چلانے والے انداز میں بولی۔ عزیز کچھ نہیں بولا۔ "تم لوگ سمجھتے ہو پتہ نہیں امریکہ میں کون سے خزانے دبے ہیں' جاؤ گے کھودو گے تو امیر ہو جاؤ گے۔" وہ تمسخرانہ بولی۔ "میں دس سال سے تنہا ہوں' میرے ہندو باپ نے نیشنلٹی لے کر میری ماں کو چھوڑ دیا' تم کمینے ایشیائی مرد اپنی شرافت کا حساب لگاؤ جن کو ناں اپنے مذہب کی پاسداری کرنا آتی ہے ناں تہذیب کی' ناں رسم و رواج کی....." وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ عزیز چپ چاپ کڑوی سچائی کو اندر انڈیلتا گیا۔

"تم مرد فطرتاً برے ہوتے ہیں' ہم دانہ ڈالتی ہیں اور تم دگنے لگتے ہو۔" وہ زہر اگل رہی تھی۔

"آئی ایم سوری....." عزیز شرمندگی سے بولا۔

"ناؤ یو مے گو....." وہ چلائی۔

"صبح چلا جاؤں گا....." وہ آہستگی سے بولا۔

"آ گئے اپنی اوقات پر....." اس نے دل میں سوچا۔ "تم نے جو کہا سب ٹھیک ہے' لیکن سب ایشیائی مرد ایک جیسے نہیں ہوتے ناں جو دکھایا جائے ہمیشہ وہ سچ ہوتا ہے....." وہ پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا' اگر کچھ کھانے کو مل جائے تو میں سیڑھیوں پر باہر رات گزار لوں گا....." وہ سر جھکائے دور جا بیٹھا۔

"یو ریئلی پاکستانی....." وہ حیرانگی سے بولی۔ "الحمدللہ....." عزیز مسکرایا۔

"تم اسٹور صاف کرو' میں پاستا بناتی ہوں۔" وہ خوش دلی سے کہتی کاؤنٹر کی جانب بڑھی۔ عزیز نے اٹھ کر اسٹور کا دروازہ کھولا۔

☆☆

کتنے بہت سارے دن جاب ڈھونڈنے میں گزر گئے۔ عزیز جو صرف ایک رات کے لیے مدد کا طالب تھا' پھر مستقل بسیرا ڈال لیا۔ دو ہفتوں بعد عزیز کو ایک فیکٹری میں جاب ملی۔ اس دوران اس نے صرف دو بار پاکستان فون کیا تھا اور یہ بتانے سے اجتناب کیا کہ وہ کن حالات سے گزر رہا ہے۔ کچھ دنوں بعد مارلن نے ایک اسٹور پر جاب کر لی۔

"تم نے مجھ آزاد پنچھی کو نوکری پہ لگا دیا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے کہتی۔ وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ بے باک' نڈر' بولڈ یہ الگ بات کہ اس کی بے باکیوں میں ٹھہراؤ سا آ گیا یا عزیز کو عادت ہو گئی۔ وہ دونوں ایک ہی اپارٹمنٹ میں رہ رہے تھے لیکن ایمانداری کے ساتھ۔ عزیز نے اس کے کمرے کا کرایہ دینے کی کوشش کی لیکن وہ ناراض ہو گئی۔ مجبوراً عزیز کو ایسا کرنے سے خود کو باز رکھنا پڑا۔ چھ ماہ گزر گئے۔ اباجی فوت ہوئے تو ہزار کوشش کے بھی عزیز پاکستان نہ جا سکا۔ اس دوران مارلن نے ایک اچھے دوست کی طرح نا صرف اس کی دلجوئی کی بلکہ اسے تسلی بھی دی۔ مارلن اکثر اسے کہتی کہ "تم تو مجھے پاکستانی لگتے ہی نہیں....."

"ناں تو ہاتھ کی پانچ انگلیاں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ناں ہی سب پاکستانی برے ہیں لیکن میں پہلے مسلمان بعد میں پاکستانی ہوں.....مسلمان بے ایمان نہیں ہوتا' ناں ہی زنا کرتا ہے۔" وہ فخر سے اپنے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

مذہب کا حوالہ دیتا۔ مارلن اسے نماز پڑھتے دیکھتی۔

''تم جب زمین سے ماتھا ٹیکتے ہو تو بہت اچھا لگتا ہے.....'' اب وہ ہلکی پھلکی اردو بولنے لگی تھی۔

''اسے سجدہ کرنا کہتے ہیں' انسان اپنے خدا سے اور بھی قریب ہو جاتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہتا۔

''تم نماز پڑھتے ہوئے تھکتے نہیں.....'' اُسے حیرت ہوتی۔

''نماز تو سکون دیتی ہے اس میں تھکاوٹ کیسی.....؟ میں جتنا بھی تھکا ہوا کیوں ناں ہوں' نماز پڑھ کر ساری تھکن دور ہو جاتی ہے' اباجی نے سات سال کی عمر سے نماز شروع کروادی تھی۔ اب ناں پڑھوں تو کمی سی رہتی ہے.....'' کہتے ہوئے اس کے انداز کے ساتھ لہجہ بھی میٹھا ہو جاتا۔ ان دونوں نے ایک ہی جگہ پہ رہتے ہوئے کبھی ایک دوسرے کے مذہب پر تنقید نہیں کی تھی۔ عید ہوتی تو مارلن اُس کا بھرپور ساتھ دیتی' کرسمس' ایسٹر' دیوالی' ہولی' عزیز ہر موقع پر اس کا ساتھ دیتا۔ مارلن دو مذاہب کے تہوار مناتی تھی۔

وقت کچھ اور سرکا..... دونوں کو ایک ہی جگہ رہتے ہوئے تین سال گزار گئے۔ اب دونوں نے مل کر چھوٹے سے پیمانے پر کام شروع کیا۔ پاکستان میں اتنی خوش حالی تھی کہ اس نے کبھی وہاں پیسہ بھیجنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ البتہ وہ سب کے لیے تحائف ضرور بھیجتا۔ ابا کی وفات کے بعد سلسلہ ختم ہو کے رہ گیا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔'' ایک دن وہ نماز سے فارغ ہوا تو مارلن نے کہا۔

''کہنا تو مجھے بھی ہے' پہلے تم کہو۔'' وہ سر پر بندھے رومال کو کھولتے ہوئے بولا۔

''میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''سچ.....'' وہ دل سے خوش ہوا۔

''ہاں.....'' وہ مطمئن تھی۔

''اچھی طرح سوچ لو.....'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا ہے..... میں بچپن سے دو مذاہب میں بٹی ہوں' ماں نے جب دوسری شادی کی تب میں سترہ سال کی تھی۔ چھ سال ہو گئے' میں سکون کی خاطر کبھی بھگوان کے چرنوں میں بیٹھتی ہوں تو کبھی یسوع مسیح کی صلیب کو چومتی ہوں' میں باقی ماندہ زندگی میں ایسے گزار دیتی لیکن تم.....'' وہ خاموش ہو گئی۔

''ہاں میں نے.....'' عزیز اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے شرارت سے بولا۔

''کب چلیں گے ہم.....'' وہ نظر انداز کر گئی۔

''تم میرے لیے مسلمان ہونا چاہتی ہو ناں.....'' عزیز کے دل میں کد بد مچاتا سوال لبوں پہ آیا۔

''نہیں.....'' وہ فوراً سے پیشتر بولی۔ عزیز کے ہر احساس پر اوس پڑی تھی' دھڑ دھڑ دھڑ..... ساری خوش فہمیاں آس میں آن گری۔

''میرے دل میں یہ بات نہ آتی اگر میں.....''

''بہر حال وجہ کچھ بھی ہو ایک بار سوچ لو' پھر فیصلہ کرنا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''میرا فیصلہ اٹل ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''تم کوئی بات کرنے والے تھے۔'' عزیز کو لب کھولتے دیکھ کر اس نے بات بدلی۔

''رہنے دو فی الحال اپنی بات کرو۔''

''اسلام شراب نوشی سے منع کرتا ہے۔'' وہ دوبارہ اس بات پر آیا۔ ''میں نے تین سال سے تمھیں شراب کو ہاتھ لگاتے بھی نہیں دیکھا.....'' اس نے گویا جتایا کہ وہ جانتی ہے۔

''ہمارا مذہب عورت کو پردے کا حکم دیتا ہے.....'' وہ جاننا چاہتا تھا کہ اسلام قبول کرنے کی اصل وجہ کیا ہے۔

''جب سے میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے' میں نے اسلامی لباس نہ سہی لیکن پورے لباس کا استعمال کیا ہے.....'' اس نے اس انداز سے کہا جیسے اس کی غیر دھیانی پر چوٹ کی ہو۔ عزیز کو بھی اس وقت احساس ہوا کہ اس نے کافی مہینوں سے مارلن کو شارٹ اسکرٹ یا پھر شارٹس میں نہیں دیکھا۔ عزیز خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا.....

''تو پھر ہم کب چلیں گے.....'' وہ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

''ایک فرائی ڈے تو کل ہے اور کل میں بزی ہوں' ہم نیکسٹ فرائی ڈے چلیں گے.....'' اس نے مارلن کو ایک ہفتے کے لیے ٹالا تھا تاکہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جس طرح اس نے پہلے ہندومت اختیار کر کے عیسائیت چھوڑی تھی' ایسے ہی مسلمانیت اختیار کر کے پھر چھوڑ دے۔ مارلن نے الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کچھ بھی کہے بنا اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆

''اٹھ گیا میرا بیٹا' آؤ میرے پاس.....'' بڑے تایا جو ڈائننگ ٹیبل سے اٹھنے والے تھے' اسے آتا دیکھ کر فوراً اپنا بازو پھیلایا۔ ام خیر کے قدم بے اختیار ان کی کھلی بانہوں کی طرف بڑھے تھے۔

''سچ عزیز' تجھ سے میرے سارے شکوے ختم ہو گئے۔ میں تو سمجھا تھا تو وہاں کے رنگ میں رنگ گیا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

ہوگا' پر ام خیر کو دیکھ کر میرے تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔'' بڑے تایا نے اسے ساتھ لگاتے بوسہ دیا۔ ناں چاہتے ہوئے بھی احساسِ ندامت کے دو آنسو ٹپک ہی پڑے۔ اس نے چور نگاہوں سے باپ کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک ہی التجا تھی۔ ''یارب میرا بھرم قائم رکھنا۔''

''اٹھ گئی پتر' کیا ناشتہ کرے گی۔'' بڑی تائی کے لہجے میں شہد سی مٹھاس تھی۔ ''بڑی بھابی یہ صرف جوس لے گی۔'' ام خیر کے بولنے سے پہلے عزیز بول اٹھے۔

''نہیں بڑی مما' مجھے ناشتہ کرنا ہے.....'' اس کے منہ سے استحقاق سے نکلا تھا۔ اس کی بات پر جہاں عزیز کو حیرت ہوئی' وہاں وہ خود بھی شرمندہ ہوئی۔

''اچھا تم بیٹھو میں لاتی ہوں.....'' بڑی مما اس کے گال چھوتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''جی کزن' کیسی گزری پاکستان میں پہلی رات.....؟'' عاصم باہر سے آیا اور کرسی گھسیٹ کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ بنا جواب دیئے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''شی.....سنو زبان نام کی چڑیا ہے تمھارے پاس.....'' وہ بڑے رازدارانہ انداز میں میز پر جھکا اسے پوچھ رہا تھا۔

''زبان تو ہے لیکن وہ فضول نہیں بولتی.....'' ام خیر نے مسکراتے ہوئے اس کی فضول گوئی پر تنقید کی۔

''چاچو.....سچ بتائیں آپ امریکہ سے آئے ہیں ناں.....'' عاصم اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے عزیز کی جانب متوجہ ہوا۔

''کیوں.....؟'' وہ ناسمجھی سے بولے۔ ''اب دیکھیں ناں امریکہ کو ہر ایک کی بات میں بولنے کی عادت ہے' ہر کسی کو ایک کی چار سناتا ہے.....اب اس کا شہری ہونے کے ناطے ام خیر کی بھی زبان ہونی چاہیے تھی.....لیکن مجھے لگتا ہے یہ صرف پاکستان کی طرح منمنا سکتی ہے.....'' وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا۔ بڑے تایا کا قہقہہ بے تحاشا تھا۔ جبکہ عزیز نے گھبرا کے ام خیر کو دیکھا' جس کے چہرے پر اذیت بڑھنے لگی تھی۔

''تمھیں آج کالج نہیں جانا.....'' عزیز نے بے تکا سوال کیا۔

''پہلی بات چاچو میں کالج بوائے نہیں یونیورسٹی بوائے ہوں۔ کالج بوائے کہہ کر میری توہین نہ کریں' دوسری بات آج ہمارے گھر کی خواتین کو بازار جانا ہے تو میں پارٹ ٹائم ڈرائیوری کروں گا.....''

ام خیر کو لگا اس گھر کے ہر فرد کو بولنے کا شوق ہے۔ عاصم کے بولنے سے اس کی کنپٹیوں کی رگیں تن

گئی تھیں۔ اس کا دل چاہا یا تو وہ یہاں سے چلی جائے یا اسے دفعان کردے۔ وہ ایسا کچھ کر جاتی لیکن بڑی مما نے ناشتہ لا کے اس کے سامنے رکھا۔

''ارے واہ تائی امی! آپ نے کبھی ہمارے لیے تو اتنا لذیذ ناشتہ نہیں بنایا.....'' عاصم نے ام خیر کے آگے رکھے چیز آملیٹ اور بن کی طرف دیکھتے ہوئے ندیدے پن کا مظاہرہ کیا۔

''یہ آپ تو بس.....'' ام خیر نے فراخ دلی سے ناشتہ اس کی طرف کھسکایا تو عاصم خجل ہو کے مسکرانے لگا۔ باقی نفوس بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکے۔

''چلو عزیز.....'' بڑے تایا اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو ام خیر نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔

''تم صبح ہی صبح آن ٹپکے ہو' جا کے بہنوں کا پتہ کرو' کب تک جانا ہے انھیں۔'' تائی کچن میں جاتے ہوئے بولیں۔

''پہلے چائے بنا کے دیں پھر جاتا ہوں.....'' عاصم ان کے پیچھے ہولیا۔

''تم بھی ان کے ساتھ شاپنگ پہ چلی جانا.....'' عزیز جاتے جاتے مڑے۔

''بٹ ڈیڈ.....'' اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔

''سی یو لیٹر۔'' عزیز اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے اور باہر نکل گئے۔ ام خیر بے دلی سے سامنے رکھے ناشتے کو دیکھنے لگی۔

☆☆

انھیں پاکستان آئے ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ بے شک ام خیر ابھی تک کسی سے گھلی ملی نہیں تھی۔ اس کے باوجود عزیز کو اطمینان تھا کہ ام خیر کو اس دوران صرف ایک بار اٹیک ہوا تھا۔ جبکہ امریکہ میں اس کی حالت ہر دوسرے دن بعد بگڑتی تھی۔ یہ الگ بات کہ عزیز کا اطمینان زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔

جیسے ہی سب لڑکیاں تیار ہو کے نکلیں تو انھیں اطلاع ملی کہ عاصم ان کے ساتھ نہیں بلکہ بڑوں کے ساتھ جیولر پر جا رہا ہے۔ سب تلملا کے رہ گئیں کیونکہ ان کی ڈرائیونگ سیٹ پر ابوذر تھا۔ اب سب تپی ہوئی عاصم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جبکہ وہ انھیں مزید چڑاتا چیونگم کے ببلز بنا رہا تھا۔ ام خیر کچھ فاصلے پر کھڑی ان کی شوخیوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب ابوذر اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

''اس طرح دور کھڑے ہو کے مسکرانے کی بجائے بہتر ہے کہ آپ اس ماحول کا حصہ بن جائیں۔''

اتنے دنوں میں پہلی بار ابوذر نے اسے مخاطب کیا تھا۔ ام خیر کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی۔ اس نے اپنی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

نیلی آنکھیں اٹھا کے ابوذر کی جانب دیکھا۔

"مجھے ہلا گلا صرف دیکھنے کی حد تک پسند ہے....." اسے اپنی بات پہ خود جھوٹ کا گماں ہوا تھا۔ کتنے ہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے قلم کی طرح چمکنے لگے۔ اس نے زور زور سے پلکی جھپکیں اور گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ ابوذر نے اس کے چہرے کی بے کلی کو شدت سے محسوس کیا۔ پھر وہ سارے رستے اپنے بیتے کل کو سوچتی رہی۔ ایک وقت تھا جب وہ دوستوں کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے وقت کو اپنا غلام کر لیتی تھی..... اپنی بولڈنیس' خوبصورتی' ذہانت اور شرارتوں کی وجہ سے وہ ہر حلقے میں ناں صرف مقبول رہتی بلکہ اس کے بنا ہر محفل ادھوری ہوتی۔ زندگی کے اک اندوہناک حادثے نے اسے اندر تک بدل گیا تھا۔ وہ اُما (Umma) سے ام خیر بن گئی تھی۔ اس کے دوستوں اور جاننے والوں کو اس کا نام پسند نہیں تھا۔ اس لیے سب اُسے اُما (Umma) کہہ کے پکارتے۔ ام خیر سے اُما (Umma) کا سفر طے کرتے ہوئے اس نے کچھ نہیں سوچا تھا جب کہ اُما (Umma) سے ام خیر تک واپسی بڑی جان لیوا تھی۔ اس کے اندر گھٹن بڑھنے لگی تھی۔ اپنی ہی سوچوں میں اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب گاڑی مطلوبہ شاپنگ سینٹر پہ آ کے رکی۔

"اترو ام خیر....." ابوذر نرمی سے بولا۔ جتنا اس کا رعب اپنے گھر کی کزنز پہ تھا' سب ہی اس سے بات کرتے ہوئے سو بار سوچتیں۔ اس وقت بھی سب اتر چکی تھیں۔ ورنہ ابوذر کی نرماہٹ سے ہلاک ہی ہو جاتیں۔ ام خیر کا دل ہر چیز سے اُچاٹ ہو چکا تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا....." وہ اندر بیٹھے بولی۔

"تو آئی کیوں تھی۔" وہ اپنی جون میں لوٹ آیا۔

"مجھے شاپنگ کرنا پسند نہیں۔" آج وہ جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی تھی۔ حالانکہ اس کی شاپنگ سے عزیز اور اسوہ زچ ہو جاتے تھے۔

"اگر موڈ نہیں تھا تو ناں آتیں....." ابوذر چڑ گیا۔ ام خیر اس کے لہجے کی سختی دیکھتے ہوئے کچھ کہے بنا نیچے اتر آئی۔

"یہیں رکو' سب جا چکی ہیں میں تمھیں ان کے پاس چھوڑ آتا ہوں۔" وہ گاڑی پارکنگ کے لیے لے گیا۔ ام خیر نے تنہا کھڑے رہ جانے پر گھبرا کے اردگرد دیکھا۔ انجان جگہ پر تنہائی اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتی تھی۔ اچانک ہی اس کی توجہ سڑک کے دوسری جانب گزرتی لڑکی جانب مبذول ہوئی۔ اس نے بمشکل پنڈلیوں تک شرٹ کے ساتھ پٹیالہ شلوار پہن رکھی تھی۔ بے حد کھلا گلا' دوپٹے سے بے نیاز' اس

کا شعلہ آتش بدن دیکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن رہا تھا۔ جب کہ وہ ہر بات سے بے پرواہ جھوم جھوم کے چل رہی تھی۔ ام خیر کو اس پر جی بھر کے غصہ آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا غصہ اس لڑکی پر اتارتی' قریب سے گزرتے لڑکے نے اس لڑکی کو آنکھ مارتے ہوئے فلائنگ کس کی۔ ام خیر کو لڑکے کی حرکت پر بے طرح غصہ آیا۔ وہ لڑکی کا ری ایکشن دیکھے بنا چلانے لگی۔

"اسٹاپ' ڈونٹ ٹچ ہیر..... اسٹاپ۔" وہ ہذیانی انداز میں ان کی جانب بڑھی اور لڑکے کی پٹائی کرنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ اکٹھا ہونے لگے۔ لڑکا اپنا بچاؤ کر رہا تھا جبکہ لڑکی حیرت سے اس لڑکی کو دیکھنے لگی جو اندھا دھند لڑکے کی پٹائی کر رہی تھی۔ مجمعے میں کھڑے ایک دو لوگ تو باقاعدہ موبائل سے ویڈیو بنانے لگے۔ ابوذر نے چند قدموں کے فاصلے پر اس منظر کو دیکھا تو بوکھلا گیا۔ وہ سرعت سے آگے بڑھا اور ام خیر کو علیحدہ کیا۔

"واٹس ربش..... پاگل ہو گئی ہو کیا۔" اس نے بے قابو ہوتی ام خیر کو اپنی بانہوں میں جکڑا۔

"سوری فار دِس....." ام خیر کو اپنے احاطے میں کرتے ہوئے اس نے لڑکے سے معافی مانگی اور ہجوم کو منتشر کیا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ ام خیر اس وقت کس تماشے کو کریٹ کر چکی ہے۔ لڑکے نے دو چار بے ہودہ لغویات بکیں اور یہ جا وہ جا۔ ابوذر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس لڑکے کا خون پی جائے لیکن ضبط کر گیا کیونکہ غلطی ساری ام خیر کی تھی۔

"آپ نے معافی کیوں مانگی.....؟" وہ بے ترتیب ہوتی سانسوں کو متوازن کرتے ہوئے بولی۔ ابوذر نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لایا۔ گاڑی اَن لاک کی اور اسے اندر بٹھایا۔

"واٹ اِز دِس نان سینس....." وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سختی سے بولا۔ ام خیر کچھ نہیں بولی۔ ابوذر نے اے سی آن کیا اور پاس کھڑے واچ مین کو کوک لانے کو کہا۔

"مجھے کہیں سے نہیں لگ رہا کہ تم امریکہ جیسے مہذب ملک سے تشریف لائی ہو....." وہ لفظ "مہذب" پر زور دیتے ہوئے طنز سے بولا۔ ام خیر کی آنکھیں نمکین پانیوں میں ڈوبی تھیں۔ ابوذر کی ہارٹ بیٹ محسوس ہوئی تھی۔ اتنے میں واچ مین نے ڈرنک لا کے اسے تھمایا۔ ابوذر نے ڈسپوزبل گلاس ام خیر کی جانب بڑھایا جسے اس نے بنا انکار کے تھام لیا اور ہونٹوں کو لگایا۔ اسے اس وقت واقعی پانی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

"اُس لڑکے نے تمھیں تو کچھ نہیں کہا تھا ناں' پھر یہ جاہلوں والی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

kutubistan.blogspot.com

وہ نرمی سے بولا۔

"اس نے لڑکی کے ساتھ بدتمیزی کی' وہ مزید بھی کچھ کر سکتا تھا۔" ام خیر کو اپنے کیے پر شرمندگی نہیں تھی۔

"جب اس لڑکی کو کوئی تکلیف نہیں تھی تو تمھیں کیا ضرورت تھی ایکشن کرنے کی....." اب کی بار وہ خود کو طنز کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔

"عزت صرف عزت ہوتی ہے' جس کسی کی بھی ہو۔" وہ تلخ ہوئی۔

"مانتا ہوں کہ عزت سب کی سانجھی ہوتی ہے' لیکن یہ پاکستان ہے' امریکہ نہیں کہ تم اپنی استادی لگانی شروع کر دو....." وہ ہلکے پھلکے انداز میں طنز کر گیا۔

"بات پاکستان یا امریکہ کی نہیں ہے ابوذر' اصول کی ہے....." وہ چڑی تھی۔

"اوکے جو تم نے کیا وہ تمھاری نظر میں داد طلب ہو سکتا ہے' میں اسے صرف احمقانہ حرکت کہوں گا..... میرا تم کو مشورہ ہے کہ آئندہ ایسی بے وقوفی کرنے سے اجتناب کرنا۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

ام خیر نے افسردگی سے اسے دیکھا۔

"ویسے تمھارا قصور بھی نہیں امریکنز کو ہر ایک کے مسئلے میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہوتی ہے۔" اس کا لہجہ مذاق اڑاتا تھا۔ "اگر اس کی جگہ آپ کی بہن' کزن یا میں ہوتی' کیا تب بھی آپ اتنے ہی نارمل انداز میں اس بات کو لیتے....." ام خیر کا لہجہ اور لفظ دونوں ہی چبھتے ہوئے تھے۔ ابوذر کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ کچھ دیر وہ بول نہ سکا' معاً کوئی سخت بات نہ کہہ دے۔

"پہلی بات ہمارے گھر کی عورتیں یوں بے مہار نہیں پھرتیں..... دوسری بات جب عورت خود دعوتِ عام دے تو مرد اُسے ریجیکٹ کرنے کی بجائے قبول کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اسے تم مرد کی فطرت کہہ لو یا پھر عورت کی غلطی..... لیکن مرد کا قصور ایک فیصد ہوتا ہے..... اگر عورت پردے میں باہر نکلے گی تو مرد اس کا پردہ الٹ کے نہیں دیکھے گا۔ بلکہ احتراماً وہ اپنی نگاہیں نیچی کر کے گزرے گا۔ جب عورت برہنہ ہو کے سڑک پر آئے گی تو تم خود سوچو مرد کو کیا کرنا چاہیے.....؟" اس نے اچھی خاصی نصیحت کر ڈالی۔ ام خیر کے اندر چنگاریاں سی جلنے لگی تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیلا کرب ابوذر کو پریشانی میں مبتلا کر گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا موبائل کی بپ ہوئی' مجبوراً اسے ام خیر کے چہرے سے نگاہیں ہٹانا پڑیں۔ "اوکے میں آ رہا ہوں..... جو تماشا لگایا ہے اُسے اپنے تک رکھنا....." اس نے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ام خیر کچھ نہیں بولی تھی۔ اس کے آنسو نکلنے کی بجائے دل پر گرنے لگے۔ ابوذر کا ذہن اس کی الجھی آنکھوں

میں اٹک کے رہ گیا۔

☆☆

"ڈیڈ انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ تو کہتے تھے پاکستان میں ایسا کچھ نہیں۔ محبتیں اور عزتیں ہیں' کچھ بھی فرق نہیں' صرف انداز مختلف ہیں۔" وہ رو رو کے ہلکان ہو رہی تھی اور عزیز اسے سنبھالنے کی کوشش میں ناکام۔ عزیز کو پاکستان آنا بھی اپنی حماقت لگنے لگا تھا۔ بیٹی کا باپ ہونا کوئی بڑی ذمہ داری نہیں بلکہ اسے سنبھالنا اس کی حفاظت کرنا اصل ذمہ داری ہوتا ہے۔ "کاش اسوہ تم نہ مرتیں....." ان چار سالوں میں انھوں نے بے تحاشہ بار' شدت سے اسوہ کو پکارا تھا اور جتنی بے چینی سے پکارا تھا' اگر وہ زندہ ہوتی تو ضرور لوٹ آتی۔ ام خیر کی حالت' اس کی بے چینی اور اضطراب نے ان کی روح تک کو گھائل کر دیا تھا۔ آج کی حالت ان کے رہتے سکون کو بھی برباد کر رہی تھی۔ اولاد کا دکھ تو یوں ہی انسان کو مار دیتا ہے اور بیٹی کا دکھ تو سکون اور عزت دنوں کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔

"ڈیڈ عزت تو عزت ہوتی ہے' پھر یہ لوگ اپنی اور دوسروں کی عزت میں فرق کیوں سمجھتے ہیں.....؟" اس کا اٹیک شدت اختیار کر رہا تھا۔ عزیز کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ جب وہ سمجھانے سے بھی نہ بہلی تو عزیز کو انجکشن نکالنا پڑا۔ "چاچو' آپ کو....." ابوذر اچانک اندر آیا تھا۔ یہ عزیز کی بدقسمتی تھی کہ وہ لاکڈ کرنا بھول گئے تھے اور ابوذر کی بدتہذیبی کہ وہ بنا اجازت اندر آیا۔ اندر کے منظر نے اُسے حقیقتاً بوکھلایا۔ ام خیر مسلسل روتے ہوئے بول رہی تھی اور چاچو اسے سنبھالتے ہوئے انجکشن دے رہے تھے۔

"اسے کیا ہوا ہے.....؟" اس نے احتیاطاً دروازہ بند کیا اور اپنی بات بھول کر بیڈ کی جانب آیا۔ عزیز' ابوذر کی بے وقت آمد سے خوفزدہ ہوئے۔ انھوں نے ایک نظر ام خیر کی بگڑتی حالت کو دیکھا اور پھر جلدی سے ہاتھ میں پکڑا انجکشن اسے لگایا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بڑبڑاتے ہوئے سو گئی۔ اس کی گھنیری پلکوں میں اب بھی اک آنسو ٹھہر گیا تھا۔ چہرے پر اذیت اور اضطراب تھا۔ ابوذر اس ساری صورتِ حال کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ "اسے کیا ہوا ہے.....؟" وہ پریشان عزیز سے مخاطب تھا۔

"کچھ نہیں۔ تم کچھ کہنے آئے تھے....." وہ نظریں چراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "چاچو میں کچھ پوچھ رہا ہوں.....؟" ابوذر کو کسی گڑبڑ کا شدت سے احساس ہوا۔ "تمھیں کوئی کام تھا....." وہ بات پلٹنا چاہتے تھے۔ "یہ انجکشن مجھے دکھائیں....." اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے انجکشن کی بوتل مانگی۔ "پلیز ابوذر....." انھوں نے پہلو بدلا۔ "چاچو پلیز..... مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔" اس نے پُراعتماد

kutubistan.blogspot.com

لہجے کہتے ہوئے ان کے ڈھیلے پھرتے ہاتھوں میں سے انجکشن کی بوتل پکڑی۔ ''او مائی گاڈ.....'' یہ تو سائیکی پیشنٹ کے لیے ہیں۔'' ابوذر کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''پاگل ہو گیا.....؟ یہ سکون آور ڈراپس ہیں۔'' ان کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

'ادھر دیکھیں میری طرف۔'' اس نے ان کا جھکا سر اونچا کیا۔ ''جتنا دکھ اس وقت آپ کو میری یہاں موجودگی سے ہو رہا ہے' اس سے کہیں زیادہ تکلیف مجھے اس بات سے ہو رہی ہے کہ آپ تنہا اس دکھ سے گزر رہے ہیں۔'' وہ اپنی بات کو واضح کر گیا۔

''پلیز ابوذر' اس بات کو یہیں ختم کر دو.....'' دکھ اور خوف ان کی آنکھوں میں چھلکنے لگا۔ ہزار ضبط کے باوجود دو آنسو نکل پڑے۔ ابوذر کو حقیقتاً تکلیف ہوئی۔ اس نے انھیں ساتھ لگا لیا۔ کسی اپنے کو دیکھ کر وہ مکمل طور پر ٹوٹ گئے۔ ''میرا یقین کریں' ناں تو یہ بات اس کمرے سے باہر نکلے گی اور ناں ہی میں خود دوہراؤں گا۔ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اس کا علاج کر سکوں.....'' وہ انھیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''جو انجکشن آپ اسے دے رہے ہیں یہ.....'' وہ رک گیا۔ عزیز نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اب اسے یہ انجکشن مت دیجیے گا.....'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''لیکن میں چار سال سے یہی انجکشن دے رہا ہوں۔ اسی سے اس کی حالت بہتر ہوئی ہے۔'' وہ حیرانگی سے اسے بتانے لگے۔

''دس از سلو پوائزن..... یہ انجکشن اسے مینٹلی ڈس ایبل کر دے گا.....'' اس کا لہجہ چاہنے کے باوجود بھی نارمل نہ ہو سکا۔ عزیز نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ اس کی کیس ہسٹری مجھے دیں۔'' وہ نظریں ملائے بنا بولا۔ اس کی کیس ہسٹری دینے کے خیال سے ہی عزیز کے رونگٹے کھڑے ہوئے' انھیں ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس وقت وہ خود کو دنیا کا بدقسمت اور بے بس ترین باپ تصور کر رہے تھے۔ ابوذر کی دلی تسلیاں اور اطمینان پل بھر میں رخصت ہوا تھا۔ ان کا دل پسلیوں کے درمیان کچلنے لگا تھا۔

''چاچو' اس کی کیس ہسٹری دیں۔'' وہ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہا تھا۔ عزیز کے ٹالنے سے بھی جب وہ نا ٹلا تو عزیز کو فائل دینے کے لیے اٹھنا پڑا۔ وہ مردہ قدموں سے چلتے ہوئے وارڈ روب تک آئے' فائل نکالی' صرف چند قدم اور پھر اک بار انھیں اس بے اماں دنیا میں امان تلاش کرنے کے لیے محو سفر ہونا تھا۔ انھوں نے نا چاہتے ہوئے بھی فائل ابوذر کی جانب بڑھائی۔ اب وہ سانس روکے نئی صورتِ حال کے لیے خود کو تیار کرنے لگے۔ فائل پر سرسری نظر ڈالتے ہی ابوذر کی سانسیں اکھڑ گئیں۔ وہ کتنی دیر سر جھکائے خود کو کمپوز کرتا رہا۔

''آپ فکر مت کریں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ضبط کی آخری مراحل طے کرتا وہ چند لمحوں بعد بولا۔ عزیز کا رُکا سانس بحال ہوا۔ ''اس فائل کے بارے میں ام خیر کو مت بتائیے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ عزیز نے عجب کشمکش میں اسے وہاں سے جاتے دیکھا.....

☆☆

کمرے میں آ کے کتنی ہی دیر وہ بے چین رہا۔ کبھی ٹہلنے لگتا' تو کبھی تھک کے بیٹھ جاتا۔ بار بار ام خیر کا ستا چہرہ اس کے سامنے گھوم جاتا۔ یہ سب کچھ اس خاندان کی کسی لڑکی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ سوچ کے ہی اس کے دماغ کی رگیں تن جاتیں۔ وہ بے بس ہو کے رہ جاتا۔ ''اس نے چاچو کو جواب کیوں نہیں دے دیا۔'' اسے رہ رہ کے افسوس ہو رہا تھا۔ دوسرے ہی پل اسے عزیز کی حالت قابلِ افسوس لگی۔ ام خیر وہ لڑکی تھی جس نے اس کے دل میں ہلچل مچائی تھی۔ اب اتنا سب کچھ جاننے کے بعد وہ عجیب دوراہے میں کھڑا تھا۔ ''اے اللہ! تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے' مجھے بہتر فیصلہ کرنے کی ہمت دے۔'' رات کے آخری پہر اس نے نفل نماز پڑھ کر سچے دل سے دعا کی تھی۔ جب تنہائی ہو' یقین کامل تو دعا پہ قبولیت کی مہر لگ جاتی ہے۔ نماز پڑھ کر اسے قدرے سکون ملا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ام خیر کی فائل کھولی۔ فائل کے ٹاپک نے ایک بار پھر اسے بے بس کر دیا۔ وہ اٹھا' فائل کو الماری میں لاک کیا اور آ کے لیٹ گیا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے آنکھیں موندیں' فائل میں تحریر ہر لفظ کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ بالکل ایسے جیسے وہ خود ان کا چشم دیدہ گواہ ہو۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں گھٹن بھرنے لگی تھی۔ وہ اٹھا اور کھڑکی کھول دی۔ ہوا کا اک شدید جھونکا اسے چھو کے گزر گیا۔ اچانک اس کی نظروں نے لیمپ کی ڈم روشنی میں سنگی بینچ پر کسی لڑکی کا ہیولا دیکھا۔ ''ام خیر.....'' اس کے دماغ میں کلک ہوا۔ پل بھر میں اس کا اطمینان رفع ہوا تھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے اس کی طرف جانے کو مڑا۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو.....؟'' ابوذر نے لہجے کی سختی کو چھپایا۔ ام خیر جو گھٹنوں پر سر دیے بیٹھی تھی' اس اچانک افتاد پر گھبرا کے سر اٹھایا۔ اپنے سامنے ابوذر کو دیکھ کر اسے خیال آیا کہ آخری بار اس نے نیند میں جاتے ابوذر کو دیکھا تھا۔ ''تو کیا یہ جان چکے ہیں.....؟'' اس کے اعصاب جکڑے گئے تھے۔

''میں..... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں.....؟'' اس نے بوکھلاتے ہوئے الٹا سوال کیا۔

''وہاں کھڑکی سے تمھیں یہاں بے وقوفوں کی طرح اس وقت بیٹھے دیکھا تو چلا آیا.....'' وہ کھڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

kutubistan.blogspot.com

"مجھے نیند نہیں آرہی تھی....." وہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

"ام خیر جو لوگ ماضی میں جیتے ہیں وہ کبھی نہ حال میں خوش رہتے ہیں ناں مستقبل میں....." ابوذر نے پہلی ضرب لگائی۔ ام خیر نے چونک کے اسے دیکھا۔ "وہ..... میرا مطلب ہے کہ مانا امریکن لائف ایزی ہے لیکن یہ پاکستان ہے....." "اس زندگی کو ماضی جانو....." ابوذر اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔ ام خیر نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور بنا کچھ کہے وہاں سے اٹھ آئی۔

کتنا دکھ ہے زندگانی میں
جیسے گھل جائے زہر پانی میں
کتنی صدیوں کا دکھ شامل ہے
اک انسان کی کہانی میں

☆☆

شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ صرف چند دن باقی تھے۔ عزیز کو پاکستان آئے ڈیڑھ مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ ابھی تک اسے ام خیر میں کوئی سدھاؤ نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی ویسی تھی عدم تحفظ کا شکار' بات بے بات ڈر جانے والی' کم گو' تنہائی پسند..... کسی کے ذرا سے مذاق پر دل چھوٹا کر لینے والی' شادی کی تیاریوں میں اس کی دلچسپی مفقود تھی۔ وہ سب کے ساتھ شاپنگ پر ضرور جاتی تھی۔ ناں اپنے لیے کچھ پسند کرتی' ناں ہی کسی کی پسند میں اس کی مدد کرتی۔ سب ہی لڑکیوں کے لیے شروع میں اس کا رویہ سرد تھا۔ پھر دھیرے دھیرے سب ہی نے اسے مختلف ناموں سے پکارنا شروع کر دیا۔ کسی کے خیال میں اس کی اوپری منزل خالی ہے..... کوئی اسے عقل سے پیدل کہتا' تو کسی کے لیے وہ پوری کھسکی ہوئی ہے۔ یعنی سب کا مشترکہ فیصلہ یہ ہوتا کہ امریکہ پلٹ نیشنلٹی ہولڈر برٹش سرٹیفکیٹ رکھنے والی ام خیر پاگل ہے اور پھر سب کے قہقہے ایک ساتھ بلند ہوتے۔ سوائے وریشہ کے' جسے یوں ان کا ام خیر کا مذاق اڑانا برا لگتا۔ ابوذر تو پہلے ہی ان کی محفل کا حصہ نہیں بنتا تھا۔ البتہ کبھی ان کے درمیان بیٹھے کسی کی درگت بنتے دیکھتا تو انجوائے کرتا۔ جب سے ام خیر کا ہاٹ ٹاپک ان کے ہاتھ لگا تھا' اتفاقاً وہ ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ اب بھی وہ سب بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ چونکہ شادی کے دن قریب تھے' اس لیے صرف کام کے دوران ہی انھیں باتیں کرنے کا موقع ملتا۔

"وہ پاگل کدھر ہے....." زلیخا نے بے رحمی سے تبصرہ کیا۔

"ہوگی کسی بل میں ڈری سہمی بیٹھی ہوئی....." وسیمہ نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا' سب ہی

کے قہقہے بے تحاشا تھے۔

"شرم کرو کسی پر یوں تنقید کرنا غیر اخلاقی ہے....." عاصم ابھی ابھی اندر آیا تھا۔ ان کی بات سنتے ہوئے بولا۔ وریشہ نے فریہ اسے دیکھا جب کہ سب ہی نے حیرانگی سے ہونٹ سکیڑے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے جب وریشہ نے اسے ام خیر کا مذاق اڑانے سے منع کیا تھا۔

"اگر اسے ہمارے ساتھ گھلنا ملنا پسند نہیں تو تم لوگ جیلس کیوں ہوتے ہو.....؟" وریشہ نے سختی سے کہا۔

"ایکسکیوزمی مادام! ہم کیوں ہونے لگے جیلس.....؟" عاصم کو اس کی بات بری لگی۔

"تو پھر اس کا مذاق اڑانے کی وجہ..... اگر وہ تم لوگوں سے گھلنا ملنا نہیں چاہتی تو زبردستی کیا ہے....." اس نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔ عاصم اسے دیکھتا رہ گیا۔ "او کے نہیں اڑاؤں گا....." خلاف توقع وہ جلد مان گیا۔ وہ وریشہ سے بے تحاشا محبت کرتا ہے لیکن ام خیر کو لے کر آج کل وہ عجیب سراسیمگی کا شکار تھا۔

"بڑا ایکا کیا ہے دونوں نے....." وردہ ہنستے ہوئے بولی۔ "بات ایکے کی نہیں' اصول کی ہے....." وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔ "تمھاری ڈکشنری میں لفظ "مہذب" کب سے استعمال ہونے لگا۔" زلیخا نے جی بھر کے طنز کیا۔ عاصم نے سر جھٹکا۔

"وریشہ سنبھالو اسے....." کومل نے مذاق اڑایا۔ عاصم نے گھبرا کے وریشہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اطمینان اور یقین ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا اور واک آؤٹ کر گیا۔ عاصم کی اس حرکت پر سب حیران تھے' وہی شک کی ننھی ننھی کونپلیں بھی کھلی تھیں جب کہ وریشہ پُراعتماد اپنا کام کرتی رہی۔ کبھی کبھی یقین اور اعتماد انسان کو بڑی مصیبت سے بچا لیتا ہے۔ بڑی تلخ آگہیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆☆

"ہیلو ام خیر....." عاصم بنا ناک کیے اس کے کمرے میں چلا آیا۔ ام خیر جو تفسیر کھولے بیٹھی تھی' یکدم چونکی۔ عاصم نے اسکارف میں لپٹے ام خیر کے صبیح چہرے کو دیکھا۔ مکمل حسن..... وہ دیکھتا رہ گیا۔ ام خیر نے تفسیر بند کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بنا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا غیر اخلاقی ہی نہیں' بدتہذیبی کے ساتھ گناہ بھی ہے اور کسی کے بیڈروم میں آنا کبیرہ بداخلاقی اور گناہ ہے....." اس کا لہجہ سخت ہونے کے ساتھ بلند بھی ہوا۔ عاصم پر گھڑوں پانی گرا تھا۔

kutubistan.blogspot.com

"سب آئس کریم کھانے جا رہے تھے تو سوچا تمھیں بھی آفر کر دی جائے....." اسے بروقت بہانہ سوجھا۔

"یہ بات ناک کر کے بھی پوچھی جا سکتی تھی....." ام خیر اس وقت جس عدم تحفظ کا شکار تھی' عاصم سمجھ نہیں سکتا تھا۔

"پلیز خیرو....." وہ اس کے قریب ہوا۔ "جسٹ گیٹ آؤٹ....." وہ حلق کے بل چلائی۔ اس کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ عاصم نے چند لمحے اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔ ام خیر وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ اسے لگا وہ حال سے بھٹک رہی ہے۔

"مم....." اس کے منہ سے بے تحاشا نکلا۔ اس وقت اتفاقاً عزیز اندر آئے۔ ام خیر کو یوں آنکھیں بند کیے سسکتے ہوئے دیکھا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھے "ڈیڈ.....آئی وانٹ ٹو لائیو....." ضبط کی کوشش میں اس نے نچلا ہونٹ کچلا۔ عزیز نے طمانیت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"یس مائی چائلڈ' یو ڈو....." انھوں نے تسلی دی۔ "بٹ آئی کانٹ ڈو دِس....." اس کی آنکھوں میں خوف چھلکنے لگا تھا۔ آج ابوظفر کا مایوں تھا اور سب مہمان نیچے جمع ہو رہے تھے۔ ام خیر کی یہ حالت.....عزیز کا دل ڈوب کے ابھرا تھا۔ انھوں نے ابوذر کو بیل کی۔ پھر ڈاکٹر مائیکل کا نمبر ملانے لگے۔ ابھی وہ ڈاکٹر مائیکل سے بات کر رہے تھے کہ ابوذر آ گیا۔ "او کے ڈاکٹر....." ابوذر کو دیکھتے ہی انھوں نے موبائل آف کر دیا۔

"ارے چاچو آپ یہاں بیٹھے ہیں اور میں نیچے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں....." اس نے غیر محسوس طریقے سے ام خیر کا جائزہ لیا جو آنکھیں بند کیے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس کا موہنا چہرہ ابوذر کے دل میں کھب کے رہ گیا۔ اس کے چہرے پہ ایسا خوف تھا جیسا ہرنی کے بچے کے کھو جانے پر اس کے چہرے پر ہوتا ہے۔ "ام خیر تم نہیں گئیں سب کے ساتھ آئس کریم کھانے....." ام خیر نے گھبرا کے آنکھیں کھولیں۔ چہرے پہ ان حادثوں کا کرب نمایاں تھا جو اُسے کھوکھلا کر رہے تھے۔ اس نے باپ کی جانب دیکھا۔

"یہ ابھی آیا ہے.....؟" انھوں نے تصدیق کی۔ جب اس پر اٹیک ہوتا تو وہ حال میں ہوتے بھی ماضی کی گلیوں میں سفر کرتی تھی۔ تب عزیز کو اسے انجکشن دینا پڑتا' کیونکہ ماضی کے وہ سے جتنے ام خیر کے لیے تکلیف دہ ہوتے' اس سے کہیں زیادہ تکلیف عزیز کو ہوتی۔ آج اسے کافی دنوں بعد اٹیک ہوا تھا اور

عزیز کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ ناں تو اسے انجکشن دینا پڑا اور ناں ہی آج اٹیک سے پہلے اس نے مایوسی کی باتیں کی تھیں۔

"چلو میں تمھیں آئس کریم کھلانے لے چلوں....." اس نے خوش دلی سے کہا۔ ام خیر نے باپ کی جانب دیکھا جہاں رضامندی تھی۔

"اٹھو بھی اب.....واپسی پر گجرے بھی لینے ہیں۔ راستے میں' میں تمھیں بتاؤں گا کہ پاکستان میں شادی کیسے خرچے مانگتی ہے۔" اس نے ام خیر کا بازو پکڑ کے اٹھایا۔ ام خیر بنا چوں چرا اس کے ساتھ ہو لی۔ زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے اور ام خیر کو لگا ابوذر ان لوگوں میں سے ہے۔ وہ ابوذر کے ساتھ باہر نکل گئی۔ انھیں جاتا دیکھ کر عزیز کے دل میں اک خواہش نے چٹکی لی تھی۔ "مجھے معاف کر دینا ابا' میں.....میں نے آپ کو دیا....." عزیز کا دل بوجھل ہوا تھا۔

☆☆

"کیسا لگ رہا ہے پاکستان آ کے....." ابوذر اُسے غیر محسوس طریقے سے ٹریٹ کر رہا تھا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے آئس کریم منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ....." ابوذر نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کبھی کبھی انسان کسی چیز کو بہت دیر دیکھنے کے بعد بھی نہیں جان پاتا کہ اس کا اندر کیسا ہے.....؟" ام خیر کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"غلط.....ہم خود ہی اکثر نظریں چراتے ہیں۔" وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"شاید....." وہ غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

"چاچو کا ارادہ تو مستقل پاکستان رہنے کا ہے' تم کیا ارادہ رکھتی ہو.....؟" ابوذر کے سوال پر ام خیر نے چونک کے اسے دیکھا۔ "مجھے واپس نہیں جانا....." اس کے لہجے میں واضح نفرت تھی۔

"کیوں.....؟" ابوذر اسے اکسا رہا تھا۔ ام خیر نے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں....." ابوذر اطمینان سے بیٹھا تھا۔ "حیرت ہے ام خیر' تم اٹھارہ سال وہاں رہنے کے باوجود واپس نہیں جانا چاہتی۔ حالانکہ میری ناقص عقل کے مطابق امریکہ ہر کسی کا ہی ڈریم لینڈ ہے۔" ابوذر اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"ضروری نہیں خواب ہمیشہ اچھے ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"یقیناً....." وہ زیر لب بولا۔ "او کے یہاں رہ کر کیا کرنے کا ارادہ ہے' پڑھائی یا شادی....." ابوذر مسکرایا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

"جسٹ اسٹاپ دِس ٹاپک....." وہ بنالحاظ کے چلائی۔ ابوذر نے گھبرا کے اردگرد دیکھا۔

"بیٹھ جاؤ....." اس نے جان بوجھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ "ڈونٹ ٹچ می....." اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتی تھیں۔ اسے لگا وہ ایک بار پھر جال میں جکڑی جا رہی ہو۔ ابوذر سچ میں پریشان ہوا تھا۔ حالانکہ اسے ایسے ہی ردِعمل کی توقع تھی۔ اس کے لیے ام خیر کا رویہ اور حالت قابلِ ترس ہونے کے ساتھ افسوسناک بھی تھا۔ اس سے پہلے اسے دوبارہ اٹیک ہوتا' ابوذر اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو....." وہ کہہ کے رُکا نہیں اور کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔ ام خیر دوبارہ بیٹھ گئی اور اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

رشتے بھروسے چاہت یقیں
ان سب کا دامن اب چاک ہے
سمجھے تھے ہاتھوں میں ہے زمیں
مٹھی جو کھولی سب خاک ہے

☆☆

"تو یہ میرا شک نہیں یقین ہے کہ تم جان بوجھ کے مجھے مسجد نہیں لے جا رہے....." مارلن نے جب تیسرے جمعے بھی اُسے ٹامک ٹوئیاں کرتے دیکھا تو بھڑک اٹھی۔

"ایسی بات نہیں ہے مارلن میں....."

"تم مصروف نہیں ہو....." وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"ایسا نہیں ہے....." عزیز جو کھاتے کھولے بیٹھا تھا' بند کرتے ہوئے بولا۔

"تم جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہو' دراصل تم....." وہ سخت بات کہتے کہتے رک گئی۔ "تم شک کر رہی ہو مجھ پر....." وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ "ٹھیک تم نہیں جانا چاہتے تو مت جاؤ..... میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" اس نے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ عزیز نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا۔ "آ گئے اپنی اوقات پر....." وہ تنفر سے چلائی۔ عزیز نے اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"سوری ٹو سے مارلن۔ میں پچھلے پانچ سالوں سے یقین اور بھروسے کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہوں۔" وہ جتاتے ہوئے بولا۔ مارلن کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ "میں کسی وجہ یا اسکیم کے تحت تمھیں نہیں روک رہا..... بلکہ میرا مقصد صرف تمھارے ارادے کی پختگی دیکھنا تھا' یہ جاننے کی کوشش کرنا تھا کہ تم اپنے فیصلے میں کتنی مستحکم ہو۔" عزیز کے لہجے میں مارلن کی بے یقینی کا دکھ تھا۔ مارلن سرتاپیر شرمندہ ہوئی۔

"میں نے یہ فیصلہ دل سے لیا ہے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم کیوں اسلام قبول کرنا چاہتی ہو....." وہ کریدتے ہوئے بولا۔

"مذہب ہر انسان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں....." وہ ناراضگی سے بولی۔ "جانتا ہوں مذہب ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے لیکن یہ دین بدلنا کوئی کھیل نہیں کہ جب چاہے اپنی مرضی کا دین اپنا لیا جائے....." اس کا لہجہ سخت ہوا۔

"ناں مجھے عیسائیت میں سکون ملا نہ ہندومت میں طمانیت....." وہ افسردگی سے بولی۔

"کیا پروف ہے کہ تمھیں مسلمانیت میں سکون ملے گا....." عزیز کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن بائبل اور گیتا نے مجھے الجھا کے رکھ دیا ہے..... تم خود سوچو عزیز' ایک انسان کا باپ خدا کیسے ہو سکتا ہے.....؟ خدا جو انسانوں جیسا ہے ناں انسان..... تم نے کہا تھا یہی کہ خدا نور ہے تو پھر نور کسی انسان کا باپ کیسے ہو سکتا ہے.....؟ خدا ناں کھاتا ہے' ناں پیتا ہے لیکن انسان یہ سب کرتا ہے پھر عیسیٰ کا باپ خدا کیسے....." اس کے ماتھے پر شکنوں کا جال بکھرا تھا۔ عزیز توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ "جس دن میں چار چار بار چرچ گئی ہوں' یسوع مسیح کی صلیب کو چومنے کے بعد بھی مجھے ناں تو اپنے سوالوں کا جواب ملا' ناں ہی سکون۔ میں نے تھک کے اپنے باپ کا مذہب اپنا لیا۔ مجھے لگا کہ میں اور بھی الجھ گئی ہوں' سوچو عزیز پتھر کی وہ مورتیاں جنھیں بنانے والے ہاتھ ایک انسان کے ہیں' جو نہ بولتی ہیں' ناں سن سکتی ہیں' وہ ہمیں کیا سکون دیں گی' جو خود سے ایک قدم بھی بڑھا نہیں سکتیں' ہمارے سوالوں کے جواب پتھر کی وہ صورتیں بنا دیں گی جو خود بے جان ہیں' مجھے نہیں معلوم سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا' میں اسی سچ کو جھوٹ کو کھوجنے کے لیے سالوں سے دربدر ہوں۔ دو سال لا دین رہی ہوں..... تم ملے ہو' تمھیں نماز پڑھتے دیکھتی ہوں تو سچ میں بہت اچھا لگتا ہے' تمھاری باتیں' تمھارے لفظوں میں اتنی مٹھاس ہوتی ہے کہ لفظ خود بہ خود اندر اترنے کا رستہ بنا لیتے ہیں۔ جس مذہب کی باتیں اتنی خوبصورت ہیں' وہ مذہب کتنا پیارا ہوگا۔" وہ مسکرائی تو اس کے لفظوں کے ساتھ آنکھوں میں بھی سچائی نمایاں تھی۔ عزیز اسے دیکھتا رہ گیا۔ "تم وہ کتاب پڑھتے ہو ناں تو لفظ لفظ میں شہد گھل جاتا ہے....." اس نے غلاف میں بند قرآن پاک کی طرف عقیدت اور محبت سے اشارہ کیا۔ "اور وہ کتاب "The Holy Prophet" میں نے چپکے سے اس کتاب کو پڑھا ہے۔ مجھے میرے ہر سوال کا جواب ملا۔ ہم لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان دقیانوس ہوتے ہیں' نہیں عزیز' مسلمان تو پارسا ہوتے ہیں' پاک' بہادر' ایماندار۔" وہ بول رہی تھی اور عزیز پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ "تم لوگ

kutubistan.blogspot.com

عورت پر تشدد نہیں کرتے' ہم غلط سوچتے ہیں۔ تم لوگ عورت کی عزت کرتے ہو..... اُسے تحفظ دیتے ہو' تمھارے لیے عورت قیمتی ہے اور قیمتی چیزوں کی حفاظت انسان کا فرض ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں یہودی رابی نے اسلام کا چہرہ اتنا مکروہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے....." اس کا خون چہرے پر اتر آیا تھا۔ عزیز حیرانگی سے اس کی اسلام سے محبت دیکھتا رہ گیا۔ ابا کہتے تھے' ہم زبانی کلامی مسلمان ہیں' پیدائشی مسلمان کیا جانے مسلمان کیا ہوتا ہے؟ وہ ہمیشہ ابا کے سوال پر سر جھٹک دیتا تھا۔ اسے ابا کی زبانی کلامی اور پیدائشی مسلمان کی تشریح زہر لگتی تھی۔

"ابا مسلمان تو مسلمان ہوتا ہے۔ پھر آپ پیدائشی اور زبانی کلامی کا تفرقہ ڈال کر مسلمان کو گمراہ کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟" ایک بار اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو اس نے پوچھ لیا۔

"ناں پتر' میں تفرقہ ڈالنے والا کون ہوتا ہوں؟ توبہ کر' ہم تو بس مسلمان ہیں' مومن نہیں ہیں۔" ابا کی بات نے اسے اور بھی الجھا دیا۔ "دیکھ مسلمان وہ جو اللہ کو مانتا ہے اور ہر مسلمان اللہ کو اس کے ہونے کو مانتا ہے اور مومن وہ اللہ کی مانتا ہے....." ابا نے فلسفہ جھاڑا جو اس کے اوپر سے گزر گیا۔ آج مارلن کی باتوں سے اُسے ابا کی فلسفہ نما باتیں سمجھ آئی تھیں۔ ابا ٹھیک کہتے تھے۔ ہم کلمہ پڑھ کے سوچتے ہیں کہ ہم نے مسلمان ہونے کا حق ادا کر لیا۔ حالانکہ کلمہ گو ہونا ضروری ہے لیکن کلمہ کی حفاظت کرنا اور مومن بن کے دکھانا بھی بے حد ضروری ہے۔ "آپ کیا کہتے ہیں....." مارلن اُسے حال میں کھینچ لائی۔ عزیز کچھ نہ بولا۔ اک نظر اس پر ڈالی۔ پھر اسے غسل اور وضو کا طریقہ سمجھا کے چائے بنانے چلا گیا۔ مارلن جا چکی تھی۔

☆☆

"پڑھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" خطیب نے اسے کلمہ پڑھایا۔ مارلن سر جھکائے' خطیب کے ساتھ کلمہ پڑھ رہی تھی۔ "کہو اللہ ایک ہے اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔" خطیب نے کلمے کا مطلب واضح کیا۔ "مبارک ہو آج سے آپ مسلمان بہن ہیں۔ اپنے لیے اسلامی نام چن لیں۔ انھوں نے دوزانو سر جھکائے بیٹھی مارلن سے کہا۔ خطیب کے کہنے پر اس نے عزیز کی جانب دیکھا۔ "اسوہ احمد....." وہ ہولے سے بولا۔ خطیب نے مسکرا کے نام کی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ "آج سے آپ اسوہ احمد ہیں۔ اسلام مبارک ہو۔" وہ کہتے ہوئے اٹھے اور قریب سے ہی اسلامی کتابوں کا ایک سیٹ اسوہ کے حوالے کیا۔ "ان کا مطالعہ کر لیجیے گا' واشنگٹن کے اسلامک سینٹر میں قرآنِ پاک کی تعلیم بھی دی جاتی ہے' خدا آپ کو اسلام کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے' یاد رکھنا اسلام کو کسی مقصد کے لیے قبول کیا جائے تو اس

کے قبول کرنے کا فائدہ نہ ہوگا۔ اسلام دل سے' نیت سے اپناؤ۔ اللہ تمھارے اس نیک عمل کا اجر دے گا....." دو چار مزید نصیحتوں کے بعد انھوں نے اسوہ کو جانے کی اجازت دی۔

اگلے دن عزیز اٹھا تو مارلن غائب تھی۔ اسے تشویش ہوئی۔ پھر خود کو تسلی دیتے ہوئے وہ روزمرہ کے کاموں میں الجھ گیا۔ دن آ کے گزر گیا لیکن اسوہ کا کوئی پتہ نہ تھا کہ کیا ہے۔ ان پانچ سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ بنا بتائے کہیں گئی تھی۔ ورنہ وہ اپنے ہر ہر پل کی خبر عزیز کو دیتی۔ اس نے اگلے دن ہر جگہ اسے تلاش کیا۔ جہاں وہ جا سکتی تھی لیکن اس کا کہیں بھی پتہ نہ چلا' اپنی محبت کے یوں ادھورا رہ جانے پر اس کا دل کرچی کرچی ہوا تھا۔ اس نے پولیس کو یہ سوچ کے اطلاع نہ دی کہ تفتیش میں سب سے پہلے وہ ملوث ہوگا۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ اگر مارلن کو جانا تھا تو اسلام قبول کرنے کا ناٹک کیوں کیا۔ اگر جانا تھا تو بتا کے جاتی' یہ گھر اس کا تھا' پھر خود جانے کا مقصد..... سوچ سوچ کے اس کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔ تین مہینے اس نے کس اذیت میں کاٹے یہ وہی جانتا ہے۔ ہر دن اک امید کے ساتھ طلوع ہو کے ناامیدی کے سورج کے ساتھ غروب ہو جاتا۔ محبت کے شکستہ کانچ اس کی رگوں کو کاٹتے تو وہ بلبلا اٹھتا۔ اس کے سجدے طویل ہو گئے..... دعاؤں میں تڑپ آ گئی۔ آخر تین مہینے کے جان لیوا انتظار کے بعد محبوب کی دید کا شرف ملا۔ وہ اندر تک نہال ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ وہ ہوٹل (مارلن اور عزیز کی مشترکہ کوشش سے تیار کردہ ہوٹل جسے عزیز رن کرنے لگا تھا مارلن کے جانے کے بعد) سے آیا تو وہ ڈش واش کرتی دکھائی دی۔ پہلے تو اسے وہم لگا کیونکہ ایسے وہم اسے تین مہینوں سے لاحق ہو رہے تھے کہ ہر جگہ اسے مارلن نظر آنے لگی تھی۔

"مارلن تم کہاں چلی گئی تھیں.....؟" وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مارلن کی جانب لپکا۔

"میرا نام اسوہ احمد ہے۔" اس نے اک سخت نگاہ عزیز پر ڈالی۔ عزیز سرتاپیر لہجے کی سختی سے برف ہو گیا۔

"سوری....." اب کے وہ شرمندہ ہوا۔ اس کی گرمجوشی ماند پڑی۔ "کہاں تھیں تم.....؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "واشنگٹن..... قرآنِ پاک پڑھنے گئی تھی....."

عزیز کو لگا وہ اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ "مبارک ہو' تم بتا کے جاتیں' میں پریشان رہا۔" اتنی اہم بات اپنے دل کا حال بھی عزیز نے اوپری دل سے بتایا۔

"میں کوئی ڈراما یا فلم دیکھنے نہیں گئی تھی کہ بتا کے جاتی۔" وہی ٹھنڈا ٹھار لہجہ' عزیز الجھا۔ "کھانا

kutubistan.blogspot.com

کھاؤ گی۔'' اس نے بات بدلی۔ ''میں اپنا سامان لینے آئی ہوں۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

''کیوں.....؟'' اک اور جھٹکا۔ ''ہمارا مذہب عورت یا مرد کو وہ بھی نامحرم کو ایک چھت کے نیچے رہنے کی اجازت نہیں دیتا.....'' وہ پلٹ کے بولی۔ عزیز شرمندگی کے گہرے سمندر میں غرق ہوا۔ وہ تو پچھلے پانچ سالوں سے اُس کے ساتھ رہ رہا ہے..... ''اگر ہمارے درمیان میں سے ''نا'' ہٹ جائے تو.....'' عزیز کچھ توقف کے بعد بولا۔ مارلن نے الجھ کے اس کو دیکھا۔

''آئی وانٹ ٹو میری ودیو.....'' اس کی آواز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی بدلا تھا۔ مارلن نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ ''یو ناؤ واٹ یو سے.....'' سا کی نگاہوں میں ابھی تک حیرانگی تھی۔

''یس آئی ایم.....'' عزیز اطمینان سے بولا۔ ''یو ناؤ ویری ویل ایویٹ مائی پاسٹ.....'' مارلن نے نظریں چرائیں۔ ''یس.....'' عزیز نے محبت سے کہا۔ ''دین وائے.....'' وہ روہانسی بولی۔ ''میں نے پرپوز مارلن کو نہیں اسوہ احمد کو کیا ہے۔ مجھے مارلن کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں۔ میرا تعلق اسوہ احمد سے ہے اور اس کا حال انتہائی پاکیزہ ہے اور مستقبل بے تحاشہ مقدس.....'' وہ محبت سے چور نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لفظوں کی سچائی اسوہ کو پگھلانے لگی۔ وہ بے بس ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھیں کبھی مارلن کی زندگی میں جھانکنے نہیں دوں گا.....'' عزیز نے اپنی چوڑی ہتھیلی مارلن کے آگے کی۔ مارلن نے کچھ توقف کے بعد اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا۔

یوں ملو کہ پھر بچھڑ نہ پائیں جاناں
آج زندگی سے سب رنگ چرانے ہیں ہمیں

☆☆

زندگی کی شاہراہوں پر سفر کرتے ہوئے جب ہمسفر آپ کا من پسند ہو تو دل کی زمین خوشیوں سے بھر جاتی ہے۔ فضا میں معطر سی خوشبو رقص کرتی ہے' تو ستاروں بھرا آسمان وفا کے ہر اک تارے کو محبت کرنے والوں کی جھولی میں ڈالتا جاتا ہے۔

عزیز اور اسوہ نے ایک بہت ہی عام سے دن بے حد سادگی کے ساتھ اپنے چند دوستوں کی موجودگی میں نکاح کیا تھا۔ ان کے اس خاص بندھن نے اس عام دن کو بھی خاص کر دیا تھا۔ عزیز نے پاکستان فون کر کے اپنی شادی کی اطلاع دی تھی۔ حسبِ توقع سب ہی نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور سب سے زیادہ دکھ عزیز کے اس عمل سے بی جان کو ہوا تھا۔ بی جان کے شکوہ کرنے پر عزیز نے ناں صرف برا منایا بلکہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''بی جان زندگی مجھے گزارنی ہے' مجھے پرواہ نہیں وہ مجھ سے عمر میں

کتنی بڑی ہے یا اس کا ماضی کیسا ہے' میرے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ اب میری بیوی ہے۔'' جو ابا بی جان سناٹے میں آئی تھیں' انھوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ سوائے اس کے کہ ''عزیز میں نے آج تجھے کھو دیا۔ تیرے لوٹ آنے کی ہر آس کو توڑ دیا' اللہ تجھے مکافاتِ عمل سے کبھی نہ گزارے۔'' انھوں نے فون رکھ دیا تھا بلکہ عزیز کی بے اعتنائی نے ایسے ان کے دل کو خار خار کیا تھا کہ پھر اس دل میں کسی دھڑکن کو پناہ نہیں مل پائی تھی۔ کبھی کبھی انسان اپنی ذات کی خوشی میں اتنا خود غرض ہو جاتا ہے کہ اسے ہر رشتے سے ناانصافی کرنی پڑے تو نہیں چونکتا۔ وہ رشتے جو اسے جنم دیتے ہیں' وہ رشتے جو اس کے جنم جائے ہوتے ہیں۔ اسوہ سے شادی کے بعد عزیز نے اپنے تمام رشتے اس میں دیکھے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسوہ نے بھی وفا کی مورت ہونے کا حق ادا کیا تو غلط نہ ہوگا۔ وہ ایک اچھی مسلمان اور وفادار بیوی تھی لیکن جانے کہاں چوک ہوئی کہ وہ اچھی ماں نہ بن پائی۔ ان کی محبت نے ام خیر کو جنم دیا تھا۔ ان کی زندگی میں جیسے بہار آ گئی ہو۔ جانے کب یہ بہار خزاں میں بدل گئی کہ احساس تک نہ ہوا۔ پھر تو زندگی کے امتحان پلٹ پلٹ کے واپس لوٹے۔ موسم آتے گزر جاتے لیکن خزاں کے موسم کو تو جیسے ان کا انگنا بھا گیا تھا۔

''تم کیا جانو عزیز کہ اولاد کا دکھ کیا ہوتا ہے' اللہ نہ کرے تو کبھی اس دکھ سے گزرے۔'' بی جان اکثر فون پہ اسے کہتی تھیں اور وہ ہمیشہ سوچتا کہ اس نے تو ایسا کوئی دکھ نہیں دیا کہ بی جان یہ شکوہ کریں۔ وہ ہمیشہ بھول جاتا تھا کہ امریکہ جانے کے بعد اس نے کبھی پلٹ کے بھی نہیں دیکھا۔ انیس سال کی عمر میں وہ امریکہ آیا تھا۔ سال ہا سال گزرتے گئے لیکن اس نے اپنی صورت نہ دکھائی۔ کیا بدنصیب بیٹا تھا کہ ماں باپ کو ناں تو کندھا دے سکا' ناں ہی ان کا آخری دیدار کر پایا۔ دولت کمانے کے چکروں میں ایسا گھن چکر بنا کہ وہ بھول گیا کہ پاکستان میں دو آنکھیں ہمہ تن دروازے پر لگی اس کی منتظر رہتی ہیں۔ اس کی ماں کی ممتا اس کے لمس کے لیے تڑپتی ہے۔ بی جان نے اسے کبھی بددعا نہیں دی تھی لیکن ان کے دل سے نکلی ''آہ'' نے اس کا تعاقب ضرور کیا ہوگا۔ جیسے جیسے ام خیر بڑی ہوتی گئی' بے خبری میں نکلی بی جان کی ''آہ'' مکافاتِ عمل بن کے اس کا پیچھا کرنے لگی۔ ام خیر کی پرورش میں انھوں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اسے امریکن فیملیز سے دور رکھا جائے۔ اسوہ خود بے حد مذہبی تھی۔ اس کے باوجود ام خیر کو امریکہ کی ہوا لگنے سے وہ نہیں بچا پائی تھی۔ وہ حسن و نزاکت میں پوری ماں پہ گئی تھی۔ گولڈن گھنگھریالے بال' نیلی چمکدار آنکھیں' ستواں ناک' محرابی ہونٹ' صحرائی دار گردن' شفاف پیشانی' سڈول جسم جس نازک نشیلے انداز سے وہ بولتی' سامنے والا سحر زدہ ہو جاتا۔ صرف بارہ سال کی عمر میں جب وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گھر آئی تھی تو اسوہ نے اس پر ہاتھ اٹھانے سے دریغ نہیں کیا تھا۔ بجائے شرمندہ ہونے یا خوفزدہ

kutubistan.blogspot.com

ہونے کے اس نے باغی ہونے کا ثبوت اسوہ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آ کے دیا تھا۔ یہ انکشاف ان دونوں میاں بیوی کے رونگٹے کھڑے کر گیا کہ وہ پچھلے دو سال سے ڈرنک کر رہی ہے۔ اسوہ کی برداشت نے جواب دیا تھا۔ اس نے اسے بے تحاشا پیٹا۔ عزیز نے اس کا گھر سے نکلنا بند کر دیا۔

''ام خیر اپنے نام کی لاج رکھو' تم مسلمان ہو' روزِ قیامت اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گی۔'' اسوہ نے روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ ''واٹ ربش مسلم..... ہوز اللہ..... اس اللہ سے ڈراتی ہو مم جو دکھائی نہیں دیتا۔'' اس نے ہنستے ہوئے حقارت سے کہا تھا۔ عزیز اور اسوہ دنگ رہ گئے تھے۔

''خدا کے لیے ام خیر ہوش کرو۔'' عزیز نے نرمی سے کہا۔

''آئی ایم ناٹ ام خیر' آئی ایم اُما.....'' وہ جھومتے ہوئے بولی۔ 8th گریڈ کی اس لڑکی نے عزیز اور اسوہ کو پریشانی' دکھ اور حیرت کے گہرے سمندر میں غرقاب کیا تھا۔ تب پہلی بار عزیز کو پاکستان جانے کا خیال آیا۔ جوں جوں دونوں اسے نصیحت کرتے' وہ ان سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس چھوٹی سی عمر میں جب وہ پوری طرح بالغ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسوہ اور عزیز کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ وہ شارٹ اسکرٹ کے ساتھ منی بلاؤز کا استعمال کرتی کہ ہاتھوں کو جنبش دینے سے اس کے کمر کا دودھیا پن دکھائی دیتا۔ ام خیر نے امریکہ کے ہر قانون کا استعمال کیا تھا۔ ایک بار اسوہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ جواباً اس نے پولیس کو کال کرنا چاہی۔ عزیز نے ہاتھ جوڑ کے اسے ایسا کرنے سے روکا تھا۔ وہ اس قدر خود مختار ہو چکی تھی کہ ناں نرمی سے بہلتی ناں سختی سے سمجھتی۔

کہتے ہیں جن لوگوں کو عقل یا سمجھ کسی کے کہنے سے نہیں آتی' انھیں پھر تقدیر خود سمجھاتی ہے۔ ام خیر بھی ان لوگوں میں سے تھی' جسے اس کے ماں باپ سمجھ نہیں دے پائے تھے۔ لیکن جو ٹھوکر اسے قسمت نے لگائی تھی' ماں باپ کی بکواس باتیں اسے زندگی کا سرمایہ لگنے لگی تھیں۔ ایک ہی زخم اتنا گہرا تھا کہ ناں تو وہ آج تک بھر پایا تھا' ناں ہی اس کی تکلیف کم ہوئی تھی۔ ام خیر کے ساتھ ہوئے حادثے نے جہاں خود اس کی اپنی زندگی کی دیواریں ہلا دی تھیں' وہیں اسوہ کی زندگی بھی ڈھے گئی تھی۔ عزیز کو ایک ساتھ دو دکھوں سے گرنا پڑا تھا۔ عزیز از جان محبوب بیوی کی موت اور بیٹی کی زندہ لاش کو سنبھالنے کا دکھ۔ ام خیر کی بیماری سے لڑنا' اسے سنبھالنا' اس کو زندگی کی طرف لے کر آنا کس قدر مشکل تھا۔ کوئی اس کے دل سے پوچھ کر دیکھتا۔ چودہ سال کی بیٹی کو کیا روگ لگا تھا کہ عزیز کے اعصاب کو خود دیمک لگنے لگی تھی لیکن اپنی بیٹی کو سنبھالنے کے لیے اس نے اس دیمک کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کی مضبوطی' اس کی ہمت اس کا صبر تنہائی میں ایسا بکھرتا کہ وہ بلک بلک کے رو دیتا۔

پیڑ کو دیمک لگ جائے یا آدم زاد کو غم
دونوں کو ہی ہم نے امجد بچتے دیکھا ہے کم

☆☆

آج ابوظفر کی مہندی تھی۔ نیچے ہال کمرے میں سب ہی لڑکیاں ڈھولکی پیٹ کر ناں صرف اپنے نازک ہاتھوں کو لال کر رہی تھیں بلکہ کئی کے تو گلے بھی جواب دے چکے تھے۔ اتنے پُرفسوں ماحول میں ام خیر اپنے ماضی کی ہر ایک بات بھول چکی تھی۔ وہ گانوں میں ان کا ساتھ نہیں دیتی تھی لیکن ان کے ساتھ مل کر تالیاں ضرور بجا رہی تھی۔ دور کھڑے ابوذر نے اس کے پُراعتماد انداز کو محبت اور سکون سے دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ام خیر کو سامنے بٹھا کے دیکھے۔ عزیز نے بیٹی کو دیکھتے ہوئے اس کی کئی بلائیں لے ڈالی تھیں۔ جب سے وہ پاکستان آیا تھا' روز بی جان اور ابا کی قبر پر جا کے فاتحہ کرتے اور ان سے معافی مانگتے۔ ہم انسان بھی کیا ہیں' زندہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور مردہ لوگوں سے معافی مانگتے ہیں۔

چیٹا ککڑ بیڑے تے' کاسنی دوپٹے والی اے
منڈا عاشق تیرے تے' کاسنی دوپٹے والی اے

لڑکے لہک لہک کے گا رہے تھے۔ ام خیر کو ان کے گانوں کی رتی بھر سمجھ نہیں آ رہی تھی لیکن جب سب لڑکیاں کھلکھلا کے ہنستیں تو وہ بھی مسکرا دیتی۔ اتنے میں اس کے موبائل کی بپ ہوئی۔

''فاطمہ کالنگ۔'' ام خیر لیس کا بٹن پش کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عاصم اور ابوظفر جو اس کی بات کر رہے تھے' جی بھر کے بدمزہ ہوئے۔ اچانک ابوظفر نے عاصم کے کان میں کچھ کہا تھا۔ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنسے اور عاصم وہاں سے اٹھ آیا۔

''جی فاطمہ..... میں کروں گی فارغ ہو کے آپ کو کال..... او کے اللہ حافظ' سی یو لیٹر۔'' وہ جیسے ہی فاطمہ سے بات کر کے پلٹی عاصم کو اپنے پیچھے کھڑا پایا۔ وہ یکدم گھبرائی تھی۔ ''excuse me'' وہ کہتے ہوئے پاس سے گزر جانا چاہتی تھی۔ جب عاصم نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا۔ ام خیر کو کرنٹ لگا' وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔ اس نے گھبرا کے اردگرد دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ فاطمہ سے بات کرتے کرتے پچھلے برآمدے تک آئی تھی۔ برآمدے کے اس طرف کچن کی کھڑکی کھلتی تھی لیکن بدقسمتی سے اسے وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ اس کی رگوں میں خون منجمد ہونے لگا تھا۔

''میں کافی دیر سے تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔'' وہ کمینگی سے کہتا ہوا اس کے قریب ہوا۔ ام خیر کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

kutubistan.blogspot.com

"کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے....." وہ ہمت کر کے بولی۔ حالانکہ اس وقت وہ جن حالات سے گزر رہی تھی' یہ وہی جانتی ہے..... "آئی وانٹ ٹو میری ودیو....." عاصم بے حد سکون سے کہتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔ ام خیر کی آنکھیں حیرت اور تحیر سے پھٹی تھیں۔ وہ اسے تقریباً دھکیلتے ہوئے وہاں سے بھاگی تھی۔ عاصم آوازیں دیتا اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ سیڑھیوں تک پہنچی تھی جب عاصم نے لپک کے اس کا بازو پکڑا۔ "کچھ کہا ہے میں نے تم سے....." وہ بلاوجہ حق جماتے ہوئے رعب سے بولا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا....." ام خیر بے حد زور سے چلائی۔ عاصم نے خوفزدہ ہو کے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اردگرد دیکھنے لگا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"چلاؤ مت....." عاصم نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔ "پلیز عاصم جانے دو مجھے....." وہ روہانسی اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی۔ عاصم کو اس کی کم اعتمادی اور کنفیوژن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ مکمل طور پر اس پر حاوی ہو جانا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ ابوظفر کے پاس سے اس نیت سے اٹھ کے نہیں آیا تھا لیکن ام خیر کو دیکھ کر اس نے سارے پلان کو از سر نو ترتیب دیا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ام خیر کا ہاتھ پکڑا۔ ہزار ضبط سے بھی ام خیر خود کو روک نہیں پائی تھی۔ اس نے بنا لحاظ کے اک زوردار تھپڑ عاصم کو مارا اور جھٹکے سے اسکی کمزور گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا کے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ بے دھیانی میں وہ کسی سے ٹکرائی تھی لیکن آنکھوں میں چھائی دھند نے سارے منظر دھندلا دیئے تھے۔ عاصم نے غصے اور بے بسی سے سیڑھی کو ٹھوکر ماری اور اوپر دیکھا' دوسرے ہی لمحے وہ نظر جھپکنا بھول گیا تھا۔ اس کا سارا پلان اس پر آن گرا۔ وریشہ نے روتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے سنے بنا' وہاں سے بھاگی تھی۔ عاصم نے بے بسی سے سر تھام لیا' وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر آنے والے حالات کو ترتیب دینے لگا۔

☆☆

شادی آئی اور آ کے گزر گئی۔ اس واقعے کا ایک طرف ام خیر کو شدید ذہنی دھچکا لگا تھا۔ عزیز اور ابوذر نے اسے مشکلوں سے سنبھالا دیا تھا۔ دونوں ہی اس کی حالت کی وجہ جاننے سے قاصر تھے۔ دوسری طرف وریشہ تھی جس نے ایک ایک دن' ایک ایک لمحہ شادی کو یادگار بنانے کا ارادہ کیا تھا' اس کے سارے پلان اس طرح مسمار ہوئے کہ ناں اسے اپنے خواب بچانے کا موقع ملا' ناں اپنا اعتبار اور ناں ہی رشتہ بچا پائی۔ وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔ بار بار عاصم' ام خیر کا ہاتھ تھامے اس کے سامنے آن کھڑا ہوتا۔ ام خیر کی بھیگی پلکیں۔

"کیا کیا ہوگا عاصم نے اس کے ساتھ؟" اس کا دل دھک سے رہ جاتا۔ دل جیسے پتھر کا ہو گیا تھا

جس میں نہ کوئی جذبہ باقی رہا تھا ناں ہی کوئی دھڑکن' اگر کوئی اور اسے یہ سب بتاتا تو وہ کبھی بھی یقین نہ کرتی' اسے خود سے زیادہ عاصم پر بھروسہ تھا لیکن سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کوئی بھی شک کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سارے بھروسے' سارا مان منوں مٹی جا گرا تھا۔ "عاصم نے ایسا کیوں کیا؟" ایک ہی سوال رہ رہ کے اس کے دل سے نکلتا۔ آنسوؤں نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ خون بن کے دل پر گریں گے۔ دوبارہ کسی بھی رسم میں اس کا سامنا عاصم سے نہیں ہوا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اس نے عاصم کو موقع نہیں دیا تھا۔ وہ گریزاں تھی اس سے۔ اس نے بڑی دقتوں سے ایک فیصلہ لیا تھا..... جیسے ہی شادی کے ہنگامے سرد پڑے' ابوظفر اور وردہ ہنی مون پہ ورلڈ ٹور چلے گئے۔ سب کچھ اپنی روٹین پر آ گیا' سوائے وریشہ کے ٹوٹے سپنوں کے۔

آج وہ بہت دنوں بعد بڑے چچا کے پورشن میں جا رہی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ زلیخا واپس جا رہی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی اسے وہاں جانا پڑا۔ اتفاق تھا کہ اس کا پہلا سامنا عاصم سے ہوا۔ "وریشی....." وہ اسے وریشی کہہ کے پکارتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت' جب وریشہ کا موڈ اس کی کسی بات سے آف ہوتا۔ وریشہ ان سنی کرتی قریب سے گزر جانا چاہتی تھی۔ جب وہ تیزی سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ناراض ہو مجھ سے....." وہ بنا تسمیہ کے پوچھ رہا تھا۔ اس کے بھولپن سے وریشہ سر تا پیر جل اٹھی۔ اس نے نخوت سے اس کی جانب دیکھا۔

"وریشی تم نے جو دیکھا ایسا کچھ نہیں ہے میں تو....."

"میں نے تم سے صفائی نہیں مانگی....." وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے اس قدر سرد لہجے میں بولی کہ عاصم منجمد ہو کے رہ گیا۔ "میں صفائی نہیں دے رہا کلیئر کر رہا ہوں....." اس نے اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے غلط سمجھا تھا عاصم..... لیکن اب سمجھ گئی ہوں۔" وریشہ نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ عاصم بے بس ہو کے رہ گیا۔

"ایک موقع دو وریشی....." وہ منت سے بولا۔ "اتنا سب کچھ صفائی سے دیکھنے کے بعد ایسا کچھ باقی نہیں ہے کہ میں..... مجھے تمہاری صفائی کی ضرورت پڑے....." اس کے کاٹ دار لہجے میں نمی تھی۔

"تم....." عاصم زچ ہوا۔

"جن رشتوں کی بنیادیں کھوکھلی ہوں انھیں ڈھے جانا چاہیے....." وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "تم ہوتی کون ہو فیصلہ کرنے والی.....؟" وہ ہتھے سے اکھڑا۔

"کوئی بھی نہیں' اس لیے تو کہا کہ اس رشتے کو یہیں ڈھا دو....." وہ کہہ کے رکی نہیں تھی۔ عاصم بے

kutubistan.blogspot.com

بسی سے اسے جاتا دیکھنے لگا۔ اس کی اک کمینگی نے اسے کس امتحان میں ڈال دیا تھا۔

بہت جلد سب کزنز میں یہ بات پھیل گئی کہ عاصم اور وریشہ کی لڑائی ہوئی ہے۔ سب نے دونوں سے وجہ جاننے کی کوشش کی لیکن دونوں ہی ڈھیٹ بنے گریزاں رہے۔ یہ بات ام خیر تک بھی پہنچی تھی اور اسے جاننے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان کے درمیان وجہ تنازع کیا بات ہوئی ہے؟

☆☆

اسکن ٹائٹ شرٹ کے ساتھ بے حد شارٹ سکرٹ پہنے اک لڑکی تارکول کی سڑک پر چل رہی تھی۔ اس کی سڈول پنڈلیاں' چاند کی مدھم روشنی پڑنے سے اور بھی حسین لگنے لگی تھیں۔ کانوں میں ہیڈ فون لگائے وہ انگلش گانا سن رہی تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار ڈوبتے چاند کی طرف اٹھ جاتیں۔ وہ اور بھی مست ہو کے جھومنے لگتی۔ اک نگاہ اس نے اکا دکا ٹریفک پر ڈالی اور پھر گنگناتے ہوئے چلنے لگتی۔ چاند کی آخری تاریخیں چل رہی تھیں۔ ہمیشہ سے ہی اسے زرد پڑتا ڈوبتا چاند اپنی طرف متوجہ کرتا۔ رات کے دو بج رہے تھے اور سڑک تقریباً سنسان تھی۔ وہ ابھی "3XY COUPLE CLUB" سے آ رہی تھی۔ آج رابرٹ کی برتھ ڈے تھی اور اس نے سب دوستوں کو اس کلب میں انوائیٹ کیا تھا۔ آج سب اس قدر مست تھے کہ ٹائم گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ اب دو بجے وہ کلب سے باہر نکلی تو چاند کا مدہوش حسن اسے اپنی جانب متوجہ کرنے لگا۔ گھر زیادہ دور نہ ہونے کی وجہ سے اس نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن چل رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی نظر ڈوبتے چاند پر پڑتی تو اس کے ماند پڑتے حسن کو دیکھ کر اس کی گنگناہٹ میں تیزی آنے لگتی۔ اچانک اسے اپنے پیچھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے ذرا کی ذرا مڑ کے دیکھا۔ سڑک شفاف اور خالی تھی۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ چلنے لگی۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ وہی احساس اسے دوبارہ ہوا۔ اب کی بار بھی سڑک خالی تھی لیکن وہ گھبرا گئی تھی۔ اس نے کانوں سے ہیڈ فون اتارا اور تیز قدم چلنے لگی۔ ہلکی ہائی ہیل کی وجہ سے وہ زیادہ تیز چل نہیں پا رہی تھی۔ اچانک کسی آہنی وجود نے اسے اپنے شکنجے میں لے لیا۔ ''رابرٹ!'' اسے تھامنے کا یہ انداز اسی کا تھا۔ اس لیے وہ بنا دیکھے بولی۔ ''واٹ آر یو ڈوئنگ پیٹر.....'' اس نے گھوم کے اپنا منہ اس کی جانب کیا۔ اس کا نازک نشیلا بدن ابھی تک رابرٹ کی بانہوں میں تھا۔ وہ دونوں سڑک کے درمیان میں کھڑے تھے۔

''تمھاری یاد ستائی تھی.....'' اس نے ایک ہاتھ سے اس کی کمر تھام رکھی تھی اور دوسرا ہاتھ اس کے چہرے پر رینگنے لگا۔ لڑکی کھلکھلا کے ہنسی تھی۔

''ویل.....وائے۔'' وہ پُرشوق نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میرے اپارٹمنٹ میں چلو گی.....'' اس کا ہاتھ اس کی گردن سے ہوتا کمر تک آیا تھا۔ اب کی بار لڑکی نے ٹھٹک کے اس کے انداز نوٹ کیے۔ اس کی چھٹی حس نے غلط ہونے کا الارم دیا۔ اس نے خود کو رابرٹ کے شکنجے سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔

''نو مائی ڈارلنگ! کم ود می آن مائی بیڈ۔'' اس کا لہجہ خمار آلود تھا۔ لڑکی کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ اسے لگا وہ اب خود کو نہیں بچا پائے گی۔ تب ہی اس نے پینترا بدلتے ہوئے رضامندی کا اظہار کیا اور خود کو رابرٹ کے شکنجے سے آزاد کروا لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر توڑ کر بھاگی تھی۔ ڈوبتا چاند اس کی جھولی میں آن گرا۔ وہ داغدار نہیں ہوئی تھی لیکن داغ لگنے کی کوشش میں ذلت اور رسوائی اس کے حصہ آئی تھی۔ اس نے کبھی خود کو بے داغ نہیں سمجھا تھا۔ ادھوری شرٹ کے ساتھ وہ پوری سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ اس نے اپنے پیروں کو بھاگتے ہوئے جوتوں سے آزاد کر دیا تھا۔ وہ شخص جسے وہ ہمیشہ اپنا دوست' غمگسار سمجھتی تھی' وہ اسے سب سے بے اعتبار کرنے پر تلا تھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ تھکنے لگی تھی۔ اس کا آبرو ریز اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہ لاکھ بری سہی لیکن اس نے کبھی اپنی عزت کے ساتھ سمجھوتا نہیں کیا تھا۔ اس کی تمام دوستیں اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ رات گزارتی تھیں لیکن وہ ہمیشہ اس بات کے خلاف رہی تھی۔ اور آج رابرٹ اس کی عزت کی دھجیاں اڑانے کو اس کی منڈیر پر آ بیٹھا تھا۔

''اے اللہ میری مدد کر.....'' اس نے زندگی میں شاید پہلی بار اللہ کو پکارا تھا۔ دل سے' روح کی گہرائیوں سے اس نے اللہ کو پکارا تھا۔ جب یقین کامل ہو' پکار میں تڑپ ہو' تو عطا کرنے والا منہ کیسے پھیر سکتا ہے۔ اگر اس نے اللہ کو یقین کے ساتھ مدد کے لیے پکارا تھا تو خدا نے بھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ امام مسجد سے ٹکرائی تھی۔ اسے یوں بے لباس دیکھ کر اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہوئی تھی۔ رابرٹ اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ امام مسجد کو معاملہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ انھوں نے اپنا عبایا اتار کے لڑکی کو اوڑھایا۔ رابرٹ اس کے قریب کسی کو دیکھ کر الٹے قدموں بھاگا تھا۔ کیونکہ وہ موبائل نکال کر پولیس کو کال کر رہے تھے۔ امام مسجد نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ وہ اسے لیے اپنے گھر لے آئے۔

''فاطمہ.....'' انھوں نے کسی کو پکارا۔ ''جی.....'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی کچن سے نکلی تھی۔ ''اسے اپنا لباس دو.....'' وہ کہہ کے باہر نکل گئے۔ فاطمہ نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ لڑکی کو لیے اپنے بیڈ روم میں گئی۔ الماری میں سے ہینگ شدہ لانگ اسکرٹ نکال کے اسے دی اور باتھ روم میں بھیج کر باہر بیٹھ گئی۔ شاور کھولتے ہوئے وہ بے تحاشا روئی تھی۔ اپنی بے بسی اور رابرٹ کی بے وفائی پر۔ وہ رابرٹ

kutubistan.blogspot.com

سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن رابرٹ اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ باہر نکلی تو فاطمہ اس کی منتظر تھی۔ فاطمہ تیس، بتیس برس کی ایشیائی عورت تھی۔ اس نے لانگ اسکرٹ کے ساتھ سر پر اسکارف باندھ رکھا تھا۔ فاطمہ نے اپنا ایک اسکارف اس کی جانب بڑھایا جسے لڑکی نے گلے لگا لیا۔

''تمھارا نام کیا ہے.....؟'' فاطمہ کچھ کچھ معاملہ سمجھ چکی تھی، اب وہ محبت سے اسے اپنے پاس بٹھائے پوچھ رہی تھی۔ لڑکی نے متورم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ ''اوما.....ام خیر.....'' وہ کہتے ہوئے رو دی۔ فاطمہ تاسف اور بے چارگی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆

یہاں کی زندگی جتنی مصروف اور خاموش ہے، اتنی ہی باہوش بھی ہے۔ بے شک سڑک پر چلنے والے لوگ ایک دوسرے سے انجان ہوتے ہیں لیکن وہاں کی دیواریں اور سڑکیں اپنے گزرنے والوں سے انجان نہیں ہوتیں۔ اگر امریکہ کا کرائم سسٹم بے تحاشا ہے، تو اسے کور کرنے والے ہاتھ بھی لمبے ہیں۔ اگلے دن ہر نیوز چینل نے ام خیر کے ساتھ ہونے والے واقعے کو اپنی نیوز اسکرین پر دکھایا تھا۔ کیمرے کی آنکھ نے چشم دید گواہ ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ مجرم پکڑا گیا تھا۔ اسے سزا بھی ہوئی تھی لیکن جو کچھ ام خیر کا کھویا تھا۔ اس کی ناں تو تلافی ہو سکتی تھی، نہ اسے وہ سب کچھ مل سکتا تھا۔ اس کی ذہنی حالت بری طرح ڈیمیج ہوئی تھی۔ اسے ہسٹریا کے اٹیک ہونے لگے تھے۔ جس وقت اسے اٹیک ہوتا، اس کی ذہنی حالت ناقابل برداشت ہوتی۔ اسوہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگتی۔ عزیز اسے تسلی دیتے دیتے خود بھی بکھر جاتا۔ چودہ سال کی بیٹی، جس نے اپنے لڑکپن کو خیر باد بھی نہیں کہا تھا، اپنی من مانیوں سے کس حال میں پہنچ گئی تھی۔ شروع کے چند ماہ عزیز اور اسوہ مل کر اسے سنبھالتے۔ پھر اسوہ کی بے وقت موت نے عزیز کی ہر ڈھارس چھین لی۔ وہ بے اختیار اپنے رب سے شکوہ کر بیٹھے۔ عزیز از جان محبوب بیوی کی بے وقت موت نے انھیں نڈھال کر دیا تھا۔ شاید وہ کبھی اس دکھ سے ابھر نہ پاتے لیکن خود سے زیادہ ام خیر کو ان کی ضرورت تھی۔ عزیز نے خود کو سنبھالا تھا۔ آپ اپنا سہارا بن کے ام خیر کو سہارا دیا تھا۔ اسوہ کی بے وقت جدائی کو انھوں نے تنہائی میں رویا تھا۔ چار سال ام خیر کی بیماری سے تنہا لڑے تھے۔ اسے زندگی کی طرف لانا جان جوکھوں کا کام تھا۔ وہ اپنے سائے سے بھی خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ فاطمہ نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہی باتیں جو اسوہ اسے سمجھاتی اور وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔ فاطمہ کے منہ سے سن کر وہ گھنٹوں روتی۔ وقت واپس آ سکتا تو یقیناً وہ گزرے وقت کو واپس لے آتی۔ فاطمہ سے ہی اس نے قرآنِ پاک پڑھنا سیکھا تھا۔ اپنی اسکولنگ دوبارہ شروع کی تھی۔ جتنی دیر وہ اسکول میں رہتی، فاطمہ

اور عزیز سے اس کا رابطہ رہتا۔ چار سالوں میں اس کی حالت بہتر تو نہیں، البتہ کافی حد تک سدھر گئی تھی۔ فاطمہ اور ڈاکٹر مائیکل کے کہنے پر ہی عزیز نے پاکستان جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کے خیال میں آب و ہوا کی تبدیلی ام خیر پر بہتر اثر ڈالے گی۔ ام خیر جو عام حالات میں پاکستان جانے کا سن کر آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔ آج چپ چاپ جانے کو تیار تھی۔ ان رشتوں کے ادھورے پن کو مکمل کرنے پاکستان آئی تھی۔ جن کی کمی اس نے اپنی اٹھارہ سالہ زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ انسان تنہا تو زندگی گزار سکتا ہے۔ لیکن رشتوں کے بنا وہ ادھورا ہوتا ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں، وہ تنہا زندگی گزار سکتے ہیں۔ اصل میں وہ قنوطیت پسند یا پھر نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔

لوگ امریکہ کو آئیڈیلائز کرتے ہیں لیکن بظاہر یہ ترقی یافتہ ملک حقیقت میں کتنا متزلزل ہے، یہ صرف وہی جان سکتے ہیں جن پر بیتی ہے۔ صرف رہن سہن دیکھ کر تہذیب یافتہ ہونے کا لقب دینا تہذیب، کے ساتھ ناانصافی ہے۔ افسوس بظاہر مہذب اور ویل مینرڈ لوگ اندر سے وحشی، درندے اور شدت پسند ہوتے ہیں جو اپنے اندر کی وحشت کو دور کرنے کے لیے ''عورت'' کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے پاس رشتے نہیں ہوتے لیکن اندر کے انسان کا اکیلا پن دور کرنے کے عورت کا ''قرب'' مانگتے ہیں۔ مانا کہ مٹی کے اس لوتھڑے میں اللہ نے اٹریکشن رکھی ہے، لیکن لوگ ''عورت'' کو ''یوز'' کرنے کا سامان سمجھتے ہیں، ام خیر کے اندر گھٹن بڑھنے لگی تھی۔

☆☆

''آج تو تمھیں بتانا پڑے گا کہ تم چاہتی کیا ہو، کیوں چاچو کی زندگی کو موت سے بدتر کر رہی ہو۔'' ابوذر ام خیر کی بگڑتی حالت کو نظر انداز کیے درشتی سے پوچھ رہا تھا۔ ام خیر نے بے چارگی سے باپ کی جانب دیکھا تو عزیز نظریں چرا گیا۔

''چاچا جان آپ گھر جائیے، آج یہ یہیں رہے گی، جب تک مجھے وجہ نہیں بتاتی.....'' اس نے کنپٹیوں کو مسلتے ام خیر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ابوذر نے جان بوجھ کر عزیز کو منظر سے ہٹایا۔ ام خیر فوراً بچوں کی طرح باپ سے لپٹی تھی۔ عزیز نے اک بے بس نگاہ ابوذر پر ڈالی۔ ابوذر نے انھیں آنکھوں سے تسلی دی اور جانے کو کہا۔ اس نے ام خیر کو عزیز سے علیحدہ کیا۔ ''نو ڈیڈ.....'' وہ رو دینے کو تھی۔

"You will stay here till then you will not tell me what the problem is with you."

اس نے سختی سے ام خیر کو کرسی پر بٹھایا اور ٹیبل پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''ابوذر مجھے گھر جانا ہے.....''

kutubistan.blogspot.com

وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

''اوکے چلتے ہیں پہلے 'ویمن ڈے' کے لیے آرٹیکل لکھنے میں میری مدد کرو۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولا۔ ''تم کیا سمجھتی ہو کیا عورت واقعی میں قید ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسے کس طرح کی آزادی ملنی چاہیے.....'' ام خیر کو ابوذر کا سوال تازیانے کی طرح لگا۔ کتنے ہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ کے گزر گئے۔ وہ ہولے ہولے کانپنے لگی تھی۔ ابوذر اس کی حالت کو محسوس کر سکتا تھا۔

''میرے خیال میں عورت کو چار دیواری تک محدود نہیں رہنا چاہیے' مردوں کے مقابلے میں.....''

''جسٹ شٹ اپ.....'' ام خیر اس کی بات کاٹتے ہوئے پوری قوت سے چیخی تھی۔

"Nothing is Haquq-e-Niswan, its way to women" وہ پھٹ پڑی۔

ابوذر کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔

''ایسا تو نہیں ہے.....'' ابوذر بھی گھاگ کھلاڑی تھا۔ ''چار دیواری عورت کے لیے قید خانہ نہیں بلکہ اس کی عزت کا تحفظ ہے' اگر آج کی عورت لٹی جا رہی ہے تو صرف آزادی کے نام پر' حقوقِ نسواں کا نعرہ لگا کے عورت کا بیڑہ غرق کرتے ہیں یہ لوگ' میں چار سالوں سے حقوقِ نسواں کے معانی ڈھونڈ رہی ہوں۔ یو نا ؤ ابوذر یہ حقوقِ نسواں کے نام پر اصل میں عورت پر مکمل گھریلو اور معاشی ذمہ داریاں ڈال دی گئی ہیں۔ عورت کو بے راہ روی کا شکار کر رہے ہیں..... یہ آزادی وزادی کچھ نہیں۔ اصل میں یہ سارا کھیل وہ اپنی تسکین کے لیے رچاتے ہیں۔'' وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔ ''بتاؤ مجھے اگر مرد اور عورت کی آزادی اور حقوق کے مفروضے برابر ہیں تو پھر ریپ صرف عورت کا ہی کیوں ہوتا ہے۔ مجھے کوئی حقوقِ نسواں کی حمایت کرنے کو کہے تو میں چلا چلا کے اس کے خلاف جاؤں گی' ہم عورتیں آزادی کے جھانسے میں لٹی جاتی ہیں' عورت تو اس میٹھی چیز کی مانند ہے جسے اگر ڈھانپ کر رکھا جائے تو ہی وہ ٹھیک رہتی ہے۔ اگر اس پر سے پردہ ہٹا دیا جائے تو مکھیوں کی بھنبھناہٹ اس چیز کو خراب کر دیتی ہے۔ عورت اس وقت تک آزاد ہے جب تک وہ گھر کی چار دیواری میں محفوظ ہے۔'' ابوذر حیرانگی' محبت اور توجہ سے اس پان دھان کی لڑکی کو سن رہا تھا۔ جس کے پاس اس کی عمر سے زیادہ تجربہ تھا۔ ٹھوکریں انسان کو وقت سے پہلے سمجھدار کر دیتی ہیں۔ کون کہتا ہے کہ سمجھدار ہونے کے لیے بالوں میں سفیدی کا اترنا ضروری ہے۔ عمر سے زیادہ تجربہ انسان کو سمجھداری عطا کرتا ہے۔

''مم' ڈیڈ کی بدنصیبی کہ انھیں میرے جیسی بیٹی ملی.....'' وہ حقوقِ نسواں سے خود تک آئی تھی۔ جذبات کی رو اسے ابوذر کے سامنے خود کو بکھیرنے سے روک نہیں پائی۔ اب وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ ''میں نے

کبھی اپنے مم' ڈیڈ کو سکھ نہیں دیا۔ میں بہت بُری بیٹی ہوں۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ابوذر نے اسے رونے دیا تھا۔ اپنے آنسوؤں کے دوران ہی اس نے اپنے "Attempt Rape" کا واقعہ ابوذر کو سنایا۔ ابوذر کی رگیں تن گئی تھیں۔ سب کچھ پہلے سے جانتے ہوئے بھی وہ کرب میں مبتلا ہوا۔ وہ اسے تسلی بھی نہ دے سکا۔ ''مجھے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔ میں ایسا جان بوجھ کے نہیں کرتی لیکن میرا الوژن مجھے زندگی جینے نہیں دیتا۔ مجھے لگتا ہے میں اگر کسی پر اعتبار کروں گی تو وہ مجھے پامال کر دے گا۔ ابوذر میں زندگی کو نارمل لوگوں کی طرح گزارنا چاہتی ہوں' لیکن باوجود کوشش کے ایسا نہیں کر پاتی۔ اگر مجھے ڈیڈ کی فکر نہ ہو تو میں اک گناہ اور کر لوں..... خودکشی کا۔'' ابوذر نے خوفزدہ ہو کے اسے دیکھا۔ ام خیر کے چہرے پر اذیت اور کرب کے جھکڑ چل رہے تھے۔ ابوذر کو اس پر ترس آنے لگا۔ اس نے قریب پڑے گلاس میں پانی ڈال کر اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے گلاس تھام تو لیا لیکن پانی پینے کی بجائے اسے میز پر رکھ دیا۔

''ابوذر آزادی صرف اتنی ملے جس میں عزت جانے کا احتمال نہ ہو۔'' ام خیر کے لہجے میں پچھتاوا اور ملال نمایاں تھا۔ ''ان چار سالوں میں بے تحاشا بار میں نے اللہ سے معافی مانگی ہے لیکن اللہ مجھے معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔'' وہ بے بسی سے رو دی۔

''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اللہ نے تمھیں معاف نہیں کیا.....'' ابوذر پہلی بار اس کی بات میں بولا۔

''مجھے سکون نہیں ملتا.....'' وہ سسکی۔

''یہ تو کوئی جواز نہیں.....'' ابوذر نے اس کی بات کی نفی کی۔ ''فاطمہ بھی کہتی ہیں کہ میرا جواز غلط ہے۔ خدا اپنے بندوں کو ان کی ہمت اور حوصلے سے زیادہ نہیں آزماتا۔ اپنے گناہ پر' اپنی غلطی پر جو پچھتائے اس کو سدھارے یہی اس کی معافی ہے..... اللہ معاف کرنے والے کو پسند کرتا ہے اور معاف کرنا اس کی ادا ہے' اپنے دل سے یہ ڈر نکال دو کہ اللہ نے تمھیں معاف نہیں کیا۔ دلوں کے بھید اللہ جانتا ہے..... وہ تمھاری شہ رگ سے زیادہ تمھارے قریب ہے۔ تمھاری صاف نیتی کو وہ تم سے بہتر جانتا ہے۔ سوائے شرک کے ہر گناہ کی معافی ہے..... تم معافی مانگو ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمھیں معافی نہ ملے۔'' ابوذر اسے محبت سے سمجھا رہا تھا۔ ''یہ جو تمھیں بے سکونی ہے' اس لیے نہیں کہ اللہ نے تمھیں معاف نہیں کیا۔ بلکہ اس لیے کہ تم اس حادثے سے خود کو ابھار نہیں پاتی..... حضرت عمر اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ وہ اپنے گھر سے (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ دوسری جانب نبی کریم ﷺ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ ابوجہل اور عمر میں سے جس کو چاہے مجھے سونپ دے۔ اللہ نے اپنے محبوب کی دعا قبول کی اور عمر فاروق جو گھر سے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے'

kutubistan.blogspot.com

انھوں نے آپؐ کے پاس آ کے اسلام قبول کرلیا۔ صرف ایک لمحہ لگا تھا انھیں ہدایت ملنے کا' ان کے دل سے مہر ہٹ گئی تھی۔ اک وقت آیا تھا کہ حضرت عمر فاروق اسلام کے بڑے دیوانے تھے۔ اسلام کے نام پر کٹ جانے کو تیار رہتے تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ عمر جو اسلام کا دشمن تھا' اسلام کا اک روز دیوانہ ہوگا۔''

ابوذر کے لفظ امرت کی طرح ام خیر کے اندر اتر رہے تھے۔ ''تمھیں بھی اللہ نے موقع دیا ہے' خود کو سنوارنے کا' پچھتاووں میں گر کے خود کو برباد کرنے کی بجائے اپنی ہدایت کو استعمال کرو۔'' ابوذر ہولے سے مسکرایا۔ ام خیر کے اندر تک سکون اترا تھا۔ وہ ہلکی پھلکی سی ہوگئی تھی۔

''ابوذر کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ حقوقِ نسواں کے نعرے بس وہاں لگیں جہاں اس کی ضرورت ہو۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولی۔ ابوذر اس کے لفظوں کا اعتماد محسوس کرسکتا تھا۔ ''بہت مشکل ہے کہ ہم میڈیا کو روکیں' آج کی عورت اس قدر خود کو باشعور سمجھتی ہے کہ اپنے حقوق کا ناجائز فائدہ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ حالانکہ اسلام نے عورت کو ''حقوقِ نسواں'' کے اس انگریزی نعرے سے زیادہ حقوق اور آزادی دی ہے لیکن وہ کیا ہے ناں کہ ہمیں ہر چمکتی چیز سونا لگتی ہے۔'' ابوذر نے گہرا سانس لیا۔ ''اٹھو چاچو ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ابوذر م کہتی تھیں کہ اگر مرد اپنے وقت کا یوسف اور عورت زلیخا ہو تب بھی ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ پھر عورتیں غیر محرم پر یقین کیوں کرتی ہیں؟'' وہ یونہی بیٹھی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے ابوذر کی اپنی ہارٹ بیٹ میں ہوئی تھی۔ ''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ ایسا تب ہوتا ہے جب مرد یا عورت میں سے کوئی ایک یا دونوں نفس کے کمزور یا غلام ہوں۔ "Now lets go my innocent cousine" ان باتوں پر بحث کرنے کا مطلب.....

ہاتھ الجھے ہوئے ریشم میں پھنسا بیٹھے ہیں
اب تو ہی بتا کس دھاگے کو جدا کس سے کریں

اس نے باہر جاتے ہوئے شعر پڑھا۔ ام خیر نے ناسمجھی سے شعر پر غور کیا اور اس کے پیچھے ہولی۔

☆☆

وقت کے لگائے کسی بھی گھاؤ سے آپ کی زندگی کی گھڑیاں رک نہیں جاتیں۔ زندگی کا کام چلنا ہے جب تک وہ خود نڈھال ہو کے گر نہیں جاتی۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

لوگ بھی دنیا کے عجیب ہیں۔ کوئی آزادی مانگتا ہے تو کوئی آزادی کے خلاف نعرہ لگاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ''جس تن لاگے وہی جانے'' تو غلط نہ ہوگا۔ جن عورتوں کو آزادی میسر نہیں' جو اپنے ٹیلنٹ اور ذہانت کو پابندیوں میں قید کر کے زنگ آلود کر رہی ہیں' ان کے لیے ''حقوقِ نسواں'' کا نعرہ امرت سے کم نہیں۔ جو عورتیں حقوقِ نسواں کے نام پر پامال ہوتی ہیں۔ ان کے لیے یہ نعرہ زہر سے بھی زیادہ کڑوا ہے۔ زندگی ہر انسان کی اپنی' زندگی گزارنے کے سب کے ڈھنگ بھی نرالے۔ ضروری نہیں کہ جو چیز آپ کو فائدہ دے رہی ہے وہ دوسرے کو بھی فائدہ دے۔ ناں یہ ضروری ہے کہ جو چیز آپ کے لیے نقصان دہ ہے' وہ دوسروں کے لیے بھی ہو۔ بات تو صرف سمجھنے کی ہے۔ حقوق ضرور مانگیں لیکن صرف ذات کے' کردار کے نہیں' ماڈرن ازم کے چکروں میں پڑ کے سوائے ذلالت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ کہانی ختم ہوجاتی ہے لیکن کچھ کردار ہمیشہ زندہ رہتے ہیں جو اپنی کہانیاں آپ بناتے ہیں۔ جب تک دنیا ہے' کردار مرتے رہیں گے' کہانیاں جنم لیتی رہیں گی۔

☆☆

عزیز کو پاکستان آئے پانچ ماہ ہو چکے تھے۔ ام خیر مکمل طور پر سنبھل گئی تھی۔ اس سب میں ابوذر نے سب سے اہم کردار ادا کیا تھا۔ عزیز ابوذر کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔ سب سے اہم بات جو ہوئی تھی' وہ ابوذر کے دل کے خالی تخت پر ام خیر کے قابض ہونے کی تھی کہ خود ابوذر کو بھی احساس تک نہ ہوا۔ اس کا دل اظہار کرنے کو چاہنے لگا تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ محبوب کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے دل کا حال بیان کرے اور پھر اس کے چہرے کے رنگوں سے اپنی محبت کی داستان تخلیق کرے۔ لیکن ناں تو ایسا موقع ام خیر نے دیا تھا اور ناں ہی وہ خود ہی ہمت کر پایا تھا۔ دوسری جانب عاصم اور وریشہ کے درمیان دو ماہ گزرنے کے بعد بھی کشیدگی ہنوز قائم تھی۔ ام خیر نے دونوں کے درمیان غلط فہمی کو دور کرنے کی ٹھانی تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد وہ عاصم کے پاس گئی۔ اس کا دل ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ابوذر اعتماد بن کے اس کے اندر اترا تھا۔ اس کی ہمت اور حوصلہ بنا تھا۔ ابوذر کے نام پر ہی اس کے اندر کلیاں سی کھلنے لگیں۔ اپنی اس تبدیلی پر وہ خود بھی حیران تھی۔ ٹوٹی اعتماد کی دہلیز پر ابوذر جو اعتبار کی چوکھٹ تعمیر کی تھی تو پھر کیوں ناں وہ خود پر نازاں ہوتی۔ اس نے ہولے سے دروازہ بجایا۔

''یس.....'' عاصم کی آواز پر وہ اندر چلی آئی۔ اسے دیکھتے ہی عاصم کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں نمایاں ہوئی تھیں۔ وہ جو نیم دراز تھا' اٹھ بیٹھا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے.....'' اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ عاصم نے شعلہ بار آنکھوں سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

اسے دیکھا۔ ''کیوں.....؟'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑا۔ ''آپ وریشہ سے خفا کیوں ہیں.....'' وہ بنا تمہید کے بولی۔ ''یہ ہم دونوں کا ذاتی مسئلہ ہے' تم استادی مت لگاؤ۔'' وہ پھاڑ کھانے کو تھا۔

''میں عقل مند نہیں ہوں عاصم بھائی۔'' بھائی کا لفظ بے اختیار نکلا تھا لیکن اس لفظ نے اس کے اندر اعتماد کو اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔ ''ناں وریشہ سے میرا محبت کا رشتہ ہے لیکن وہ مجھے اچھی لگتی ہے' سب سے الگ اور گریٹ' اسے مزید تکلیف مت دیں ناں خود کو..... آپ کے درمیان جو غلط فہمی ہے اسے دور کریں۔'' وہ بے حد مان سے بولی تھی' جیسے عاصم اس کی بات مان لے گا۔ خلاف توقع عاصم کچھ نہیں بولا۔ حالانکہ وہ پچھلے دو ماہ سے اس لڑکی سے مسلسل نفرت کر رہا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کے اور ابوظفر کے درمیان اچانک ہی ام خیر کے غرور کو توڑنے کی شرط لگی تھی۔ سارا پلان ابوظفر نے تیار کیا تھا لیکن اچانک ہی عاصم کی نیت میں اس کی نیشنلٹی کا فتور آیا تو اس نے پلان میں ترمیم کر لی۔ ابوظفر اس امریکہ پلٹ کا غرور توڑنا چاہتا تھا تو عاصم اسے سیڑھی بنا کے امریکہ جانے کا خواب پورا کرنا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کا سارا پلان الٹ گیا تھا۔ دو ماہ کی نفرت ام خیر کے خلوص سے پل بھر میں چکنا چور ہوئی تھی۔

''پلیز ام خیر سوری تو مجھے کہنا چاہیے کہ میں نے تمھیں تکلیف دی۔'' وہ سچ مچ شرمندہ تھا۔ ''پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بجائے آگے دیکھیں۔'' وہ بڑے بزرگ کی طرح بولی۔ عاصم نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ ''کوئی بھی رشتہ آپ سے خفا ہو تو اسے منانے میں دیر نہ کریں' اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے.....'' ام خیر کی آنکھوں میں اسوہ کو کھونے کا ملال اترا تھا۔ ''اسے تھوڑی سے غلط فہمی ہے اور کوئی وجہ نہیں.....'' عاصم زبردستی مسکرایا۔ ''تو اسے دور کریں.....'' وہ مشورہ دیتے ہوئے بولی۔ ''وہ میری بات سننے کو تیار نہیں تو مناؤں کیسے۔''

وہ مل جائے اگر تنہا تو منانا نہیں مشکل
مشکل تو یہ ہے کہ وہ تنہا نہیں ملتا

وہ روہانسا بولا۔ ''آپ کی منگیتر ہے۔ آپ سے بے حد محبت کرتی ہے' آپ کی ذرا سی غلطی نے اس کو تکلیف دی ہے۔'' ام خیر نے دانستہ نظر چرائی۔ عاصم پر گھڑوں پانی گرا تھا۔ ''آئی ایم سوری'' وہ شرمندگی سے بولا۔ ''معافی مجھ سے نہیں وریشہ سے مانگیں عاصم بھائی۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔ عاصم ہولے سے مسکرایا۔ ''گڈ بوائے' جلد گڈ نیوز چاہیے.....'' وہ دوستانہ انداز میں بولی۔ ''یس باس.....'' عاصم کورنش بجا لایا۔ ام خیر ہنستے ہوئے باہر نکلی تھی۔ باہر نکلتے ہی اس کا سامنا بیک وقت ابوذر اور وریشہ سے ہوا۔ دونوں نے ہی ٹھٹک کے اسے ہنستے ہوئے عاصم کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا اور پھر ایک

دوسرے کی جانب۔ اس کی مسکراہٹ نے ابوذر کے اندر اطمینان بھرا تھا۔ جبکہ وریشہ سر تا پیر جل اٹھی۔ ''مجھے عاصم بھائی سے بات کرنا تھی.....'' اس نے لفظ 'بھائی' پر زور دیتے ہوئے بلاوجہ صفائی دی۔ ابوذر مسکرایا تھا جبکہ وریشہ کچھ کہے بنا آگے بڑھ گئی۔ ''وریشہ میری بات سنیں.....'' وہ اس کے پیچھے لپکی۔

☆☆

''تمھارا کیا قصور' تم کیوں معافی مانگ رہی ہو.....؟'' ام خیر کے معافی مانگنے پر وہ بولی۔ ''تو پھر عاصم بھائی مانگیں.....'' وہ چھیڑنے کے انداز میں بولی۔

''مجھے اس سے بھی کوئی شکایت نہیں۔'' وریشہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''تو پھر اس کی بات سن لو.....'' وہ اسے راضی کرنے لگی۔ ''پلیز ام خیر تم اس کی وکیل بن کے آئی ہو تو مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی.....'' وہ بیزاری سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''پلیز وریشہ میں وکیل نہیں بہن بن کے التجا کر رہی ہوں.....'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ وریشہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ''اس نے میرے اعتماد کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ اگر آج وہ تمھیں پرپوز کر سکتا ہے تو کل تو.....'' اس نے سختی سے لب بھینچے۔ ام خیر کو شرمندگی نے گھیرا۔

''وہ ایسے نہیں ہیں..... میں جانتی ہوں وہ ایسے نہیں تھے۔ پچھلے بائیس برسوں کا ساتھ ہے ہمارا..... وقت کب انسان کو بدل دے' پل بھی نہیں لگتے.....'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''اس سے پہلے کہ تم دونوں کی انا تم دونوں کو جدا کر دے' ان دوریوں کو ختم کر دو.....'' ام خیر کی بات سے وریشہ کی دھڑکنیں رکی تھیں۔ اس نے خوفزدہ ہو کے ام خیر کو دیکھا۔ ''آپ کا خوفزدہ چہرہ اور اڑے رنگ بتا رہے ہیں کہ آپ میں حوصلہ نہیں۔'' وریشہ نے نظروں کا زاویہ بدلا۔ ''محبت ہے تو محبت میں انا کیا معانی.....'' ام خیر نے اس کے نیم رضامند چہرے کو دیکھا۔

''میں اس کے بنا نہیں رہ سکتی ام خیر.....'' وہ ام خیر کے ساتھ لپٹ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ ''اس سے پہلے کہ قسمت آپ کو ان کے بنا رہنے کی سزا دے' اپنی ضد چھوڑ دیں' جن سے محبت ہو ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے' ان کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا جاتا۔ انسان خطا کا پتلا ہے' غلطی نہ کرے تو فرشتہ بن جائے۔ غلطیوں کو معاف کر دینے سے رشتے خطاؤں کی سولی چڑھ جانے سے بچ جاتے ہیں۔'' ام خیر کی آنکھوں میں اسوہ کو کھو دینے کا دکھ ملال بن کے اترا تھا۔ وہ کہہ کے رکی نہیں تھی۔ وریشہ اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆

''بھابھو' مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ آپ فارغ ہیں تو آ جاؤں.....'' عزیز بڑی بھابی کے

kutubistan.blogspot.com

کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں کھڑے پوچھ رہے تھے۔ ''آپ تراجازت کیسی.....؟'' بشیر بھا' جو حقہ پی رہے تھے۔ اسے اندر بلایا۔ بڑی بھابی نے مسکراتے ہوئے انھیں دیکھا۔

''کی کم اے میرے پتر نو.....'' (کیا کام ہے میرے بیٹے کو) بشیر بھا محبت سے بولے۔ بالکل ایسے جیسے چوبیس سال درمیان میں آئے ہی ناں ہوں۔ ان کی محبت ہمیشہ عزیز کو شرمندگی میں مبتلا کر دیتی۔ ''بھاجی.....وہ.....بات یہ ہے کہ.....'' عزیز لفظوں کو ترتیب دینے لگے۔

''کیا بات ہے عزیز.....'' بھابی ان کے پاس آ بیٹھیں۔

''بھاء میں کہہ رہا تھا کہ اگر ام خیر کے لیے اچھا رشتہ مل جائے تو.....'' کہتے ہوئے انھوں نے نظریں چرائیں جیسے ان کے چہرے پر ام خیر کا ماضی رقم ہو۔ بشیر بھاء نے قہقہہ لگایا۔ ''بس انی جئی گل.....'' (بس اتنی سی بات)

''ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے صرف اٹھارہ سال.....'' بڑی بھابی کو حیرانگی نے گھیرا۔ ''زندگی کا کیا بھروسہ بھابی.....'' انھوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''واپس نہیں جانا تو نے.....'' بشیر بھاء نے حقہ کی گڑگڑاہٹ کو بکھیرا۔

''نہیں.....'' انھوں نے کسی مجرم کی طرح اعتراف کیا.....''ایک دو اچھے رشتے ہیں میری نظر میں' میں بات کرتی ہوں۔'' بڑی بھابی نے بات کو سمیٹا۔ عزیز کے لب کچھ کہنے کو بے تاب ہوئے پھر انھوں نے خاموشی سے سر ہلایا۔ ''جھلی (معصوم عورت) کسی سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنا ابوذر ہے ناں۔'' وہ کچھ توقف کے بعد بولے۔ بشیر بھاء کے فیصلے پر جہاں عزیز کے من کی مراد بھر آئی تھی' وہیں بڑی بھابی کی دھڑکنیں بے تاب ہوئیں۔

''دونوں کی عمروں میں دس سال کا فرق ہے۔'' بڑی بھابی نے عجلت سے کہا۔ دونوں بھائیوں نے بیک وقت اسے دیکھا۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے.....'' بشیر بھاء نے اعتراض اٹھایا۔

''کیوں فرق نہیں پڑتا؟'' بڑی بھابی کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ''جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں بھابی' میری ام خیر کا جوڑ بھی کہیں نہ کہیں لکھا ہوگا۔ بات آپ کے دل کو نہیں لگی تو کوئی زبردستی نہیں ہے۔ زبردستی کے سودے گھاٹے میں جاتے ہیں۔'' عزیز نے دونوں میاں بیوی کو تکرار کرتے دیکھ کر بے دلی سے کہا۔ بشیر نے بیوی کی جلد بازی اور بے چینی کو شدت سے نوٹ کیا' وہ جاننے سے قاصر تھے کہ ام خیر سے بے حد محبت کرنے کے باوجود یہ انکار کیوں؟

''مجھے اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں۔'' بشیر بھاء کچھ دیر بعد بولے۔ بڑی بھابی کلس کے رہ

گئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ منہ توڑ کے جواب دیں۔

''نہیں بھاء آپ دونوں پہلے سوچ لیں' پھر فیصلہ کریں۔'' عزیز کا من بے کل تھا۔ ''تو زیادہ نہ بول.....آیا وڈا (بڑا) سوچن (سوچنے) والا' تو ام خیر سے پوچھ لے' میں ابوذر سے بات کرتا ہوں' کسی کو کوئی اعتراض ہے تے میرے نال گل کرے (جو میرے ساتھ بات کرے) بشیر نے بیوی کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا' جن کے چہرے پر انھوں نے ناگواری اور غصہ پہلی بار ایک ساتھ دیکھا تھا۔

''بڑی اچھی بچی ہے ام خیر۔'' عزیز کے جانے کے بعد بشیر صاحب نے بات شروع کی۔ ''لیکن مجھے وہ بہو کی حیثیت سے قبول نہیں۔'' زرینہ بیگم نے دوٹوک کہا۔ ''وجہ.....؟'' بشیر اچنبھے سے بولے۔ ''بس وہ مجھے اس روپ میں قبول نہیں۔'' انھوں نے اپنی ازدواجی زندگی میں پہلی بار شوہر کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں' کیوں.....؟'' بشیر کی سمجھ سے انکار کی وجہ باہر تھی۔ زرینہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ تہہ شدہ کپڑوں کو دوبارہ بلاوجہ تہہ لگانے لگیں۔ بشیر جانچتی نظروں سے بیوی کو دیکھ رہے تھے۔ ''ٹھیک تمھاری مرضی مت بتاؤ' لیکن مجھے ام خیر کو ہی ابوذر کی دلہن بنانا ہے۔'' ان کا فیصلہ دوٹوک تھا۔ زرینہ بیگم نے گھبرا کے شوہر کو دیکھا۔

''آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ ان کے قریب آ کے پریشانی سے بولی۔ ''سمجھاؤ۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔ ''مجھے ابوذر کے لیے زلیخا پسند ہے.....'' انھوں نے بات بنائی۔ ''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ابوذر انکار کر چکا ہے.....'' انھیں بیوی کے اچانک فیصلے پر حیرانگی ہوئی۔ ''میں اسے منا لوں گی۔'' وہ پُر یقین تھیں۔

''مجھے نہیں معلوم کہ تمھیں اس رشتے سے کیا اور کیوں اعتراض ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ میرے بیٹے جیسا بھائی خود چل کے میرے پاس آیا ہے' تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے چوبیس سال اس کے بنا کیسے گزارے ہیں' مجھے آج بھی وہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا چوبیس سال پہلے تھا۔ کیا تم بھول گئی کہ میں نے اباجی اور بی جان سے کیا وعدہ کیا تھا۔ بشیر پتر! عزیز جب بھی لوٹے' اسے گلے سے لگانا' اسے احساس نہ ہونے دینا کہ چوبیس سال وہ ہم سے پرایا بن کے رہا ہے۔ یقین مانو زرینہ بیگم مجھے آج بھی وہ اتنا ہی پیارا ہے جتنا چوبیس سال پہلے تھا۔ میرے لیے میرے بھائی کی بات زیادہ اہم ہے۔'' بشیر کے لفظوں میں بھائی کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ زرینہ بیگم چپ کی چپ رہ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ

kutubistan.blogspot.com

چوبیس سال ان کا شوہر اپنے بھائی کے لیے کیسا تڑپا ہے..... اس نے جب اسوہ سے شادی کی تو سب ہی نے نفرت اور غم وغصہ کا اظہار کیا تھا۔ تب بشیر نے ہی سب کو منایا اور اسوہ کو بھابی کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔ ''آپ کی سب باتیں بجا ہیں لیکن میرا دل اسے ''بہو'' ماننے کو آمادہ نہیں۔'' وہ اب بھی انکاری تھیں۔

''کیا کمی ہے ام خیر میں.....؟'' بشیر زچ ہوئے۔ ''اس سے بڑی کمی کیا ہوگی کہ وہ اٹھارہ سال امریکہ میں رہی ہے..... اک کافر کی بیٹی ہے۔'' وہ روہانسی بولیں۔ بشیر نے گہرا سانس بھرا۔

''پہلی بات کہ اتنے مہینوں سے تم نے اس میں کیا دیکھا کہ تمھیں اس کے امریکن ہونے پر اعتراض ہے' دوسرا اسے جنم اسوہ نے دیا لیکن وہ میرے عزیز کا خون ہے' میرے بھائی کی نسل' ہمارا خون..... تمھارے دونوں اعتراض بے جا ہیں۔'' وہ پُرسکون تھے۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں' مجھے اعتراض ہے' مزید بحث مت کریں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ٹھیک بحث ختم' تو میری بات بھی کن (کان) کھول کے سن لے کہ ام خیر صرف میری بہو بنے گی۔'' وہ اٹھ کر باہر جانے کے لیے چپلیں اُڑسنے لگے۔ زرینہ بیگم نے بے بسی سے شوہر کو دیکھا۔

''اپنے فیصلے میں گنجائش پیدا کریں.....'' اس نے ان کا بازو تھام لیا۔ ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' انھوں نے اپنا بازو چھڑایا۔

''کیوں نہ فیصلہ ابوذر کرے.....'' وہ اچانک بولیں۔ بشیر نے چند لمحے انھیں دیکھا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئے۔ ''جاؤ ابوذر کو بلا لاؤ۔'' حکم صادر کیا گیا۔ زرینہ بیگم فوراً باہر کی جانب لپکی۔ چند منٹ بعد وہ ابوذر کے ساتھ آئیں۔ دونوں نے اپنا اپنا مؤقف بیان کیا۔ ابوذر کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ منزل اتنی جلدی مل سکتی ہے۔ خوابوں کی تعبیریں اتنی جلد مل جاتی ہیں۔

''ماں..... میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں لیکن آپ کا مؤقف بے جا اور بودا ہے.....'' وہ بے حد دل سوزی سے بولا۔ ''یوں کہو تم دونوں باپ بیٹا اس کافر کی بیٹی پر فدا ہو.....'' وہ چلائی۔ دونوں باپ' بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ''ماں' کسی کے مذہب پر' اسلام پر تنقید کرنا گناہ ہے' اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون کافر ہو کے بھی اسے عزیز ہے اور کون مسلمان بن کے بھی اسے پیارا نہیں۔'' ابوذر کو ماں کی تنقید بری لگی۔ زرینہ بیگم نے پہلو بدلا۔ ''کیا تمھیں بیٹے کی خوشی نظر نہیں آئی۔ اب تو عزیز نے بات کی۔ وہ ناں بھی کرتا تو بھی میں ابوذر کی شادی ام خیر سے کرتا۔'' بشیر صاحب نے اچانک کہا۔ ابوذر نے گڑبڑا کے باپ کو دیکھا۔ اس کے دل کا چور اتنی جلدی پکڑا جائے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔

''ماں جو لوگ مستقبل سے خوفزدہ ہوتے ہیں' وہ کبھی حال جی نہیں پاتے۔ ماضی کا خوف انسان کے

حال اور مستقبل دونوں کی خوشیوں کو ہضم کر لیتا ہے' کیوں آپ دیمک زدہ زندگی گزارنا چاہتی ہیں۔'' ابوذر انہیں سمجھا رہا تھا۔

''خدا کا خوف کرو' کیوں بیٹے کی خوشیاں نگل لینا چاہتی ہو۔'' بشیر صاحب زرینہ کی خاموشی سے چڑ گئے۔

''ابو جان کیوں مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔'' ابوذر کھسیانا سا بولا۔ ''چپ کر تو۔ سب پتہ ہے مجھے..... ابوظفر کی شادی پر جو تو کر رہا تھا' میری نظریں تجھ پر تھیں۔'' باپ کے واضح اظہار پر ابوذر کو خجالت نے گھیرا' وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ ''ماں آپ کو اب بھی اعتراض ہے تو ہم دونوں اپنا فیصلہ بدل لیتے ہیں۔'' ابوذر نے بشیر کو آنکھ مارتے ہوئے معصوم صورت بناتے ہوئے کہا۔

''اماں صدقے' اماں واری۔'' انھوں نے فوراً ابوذر کو ساتھ لگایا۔ ابوذر نے وکٹری کا نشان باپ کو بنا کے دکھایا۔ ''اتوار کو ابوظفر آ رہا ہے کیوں ناں رسم کر لی جائے۔'' بشیر صاحب فوراً بولے۔ ''تیاری ہو جائے گی۔'' روایتی پن زرینہ میں اترا۔

''چل میں کرنا واگل عزیز نال.....'' (چل میں پھر عزیز سے بات کرتا ہوں) وہ ابوذر کو دیکھ کر مسکرائے اور کہہ کے کھڑے ہوئے' ابوذر ماں کی گود میں سر رکھ کر لپٹ گیا۔ اور ام خیر کی باتیں کرنے لگا۔ زرینہ بیگم پہلے بے دلی سے پھر پوری توجہ سے اس کی باتیں سننے لگیں۔

☆☆

تجھ سے ناراض نہیں زندگی حیران ہوں میں
تیرے معصوم سوالوں سے پریشان ہوں میں

ام خیر بیڈ پر نیم دراز کانوں میں ہیڈ فون لگائے میوزک سن رہی تھی۔ وہ ام خیر جو چار سالوں میں نہ سنبھل سکی تھی' اپنوں کی محبت اور توجہ سے چند مہینوں میں سنبھل گئی تھی۔ ''مریض کو صحت یاب کرنے میں اپنوں کی محبت سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔'' جس نے بھی کہا ہے' بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ناں تو سب انسان ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ ہی پانچ ہاتھ کی انگلیاں۔ اگر اس دنیا کے ایک انسان نے ام خیر کا اعتماد کرچی کیا تھا تو اسی دنیا کے ایک انسان نے اس کے اعتبار و اعتماد کو بحال کیا تھا۔

''ام خیر.....'' عزیز جو کتنی دیر سے محویت سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے' ہولے سے اس کا کندھا ہلا کے بولے۔ ام خیر نے جھٹ آنکھیں کھولیں۔

''ڈیڈ.....'' اس نے ہیڈ فون اتار کے سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔

kutubistan.blogspot.com

"کیوں نہ آج ڈنر باہر کریں....." وہ خوش دلی سے بولے۔ "یہ رشوت کس لیے.....؟" وہ رازدارانہ انداز میں مسکرائی۔ عزیز نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپکا۔ "میں نے سوچا آج دونوں باپ بیٹی اچھا سا ڈنر ساتھ کریں' تم نے تو الزام لگا دیا....." وہ روٹھے لہجے میں بولے۔ ام خیر کھلکھلا کے ہنسی۔ عزیز کو اس کی ہنسی میں اسوہ کا گمان ہوا۔

"او کے اگر یہ واقعی الزام ہے تو سوری۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "اور اگر یہ سچ ہے تو بات یہیں بھی کر سکتے ہیں رشوت ضروری نہیں۔" وہ مزے سے کہتے ہوئے ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئی۔ عزیز نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "بشیر بھاء نے ابوذر کے لیے تمھیں مانگا ہے۔" ان کی آواز میں کھنک تھی۔ بے حد خوشی بالکل ایسی خوشی جب ام خیر پنک کمبل میں لپٹی ان کی گود میں آئی تھی۔ وہ خوشی سے بے قابو ہوتے اپنی محبوب بیوی کے تحفے کو چوم کر نہال ہو رہے تھے۔ عزیز نے ام خیر کی خوشی میں گرینڈ فنکشن کیا تھا جو اٹینڈ کرنے والوں کو مہینوں یاد رہا تھا۔ آج عزیز از جان بیٹی کا رشتہ وہ بھی خاندان کے سب سے لائق اور ہونہار سپوت سے کرتے ہوئے وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین باپ سمجھ رہے تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ ابوذر خود بھی انھیں بے حد پیارا تھا۔ انھیں لگنے لگا تھا کہ ابوذر سے زیادہ کوئی انسان اس دنیا میں ان کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ ام خیر کو شاکڈ لگا وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔ "دھک' دھک' دھک۔" دھڑکنوں کا سر تال بدلا تھا۔ اس قدر دلنشین سر بکھیرے تھے کہ شاید دنیا میں ایسا کوئی راگ نہ بنا ہوگا۔ دوسرے ہی پل اس کی خوشی ماضی نے نگل لی تھی۔ سروں کی جگہ شہرِ خموشاں کے سناٹے نے لی تھی۔ اس نے ڈوبتی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔ بیٹی کے چہرے کے رنگ باپ سے چھپے نہیں رہے تھے۔ ان کا دمکتا چہرہ پل بھر میں ماند پڑا تھا۔

"کیوں.....؟" ان کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔ "ڈیڈ....." وہ بے چین ہو کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مائی ڈارلنگ فار گیٹ ایوی تھنگ۔" انھوں نے اسے ساتھ لپٹا لیا..... "یہ دھوکہ ہے ڈیڈ' میں ابوذر کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتی۔" اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ "دھوکہ تب ہوتا جب وہ لاعلم ہو....." وہ اسے ساتھ لپٹائے بیٹھ گئے۔ "یہ اس کے ساتھ ظلم ہے ڈیڈ..... اسے اچھی لڑکیوں کی کمی نہیں....." اس کے دل میں جھکڑ چلے تھے۔ آنکھیں آندھیوں کی زد میں آئی تھیں۔ خواب اس طوفان میں بکھرنے لگے تھے۔

"میری ام خیر خود بہت اچھی ہے....." وہ محبت سے بولے۔ "کاش ایسا ہوتا....." اسے ملال نے آگھیرا۔ "او کے اس بات کو یہی کلوز کرتے ہیں۔ تم ایک بار سوچ لو' پھر فیصلہ کرو۔" انھوں نے بات کو

سمیٹا۔ وہ ابوذر سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس بات کو لے کر ام خیر پر پھر سے اٹیک ہو۔ بقول ابوذر کے اس کے اعصاب ابھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ کسی قسم کا stress افورڈ کرے۔ اگر ایسا ہوا کہ ام خیر کو دوبارہ ہسٹریا کے اٹیک ہونے لگے تو اس کا ٹھیک ہونا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

"تو پھر کہاں ڈنر کریں.....؟" وہ ام خیر کو سوچوں میں ڈوبتے دیکھ کر بولے۔ "ابوذر بتا رہا تھا کہ قریب ہی چائنیز کھلا ہے۔ "Chinease Cave" وہیں چلتے ہیں۔" وہ فوراً سنبھلتے ہوئے بولی۔ "او کے تم تیار ہو جاؤ میں نیچے تمھارا انتظار کرتا ہوں۔" وہ اس کے گال تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ نہیں کہتے کہ مجھ بن جی نہیں پائیں گے
ہاں ہماری زندگی میں اک کمی رہ جائے گی

اُن کے جانے کے بعد ام خیر دوبارہ لپٹ گئی۔ اس کا دل شدت سے ابوذر کی دہائی دینے لگا تھا۔

☆☆

"اب ختم کرو یہ ناٹک' تمھارا ہیروئن بننے کا شوق ابھی پورا نہیں ہوا....." عاصم نے ہانڈی بھونتی وریشہ کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے کہا۔ وریشہ کو ام خیر بتا کے گئی تھی کہ عاصم آ رہا ہے۔ وہ دلی طور پر راضی تھی لیکن اب عاصم کے انداز اور لہجے نے اسے سرتاپیر جلا دیا۔

"کیوں تمھارے سر سے ہیرو بننے کا بھوت اتر گیا جواب میرے پاس آ گئے....." اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ عاصم اسے دیکھتا رہ گیا۔ "ختم کرو یہ ناراضگی....." عاصم اس کا طنز نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ وریشہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور یونہی پاس پڑے برتن سنک میں رکھنے لگی۔ عاصم کو اس کی حرکت غصہ دلا گئی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں....." اس نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے سختی سے کہا۔ "بازو چھوڑو میرا....." نا چاہتے ہوئے بھی وریشہ کے لہجے میں اجنبیت اتر آئی۔ "تم میرے ضبط کو مت آزماؤ وریشہ....." وہ بے بسی سے بولا۔ وریشہ نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ ہانڈی میں جمع ہونے لگی۔

"پہلے میری بکواس سنو....." اس نے برتن بند کرتے ہوئے اسے جھنجھوڑ کے کہا۔ "کیا سننا باقی ہے.....؟" وہ اطمینان سے بولی۔

"سوری تمھیں غلط فہمی ہو گئی' ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "غلط فہمی تب ہوتی اگر یہ بات مجھے کوئی بتاتا۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا' میرا مان توڑا ہے تم نے' مجھے بے

kutubistan.blogspot.com

یقین کر دیا۔" وہ روہانسی بولی۔ "ہمیشہ آنکھوں دیکھا سچ نہیں ہوتا وریشی..... میں بھٹکا ضرور تھا لیکن یقین مانو میرا ارادہ تمھیں دھوکہ دینے کا نہیں تھا۔" اس نے دانستہ ابوظفر سے لگائی شرط کو گول کیا۔

"پلیز عاصم مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ میرا دل تمھاری طرف سے جب تک....." وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔ "کیا محبت اتنی کمزور ہوتی ہے کہ پل بھر میں تم نے اپنے دل میں اتنی گرد اکٹھی کر لی۔" عاصم ہکا بکا اسے دیکھنے لگے۔ "یہی سوال تم اپنے آپ سے کرو۔ آج تم نے جس نیت سے بھی ایسا کیا' میں نہیں جانتی اگر یہی حرکت شادی کے بعد کرو گے تو....." ضبط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بھی وہ اپنے آنسو روک نہ پائی اور کچن سے نکل گئی۔ عاصم بے بسی سے اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆

وہ وقت بہت پیچھے رہ چکا ہے
اب آگے کو بڑھو
دیکھو جانِ تمنا
کتنی خوبصورت بہاریں اپنا
دامن پھیلائے تمھاری منتظر ہیں
بھول جاؤ کتنے خاروں نے
تمھارے دامن کو چھلنی کیا ہے
ان پھولوں کو دیکھو
جو تمھاری بانہوں میں
سمٹنے کو بے تاب ہیں
محبت تمھاری منتظر ہے
اس محبت کا ہاتھ تھامو
اسے امر کر دو

فاطمہ نے ام خیر کے میل پر نظم سینڈ کی تھی۔ ام خیر نے اس کو ابوذر کے رشتے کا اور اپنے انکار کا بتایا تھا۔ تب ہی سے فاطمہ مسلسل اسے سمجھا رہی تھی۔ ام خیر کے پاس انکار کی وجوہات تھیں۔ فاطمہ کے خیال میں اس کے سارے دلائل بودے اور فضول تھے۔ کئی دنوں سے دونوں کی تکرار جاری تھی۔ آج فاطمہ نے اسے نظم سینڈ کر کے میسج دیا تھا کہ وہ اس وقت تک اب اس سے بات نہیں کرے گی جبکہ وہ کوئی فیصلہ نہیں

لے لیتی۔ جب انسان ایک بار جڑ سے اکھڑ جائے تو پھر اسے اپنے آپ کو مضبوط کرنے میں ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔ ام خیر بھی جڑ سے اکھڑی تھی۔ چودہ برس کی عمر میں اگر زندگی نے اسے تربیہ دیا تھا تو وہ پیدا بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ عزیز نے اسے دوبارہ سے چلنا سکھایا تھا' اس کی از سر نو پرورش کی تھی۔ اس کی نوزائیدہ بچے کی طرح پرورش کی تھی۔ ام خیر کو فاطمہ اور عزیز کی اس قدر عادت ہو چکی تھی کہ وہ اپنا کوئی بھی فیصلہ لینے سے ڈرتی تھی۔ ابوذر کے معاملے میں بھی وہ خوفزدہ تھی تو دوسری طرف اپنے گزرے کل سے خائف۔ اب بھی وہ ان دونوں سے اپنی مرضی کے فیصلے کی خواہاں تھی۔ جبکہ عزیز اور فاطمہ کی مشترکہ رائے تھی کہ ام خیر یہ فیصلہ خود کرے گی۔ فاطمہ کو ام خیر نے بتایا تھا کہ وہ ابوذر کو پسند کرنے لگی ہے لیکن وہ اسے پانے سے صرف اس لیے انکاری تھی کیونکہ وہ اپنے آ کو اس کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ فاطمہ نے اسے اس کا یہ اعتماد دینے کے لیے ہی ناراضگی کا اظہار کیا تھا تا کہ وہ جو فیصلہ لے' اپنے دل سے لے۔ ام خیر نے سوچ و بچار کے بعد جو فیصلہ لیا تھا' اس نے عزیز اور فاطمہ کو سخت مایوس کیا تھا۔ فا[illegible]س سے ناراض جبکہ عزیز نالاں تھے۔ دونوں ہی اس کے فیصلے کے خلاف اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے:

پیڑ کو دیمک لگ جائے یا آدم زاد کو غم
دونوں کو ہی ہم نے امجد بچتے دیکھا ہے کم

☆☆

"مجھے اسٹوڈنٹ ویزے پر امریکہ جانا ہے....." عاصم لاؤنج میں آ کے ظہیر (باپ) سے مخاطب تھا۔ وہ سب بھائی جو ابوذر اور ام خیر کی منگنی کی ڈیٹ فائنل کر رہے تھے' حق دق اسے دیکھنے لگے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟" ظہیر صاحب کو سخت خجالت ہوئی۔ "جاؤ اس وقت بعد میں بات کرتے ہیں۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولے۔ "آپ کو ہمارے علاوہ سب کی فکر رہتی ہے۔" عاصم غصے اور بدتمیزی سے بولا۔ سب کو ہی شدید حیرانگی ہوئی۔ "عاصم یہ کیا طریقہ ہے' بات کرنے کا۔" بڑے تایا نے ٹہوکا۔ عاصم کچھ نہ بولا۔ "دماغ خراب ہے اس کا' اچھا بھلا پڑھ رہا ہے لیکن باہر جانے کا بھوت سوار ہے اس کو....." ظہیر نے اسے اچھی خاصی سنائی۔ "پڑھائی یہاں رہ کے بھی ہو سکتی ہے....." عزیز نے آہستگی سے کہا۔ عاصم نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا سے پوچھ رہا ہو چوبیس سال یہاں بھی کمائی ہو سکتی تھی۔

"عزیز نے ٹھیک کہا ہے....." بڑے تایا دوبارہ بولے۔ "مجھے یہاں کسی صورت نہیں رہنا اگر آپ نہیں بھیجیں گے تو میں بھاگ جاؤں گا۔" اس نے بدتمیزی کی انتہا کی۔ ظہیر نے اٹھ کر اسے زوردار تھپڑ

kutubistan.blogspot.com

لگایا۔ ''آؤٹ.....'' وہ چلایا۔ عزیز کا دل پسلیوں کے درمیان کچلا گیا تھا۔ وہی انداز' وہی ماحول' وہی لب ولہجہ صرف کردار بدلے تھے' کہانی پرانی تھی۔ عزیز نے بے اختیار پہلو بدلا۔ ''کیوں رُکوں میں یہاں پر۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے اسی لہجے میں بولا۔ ''عاصم چلے جاؤ ورنہ میں تمھیں شوٹ کردوں گا۔'' بھائیوں کے سامنے انھیں شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ عاصم ڈھیٹ بنا کھڑا رہا۔ ''تم.....'' ظہیر کا ہاتھ دوبارہ اٹھنے والا تھا جب عزیز نے اسے روکا۔ ''میں تم لوگوں کی بات میں بولنے کا حق نہیں رکھتا' مجھے لگتا ہے کہ آج عاصم کی جگہ میں اور ظہیر بھائی کی جگہ ابا جی کھڑے ہوں..... عاصم بیٹا اپنا گھر اپنا ہوتا ہے' یوں بدتمیزی کر کے چیخ چلا کے تم اپنی بات تو منوا دو گے لیکن بعد میں جو کھوئے گا اس کا اندازہ تمھیں ابھی نہیں ہوگا.....'' ان کے لہجے میں کرب اور دکھ تھا۔ سب ہی نے چونک کے عزیز کو دیکھا۔ ''چاچو آپ بھی تو گئے تھے۔ کیا نہیں اب آپ کے پاس' ام خیر جیسی بیٹی ہے آپ کے پاس' پھر مجھے روکنے کا مقصد.....'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ عزیز نے گہرا سانس لیا۔

''خود پر تجربے کرنے کی بجائے بڑوں کے تجربے سے سیکھو' "Observation is the best than experience" وہ اسے سمجھاتے ہوئے اسے صوفے تک لائے۔ تینوں بھائی عزیز کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ''میں یہاں بزنس شروع کرنا چاہتا ہوں' بتاؤ کیا کروں.....'' وہ محبت سے پوچھ رہے تھے۔ ''سوری چاچو.....'' عاصم شرمندگی سے بولا۔ ''فار واٹ.....'' انھوں نے یوں پوچھا جیسے کچھ ہوا ناں ہو۔

''تم اچھی طرح سوچ لو کہ کیا کر سکتے ہو میرے ساتھ تھریڈ' فارمیسی یا پھر قالینوں کا..... مجھے ان سب کا تجربہ ہے۔ ام خیر کی منگنی سے فارغ ہو کے کرتے ہیں۔'' انھوں نے خوبصورتی سے اس کا ذہن واش کیا۔ عاصم مسکراتا ہوا انھیں مشورے دینے لگا تھا۔ جبکہ بشیر بھاء کے دل میں عزیز کی محبت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ وہ محبت پاش نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگے۔

☆☆

ابوظفر ہنی مون سے لوٹ آیا تھا۔ اب وہ سب کے درمیان بیٹھا اپنے ٹور کی داستان سنا رہا تھا۔ ''عاصم کدھر ہے.....؟'' اس نے شدت سے عاصم کی کمی کو محسوس کیا۔ تب ہی اسے خیال آیا کہ ناں وہ کھانے کی میز پر تھا اور ناں ہی اسے لینے آیا تھا۔ وریشہ بھی اسے بدلی بدلی لگی۔ وہ سب کو باتوں میں مصروف چھوڑ کے عاصم کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ عاصم کمپیوٹر پر بیٹھا سرچنگ کر رہا تھا۔

''بڑے آدمی ہو گئے ہو..... یا عید کا چاند۔'' وہ اندر آ کے شوخی سے بولا۔ عاصم نے اک نظر اسے

دیکھا اور دوبارہ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ ''اوہیرو کیا بات ہے.....'' ابوظفر کا لہجہ اب بھی شوخی لیے تھا۔ عاصم نے شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''نظر نہیں آ رہا کام کر رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ ہتک آمیز تھا۔ ابوظفر نے شدت سے اس کے رویے کی تلخی کو محسوس کیا۔ ''کسی نے کچھ کہا ہے یا وریشہ سے لڑائی ہوئی ہے.....؟'' وہ اس کا رویہ نظر انداز کر گیا۔ ''تو تو آستین کا سانپ نکلا ابوظفر' تیری وجہ سے وریشہ اتنے مہینوں سے خفا ہے مجھ سے' ایک بار بھی تو نے اپنے سیر سپاٹوں کے درمیان نہیں سوچا ہوگا کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے؟'' عاصم کے لہجے میں انگارے جل رہے تھے۔ ابوظفر اسے دیکھتا رہا گیا۔ وہ کہہ نہ سکا کہ پلان برابر کا تھا تو پھر قصور میرے حساب میں کیوں.....؟ لیکن وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس وقت عاصم کی ذہنی حالت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ وریشہ سے بے حد محبت کرتا ہے اور اب یوں اس کا روٹھنا اس کے لیے کس قدر اذیت ناک ہوگا۔ وہ سمجھ سکتا تھا۔

''سوری.....'' وہ شرمندہ سا بولا۔ عاصم نے نخوت سے سر جھٹکا اور دوبارہ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ ابوظفر نے چند ثانیے اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔ ابوظفر کے سامنے بظاہر مصروف عام نے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا اور ڈرامیں سے سگریٹ نکال کے سلگانے لگا۔

☆☆

ابوظفر نے وریشہ کو سب سے پہلے اپنے اور عاصم کے پلان کے بارے میں بتایا' وریشہ تو حیرانگی اور دکھ نے گھیرا تھا۔ ''مجھے آپ دونوں نے بے حد مایوس کیا.....'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''ہم صرف جوک کر رہے تھے.....'' ابوظفر نے صفائی دی۔ ''جوک..... یو ناؤ آپ دونوں اسے ہرٹ کرنے والے تھے۔ اللہ نے الٹا آپ کو کر دیا.....'' وہ تمسخرانہ بولی۔ ابوظفر پر گھڑوں پانی گرا تھا۔ ''سوری.....'' وہ سر جھکائے شرمندگی سے بولا۔ ''اللہ سے معافی مانگیں' ام خیر سے مانگیں۔ آپ میرے نہیں ام خیر کے مجرم ہیں.....'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''عاصم کو معاف کر دو.....'' ابوظفر لجاجت سے بولا۔ وریشہ نے کچھ توقف نے بعد سر اثبات میں ہلایا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ ابوظفر مطمئن تھا کہ اب وریشہ عاصم کو منائے گی۔ اب اسے عاصم کو نہ منانے کی ضرورت تھی ناں ہی پریشان' اس نے کھل کے سانس لیا۔

''چائے.....'' وریشہ' ابوظفر کے پاس سے اٹھنے کے بعد عاصم کے کمرے میں آئی۔ عاصم کو خوشگواریت کا احساس ہوا لیکن اس نے جان بوجھ کر نیم وا آنکھوں کو بند کر لیا۔ ''سمجھتے کیا ہو خود کو.....؟'' وہ دھونس جماتے ہوئے بولی۔ عاصم نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ وریشہ نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اس کا بازو آنکھوں سے ہٹایا۔

kutubistan.blogspot.com

"کیا تکلیف ہے.....؟" وہ چلایا۔ "تکلیفیں تو بہت سی ہیں' فی الحال چائے پی لو....." وہ اطمینان سے بولی۔ عاصم کو ہمیشہ سے زیادہ اچھی لگی۔ "دماغ ٹھیک ہوگیا تمھارا....." اس نے طنز کیا۔ "ایک دم....." وہ ہمیشہ کی طرح کھل کے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ نے عاصم کے اندر کلیاں سی چٹخنے لگی تھیں۔ اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔ پھر بھی تنگ کرنے کو سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا رہا۔ "اگر سمجھتے ہو کہ منتیں کروں گی تو غلط فہمی دور کرو....." وہ سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے بولی۔

"میں نے کب کہا کہ منتیں کرو....." وہ روٹھے لہجے میں بولا۔ "ادائیں تو ایسی ہی دکھا رہے ہو....." وہ شوخ ہوئی۔

"تمھیں فکر ہے میری ناراضگی کی....." لہجہ ہنوز تھا۔ "تمھیں تو جیسے بڑی فکر ہے' ایک بار بھی ڈھنگ سے نہیں منایا۔ ایک بار بھی اگر ڈھنگ سے منایا ہوتا تو میں بھلا مان نہ جاتی....." وہ خوبصورتی سے شکایت کرتی' اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ عاصم بے اختیار مسکرایا تھا۔

"تم نے موقع کب دیا....." وہ اٹھ بیٹھا۔ "تم موقع خود تلاشتے....." وہ دوبدو بولی۔

"وہ کیسے.....؟" وہ پُر لطف نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "زیادہ اسمارٹ مت بنو.....؟" اس کی نگاہوں کی تپش نے وریشہ کو پگھلایا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عاصم کا قہقہہ بے تحاشہ تھا۔ "بھاگ کیوں رہی ہو.....؟" اس کا انداز شرارت لیے ہوئے تھا۔ "چائے پیو....." وریشہ نے چائے کا کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بات کو بدلا۔ عاصم نے محبت سے چُور نگاہوں سے وریشہ کو دیکھتے ہوئے کپ ہونٹوں کو لگایا۔ چائے کے پہلے گھونٹ نے سارے رومانس کا ستیاناس کر دیا۔ "آ.....تھو....." نمک اور ہلدی کی چائے۔ "ہاہاہا....." وریشہ قہقہہ لگاتی باہر کو بھاگی تھی۔ "تیری کی تو....." وہ اس کے پیچھے لپکا۔ وریشہ پھرتی سے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔ عاصم نے دروازہ کھولا تو باہر ابوظفر تھا۔

"اب پتہ چلا میں گھر واپس آگیا ہوں....." وہ عاصم کے گلے لگتے ہوئے بولا۔ ذرا توقف کے بعد عاصم نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ "اب بتا ہنی مون کیسا رہا....." وہ اس کی کمر سے تھام کے اسے اندر لے آیا۔ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے دونوں نے بے تحاشہ قہقہہ لگایا۔ "زبردست....." ابوظفر نے اسے آنکھ ماری "مثلاً....." عاصم کا انداز ذومعنی تھا۔ "جب تیرا ہوگا تو پوچھوں گا....." ابوظفر نے کہا دونوں کا قہقہہ اک ساتھ بلند ہوا تھا۔

☆☆

"کیوں نہیں مانی وہ....." ابوذر' ام خیر کے انکار کا سن کے بے چین ہوگیا۔ عزیز اسے وجہ بتاتے

ہوئے دکھی ہو رہے تھے۔ "چاچو یہ دھوکہ نہیں ہے۔" ابوذر کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ عزیز اس کے آفس ام خیر کے انکار کا بتانے آئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ابوذر' ام خیر سے خود بات کرے۔ جبکہ ابوذر کے اپنے دل میں ہلچل مچ گئی تھی۔

"آپ سمجھائیں اسے....." وہ شدید پریشانی میں مبتلا تھا۔ "وہ ہائپر ہونے لگ گئی ہے۔ تم جانتے ہو ابھی وہ بیماری سے اٹھی ہے اس کے لیے stress اچھا نہیں....." وہ سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔ "پھر....." وہ جواب طلب نظروں سے انھیں دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔ "میں بات کروں....." وہ جھجکتے ہوئے بولے۔ عزیز نے اسے دیکھا۔ حقیقتاً وہ بھی یہی کہنے آئے تھے لیکن اک قدرتی جھجک مانع تھی۔ اب جو ابوذر نے کہا تو وہ پُرسکون فوراً اجازت دے گئے۔ "کیا اسے منگنی کی تیاریوں کا علم ہے....." ابوذر نے اچانک پوچھا۔ "تھوڑا بہت.....لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ منگنی پرسوں ہے....." وہ فکرمندی سے بولے۔

"اگر وہ بے خبر رہی تو ہنگامے کا زیادہ اندیشہ ہے' اس کی حالت بگڑ گئی تو سنبھالنا مشکل ہے۔" ابوذر کو نئی پریشانی نے گھیرا "اب....." دونوں کے ذہنوں پر ایک ہی فکر سوار تھی۔

"آپ اسے ساتھ لے آتے تو بہتر رہتا....." ابوذر نے کہا۔ "وہ تم سے ملنے سے گریزاں ہے اب....." عزیز نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"میں سوچتا ہوں کچھ....." وہ سر تھام کے بیٹھ گیا۔ اب اس کا ذہن تیزی سے تانے بانے بن رہا تھا۔ "ویل آپ گھر جائیں' باقی میرا کام ہے....." اس نے پلان تیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا.....؟" عزیز نے پوچھا۔ "آپ مطمئن رہیں....." اس نے بتانے سے گریز کیا۔ عزیز نے دوبارہ پوچھنے کی بجائے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب آپ گھر جائیں میں دو گھنٹے بعد آپ سے ملتا ہوں....." وہ مزے سے بولا۔ عزیز اگرچہ مطمئن تھے' پھر بھی ان کے دل میں ہزاروں خدشے سر اٹھا رہے تھے۔ وہ بے دلی سے اٹھے اور باہر نکل آئے۔ ان کا رخ ابا اور بی جان کی قبروں کی طرف تھا۔

☆☆

"کہاں جانا ہے.....؟" ام خیر' ابوذر سے پوچھ رہی تھی جو تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسے گاڑی تک لایا تھا۔ "تم بیٹھو' میں بتاتا ہوں....." وہ اسے پسنجر سیٹ پر بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ ابوذر اسے سب کے درمیان سے ضروری کام کا کہہ کے اٹھا لایا تھا۔ وہ جو سب کی ابوذر کے حوالے سے ذومعنی باتیں

kutubistan.blogspot.com

سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس افتاد پر سب بھول بیٹھی۔ ''بتائیں ابوذر.....'' وہ ڈرائیونگ کرتے ابوذر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ بلیک پینٹ اور بلیک ہی شرٹ میں ابوذر کی وجیہہ شخصیت اور بھی نکھر گئی تھی۔ لمحہ بھر کو دل کے چور نے دہائی دی۔ دوسرے ہی پل اس نے دل کو ڈپٹا اور نظریں پھیر لیں۔

''دیکھ لو' دیکھنے پر پابندی نہیں.....'' ابوذر نے اس کا خود کو محویت سے دیکھنا نوٹ کیا تب ہی مسکراتے ہوئے بولا۔ ام خیر کو شرمندگی نے گھیرا تھا۔ ''آج میں تمھیں لاہور کی سب سے خوبصورت جگہ پر لے جا رہا ہوں.....'' اس نے اس کی خجالت مٹانے کو کہا۔

''باقی سب کو بھی لے آتے.....'' وہ فوراً بولی۔ ''باقی سب صدیوں سے لاہور میں ہی رہ رہے ہیں.....'' ام خیر کی بات پر وہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔ تب ہی خود کو طنز سے روک نہ پایا۔ اب وہ دونوں خاموش تھے۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کو سوچ رہے تھے۔ محبت میں انسان کے دائرے محدود کیوں ہو جاتے ہیں۔ بس دل ایک ہی دائرے پر گھومنے کو چاہتا ہے' محبوب سے محبوب تک۔ اور پھر اگر کچھ لمحے کو ہی محبوب کا ساتھ مل جائے تو یہ دائرے اور بھی محدود ہو جاتے ہیں۔ انسان خود کو سب سے الگ اور ارفع سمجھنے لگتا ہے۔ محبوب کی اک عام سی نظر ہی اسے موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ وہ دونوں بھی رفتہ رفتہ اک دوسرے کی قربت میں سرشار ہو کے پگھل رہے تھے۔ چند منٹوں کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں کیمپس کی نہر پہ موجود تھے۔

''یہ دیکھو۔'' ابوذر نے نہر کی جانب اشارہ کیا۔ ''واؤ..... کس قدر خوبصورت جگہ ہے۔'' اس کی آنکھوں میں پسندیدگی جھلک چھلک جا رہی تھی۔ ابوذر محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ ''یہ کینال میلہ ہے۔ بہار کی آمد پر کیمپس کی نہر میں یہ میلہ لگتا ہے۔'' وہ اسے بتاتے ہوئے نہر کے ساتھ ساتھ ڈرائیونگ کرنے لگا۔ نہر میں برقی قمقموں سے کشتی کو سجایا گیا تھا۔ انھی برقی قمقموں سے بہار کے پرندے اور پھولوں کو سجایا گیا تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت لگ رہے تھے کہ دل بے اختیار انھیں چھونے کو چاہتا۔ نہر کے گرد بنے درختوں کو بھی خوبصورتی کے ساتھ لائٹ کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ بہار کی آمد کی عکاسی جس خوبصورتی سے نہر کے اندر اور باہر کی گئی تھی' وہ بیان سے باہر ہے۔ ابوذر گاڑیوں کے رش میں آہستہ آہستہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ام خیر دلچسپی اور محویت سے ہر چیز دیکھ رہی تھی۔

''اگر چاہو تو ہم پیدل چلتے ہیں۔'' ابوذر نے اس کی دلچسپی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں..... یوں بھی مزہ آ رہا ہے۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔ ابوذر کلس کے رہ گیا۔ بہت سے بچے اور کپلز پیدل بھی تھے۔

''امریکہ میں تو اس سے زیادہ خوبصورتی سے Canals کو سجایا جاتا ہے.....'' ابوذر نے اس کا ردعمل

دیکھنے کے لیے کہا۔

''ہاں' لیکن اس میں ایسا حسن اور دلکشی کہاں..... مصنوعی پن لگتا ہے۔'' وہ بے حد اعتماد سے بولی۔ ابوذر اس کے مصنوعی پن کہنے پہ مسکرایا تھا۔ البتہ اسے بے حد حیرت ہوئی۔ ام خیر کے پُراعتماد لہجے اور پُرسکون رویے پر۔ کینال سے باہر فٹ پاتھ پر ٹھیلے لگے تھے۔ ''کچھ کھاؤ گی.....'' ابوذر نے اسے متوجہ کیا۔ ''وہ.....'' اس نے گولے گنڈے کی جانب اشارہ کیا۔

''وہ.....'' ابوذر نے حیرانگی سے کہا۔ ''اس نے بچوں کی طرح سر ہلایا۔ ''گلا پکڑا جائے گا برف کھانے سے.....'' اس نے انکار کیا۔ ''مجھے صرف ٹیسٹ کرنا ہے.....'' وہ بچوں کی طرح ضد سے بولی۔ ابوذر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور چند سیکنڈز بعد گولا اس کی جانب بڑھایا۔

''آپ نہیں کھاؤ گے.....'' وہ برف منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔ ''ام خیر اسے کھاتے نہیں چوستے ہیں.....'' ابوذر کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ کینال میلہ کی سڑک ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ ٹرن لے کر دوسری جانب آئے۔ اس سڑک پر بھی بے تحاشہ رش تھا۔ گاڑی پر گاڑی چڑھی ہوئی تھی۔ ام خیر نے گولا ختم کر کے ٹشو سے منہ صاف کیا۔

''Really Nice Place'' وہ خوش دلی سے بولی۔ ''کہتے ہیں جو محبت بہار میں شروع ہو' اسے زوال نہیں ہوتا.....'' ابوذر نے اپنی بات کہنے کے لیے لفظ تلاشے۔ ''رئیلی..... اور جو گرمیوں میں ہو۔'' اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی بجائے اس نے الٹا سوال کیا۔ اپنی بات کے رائیگاں جانے پر ابوذر کراہ کے رہ گیا۔ ''گرمیوں کی محبت میں گرما گرمی (لڑائی جھگڑا) زیادہ ہوتا ہے.....'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اور سردیوں کی محبت میں.....'' اس نے دوبارہ پوچھا۔ ابوذر کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ ''رومانس کی شدت ہوتی ہے۔'' وہ بے دلی سے بولا۔ ''اور خزاں میں.....'' وہ مزید بولی۔ ''یہ محبت بہت کم پروان چڑھتی ہے۔'' ابوذر کو تو صرف بہار کی محبت کا معلوم تھا وہ بھی کچھ دن پہلے اس نے کسی ناول سے یہ جملہ پڑھا تھا۔ باقی موسموں کا وہ تکا لگا رہا تھا۔ جسے ام خیر دلچسپی سے حقیقت سمجھ کے سن رہی تھی۔ ابوذر نے گھر کے راستے پر گاڑی ڈالنے کی بجائے دوبارہ ٹرن لیا۔

''ابوذر میں نے ایسی خوبصورت جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی.....'' وہ سحرزدہ تھی۔ ابوذر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ اسے حیرت ہوئی تھی کہ امریکہ جیسی فیسی نیٹ جگہ پر رہنے کے باوجود اس نے یا تو مبالغہ آرائی کی انتہا کی تھی یا واقعی اس نے دل سے کہا تھا۔ ابوذر اپنی بات کہنے کے لیے لفظ تراشنے لگا۔ کچھ دیر گاڑی میں مکمل خاموشی رہی۔ ام خیر باہر کبھی ہجوم کو اور کبھی کینال کو دیکھتی اور ابوذر ڈرائیونگ کرتے

kutubistan.blogspot.com

ہوئے ام خیر کے متوقع ردِعمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ''خیرو.....'' اس نے جس بے ساختگی سے اسے پکارا' ام خیر نے اسی بے ساختگی سے اسے دیکھا تھا۔ بن کہے بہت کچھ عیاں ہو گیا تھا۔ ام خیر نے نظروں کا زاویہ باہر مرکوز کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ''ہم'' اپنی محبت کی شروعات بہار کی اس خوبصورت شام سے کریں۔'' اس نے لفظ ''ہم'' پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ام خیر کی دھڑکنوں کا ردھم کم ہوا تھا۔ ''گھر چلیں.....'' ام خیر کا جوش ماند پڑا تھا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

''شادی کرو گی مجھ سے.....'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بلا جھجک بولا۔ ام خیر کا دل اس قدر زور سے دھڑکا کہ اسے لگا تھا کہ ان دھڑکنوں کی آواز ابوذر نے بھی سنی ہو گی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔ دل نے ''ہاں'' کا اودھم مچایا تھا۔ اس نے اندر کے شور سے گھبرا کے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں.....؟'' ابوذر نے گاڑی کو یکدم بریک لگائی۔ اس کا دل پاتال میں ڈوب گیا تھا۔ اسے لگا کسی نے سینے سے اس کا دل نوچ لیا ہو۔

''میں اس قابل نہیں.....'' ام خیر سنبھل چکی تھی۔

''کس نے تمھیں کہا کہ تم اپنی قابلیت بیان کرو.....؟'' ابوذر اس کی بات پر چڑا تھا۔

''ابوذر پلیز.....'' وہ خود کو عیاں کرنا نہیں چاہتی تھی' تب ہی ٹوک دیا۔

''خیرو اپنی قابلیت کا تعین اگر مجھ سے کرواؤ' تو تم پوجے جانے کے قابل ہو۔ میں تمھیں دیوی کا سرٹیفکیٹ دوں گا۔'' اس نے گود میں دھرے ام خیر کے دودھیا ہاتھ کو تھامتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں کہا۔ ام خیر نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو.....؟'' اس نے ام خیر کی ناک کو ٹھوکتے ہوئے شوخی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ ام خیر کوئی جواب دیتی گاڑیوں کے تیز ہارن نے انھیں احساس دلایا تھا کہ وہ ٹریفک روکے کھڑے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''بولو خیرو.....'' اب وہ کینال کے ساتھ ساتھ گاڑی چلا رہا تھا۔

''گھر چلیں ابوذر.....'' ام خیر نے اسے گاڑی ٹرن کرنے سے روک دیا۔

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں' ہم اس وقت تک گھر نہیں جائیں گے جب تک تم میری محبت کا اقرار نہیں کر لیتی۔ ہم یونہی اس کینال کے گرد گھومتے رہیں گے.....'' ابوذر نے ٹرن لیتے ہوئے کہا۔ ام

خیر بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کی باتیں اور مسرتیں مجھے ذہنی ٹارچر کر رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ابوذر جو گنگنا رہا تھا۔ اس نے چونک کے ام خیر کو دیکھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ مجھے اس بات پر غور کرنا پڑے کہ تمھیں کس بات پر تکلیف ہو رہی ہے' نکل آؤ ماضی سے باہر۔'' وہ درشتی سے بولا۔

''مجھے اعتراف ہے کہ آپ کی محبت نے میرے دل میں محبت پیدا کی' مجھے اعتماد اور اعتبار دیا' لیکن میں نہیں چاہتی کہ میرے ماضی کی کوئی بھی یاد آپ کے حال یا مستقبل پر اثر انداز ہو.....'' وہ خود ترسی کا شکار تھی۔

''چلو تم نے مانا تو کہ تمھیں مجھ سے محبت ہے.....'' ابوذر نے اس کی بات اُچکی۔ ام خیر نے اپنے لفظوں پر غور کیا۔ وہ خفیف ہو کے باہر دیکھنے لگی۔

''جب تمھارے ماضی پر خدا نے پردہ ڈال رکھا ہے تو میں کون ہوتا ہوں اس پردے کو بار بار اٹھانے والا۔'' وہ ٹرن لیتے ہوئے بولا۔

''پھر بھی انسان کے قدم کہاں ڈگمگا جائیں پتہ نہیں چلتا۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو میں خود کو کس مقام پر پاؤں گی۔ آج آپ کی محبت میری طاقت ہے' کل کو یہی محبت پچھتاوے کی زد میں آئی تب ابوذر میں کیا کروں گی؟'' وہ سر جھکائے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ ان کا راؤنڈ ختم ہو چکا تھا۔ ابوذر نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے ٹرن لینے کی بجائے گاڑی گھر کے راستے پر ڈالی۔

''تم نے مجھے اتنا کم ظرف سمجھا' ام خیر.....'' اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ ام خیر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ ابوذر نے اسٹیئرنگ کو گھمایا۔ ام خیر کو لگا پل بھر میں یہ میلہ خزاں میں بدل گیا ہو۔ ٹرن نہ لینے کی وجہ کہ بات ختم..... مطلب یہ قصہ ختم..... کہنے سننے کے سارے مواقع ختم' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ دوسرے ی بے اختیار اس کا ہاتھ ابوذر کے اسٹیئرنگ پر دھرے ہاتھ پر رکھا۔ ابوذر نے روٹھے انداز میں اسے یکھا۔

''ہماری بات ابھی ختم نہیں ہوئی.....'' اس نے گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈالنے سے روکا۔ ''تمھیں تا ہے کہ اب بھی کچھ کہنا یا سننا باقی ہے.....؟'' وہ گاڑی روکے ہنوز لہجے میں بولا۔

''ابوذر آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں.....'' اس کا انداز تھکن لیے ہوئے تھا۔

''کیا تمھیں مجھ سے محبت نہیں.....؟'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس سے پہلے

kutubistan.blogspot.com

کہ ام خیر کوئی جواب دیتی' گاڑیوں کے تیز ہارن نے انھیں ایک بار پھر ٹرن لینے پر مجبور کیا۔ ابوذر نے گاڑی کینال سائیڈ پر کرنے کی بجائے دوسری جانب پارک کی۔

''اب بولو.....'' اس نے اپنا سوال دہرایا۔

''آپ میری زندگی کے ہر اس پرت سے واقف ہیں جنھیں میں خود بھی تنہائی میں دہراؤں تو میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے' میں نہیں چاہتی ابوذر کہ آپ جیسے مہان انسان کا سر شرم سے کبھی میری وجہ سے جھکے۔'' اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ ابوذر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''خیرو.....'' وہ آہستگی سے بولا۔

''جی.....'' ام خیر نے بے ساختہ کہا۔

''کس قدر تابعدار ہو تم یار.....'' اس کی بے ساختگی پر وہ ہنسا۔ ام خیر خجل ہوئی۔

''اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمھارے آنسو صاف کروں اور تمھارا ہاتھ تھام کر تم سے کہوں' خیرو میری جان' زندگی کو اور مجھے ایک موقع دو' ہم وعدہ کرتے ہیں تمھیں مایوس نہیں کریں گے' لیکن میں اتنا رومانس وہ بھی بیچ سڑک کے جھاڑوں گا تو وہ سامنے کھڑے پولیس والے' رنگ رلیاں مناتا کپل گرفتار' اس دفعہ کو ہم پر لگا دیں گے۔'' وہ معصومانہ انداز میں کہتے ہوئے ہنسا تھا۔ ام خیر نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بے تحاشہ قہقہہ لگایا۔ ابوذر اس دلفریب ہنسی میں ڈوب کے رہ گیا۔

''نکلو یار.....'' وہ موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے باہر نکلا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ بہار کی یہ خوبصورت شام ہم اپنی محبت کو خوش آمدید کہتے ہوئے یونہی اس کینال کے گرد گھومتے گزاریں.....'' وہ ام خیر کا ہاتھ تھام کر چلتا ہوا کینال تک آیا تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے پیدل چل رہے تھے۔ ابوذر نے اس کے لیے ڈھیروں کھلے' ادھ کھلے گلاب لیے تھے۔ ان پھولوں کو چھوتے ہوئے ام خیر کا اندر تک معطر ہوا تھا۔ وہ ان پھولوں کی مہک سے پور پور بھیگ گئی تھی۔ ابوذر کی محبت نے اس کے اندر سرشاری اور تفاخر کے طبل بجائے تھے۔ بہار کے سبھی رنگ اس کے چہرے پر اتر آئے تھے۔ ابوذر اس کی اُلوہی خوشی اور حسن سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

''محبت انسان کی روح اور دل دونوں کو بدل دیتی ہے۔'' وہ ام خیر کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ زندگی محبت سے شروع نہیں ہوتی بلکہ محبت زندگی ہے۔ بہار کی اس اجلی شام نے دو دلوں کو اک دوسرے کے احساس سے جل تھل کیا تھا۔ محبت کا ہر رنگ ان کی زندگی میں بھر دیا تھا۔

ہمارا جذبہ' ہمارا جنون

آیان کی پروگریس رپورٹ دیکھ کر اسے حیرت اور دکھ کا شدید دھچکا لگا تھا۔ اسے رتی بھر بھی اس قدر خراب رزلٹ کی امید نہ تھی' وہ بڑا بن ٹھن کر اس امید اور شوق کے ساتھ آیان کے اسکول آئی تھی کہ اس کا بیٹا فرسٹ نہ سہی لیکن سیکنڈ یا تھرڈ گریڈ پر تو ضرور آیا ہوگا۔

''مما میرا پیپر دی بیسٹ ہوا ہے۔'' رزلٹ سامنے ہونے کے باوجود اس کے کانوں میں آیان کی آواز گونج رہی تھی جو وہ پیپر دینے کے بعد آ کے کہتا تھا۔ اسے سامنے رکھے رزلٹ سے زیادہ بیٹے کے کہے گئے جملے پہ یقین تھا تب ہی اس نے پیپرز دیکھنے کی ضد کی جو ذرا سے تامل کے بعد مان لی گئی تھی۔ لیکن پیپرز دیکھنے پر اس کے ہاتھوں کے طوطے' کبوتر سب اڑ گئے تھے۔ ٹیچر کی طنزیہ مسکان پر اس کا دل رو دینے کو چاہا تھا اس نے بڑے دل' سکون اور حوصلے کے ساتھ آیان کی سب ٹیچرز کی دل جلا دینے والی بے عزتی برداشت کی تھی بلکہ اپنی ممتا پر ''لاپرواہ ماں'' ہونے کا طعنہ بھی سہا تھا۔ اس لمحے اس کا دل چاہا کہ وہ آیان کی ایسی درگت بنائے کہ ٹیچرز سے کروانے والی بے عزتی کا سارا ملال ڈھل جائے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل اس نے گھر آ کے کی تھی۔

''آئے ہائے لڑکی اب بس بھی کرو اور کتنا مارو گی معصوم جان کو.....'' بوا اماں جو کافی دیر سے آیان کو پیٹتے دیکھ رہی تھیں بالآخر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''کیسے رہنے دوں بوا..... اس کی رپورٹ دیکھ کر کلیجہ حلق کو آتا ہے۔ سارا سال لانے لے جانے کی' گرمی سردی میں اٹھنے کی' تیار کرنے کی جو محنت کی وہ الگ' اپنی نیند کی قربانی دی وہ الگ' اور جو پیسہ برباد ہوا اس کا حساب کوئی نہیں۔'' اس نے چلاتے ہوئے ایک بار پھر آیان کو اس قدر زور سے دھکا دیا کہ وہ درد سے بلبلا اٹھا۔

''خدا کا خوف کرو لڑکی' سارے ماں باپ ہی اپنی اولاد کے لیے کرتے ہیں تم کوئی انوکھا نہیں کر رہی یا احسان نہیں ہے کسی پہ.....' غضب خدا کا نہ بڑوں کا خیال' ناں لحاظ.....'' بوا اماں کو آیان

kutubistan.blogspot.com

کے یوں پٹنے پر تکلیف ہوئی تو بول پڑیں۔ انہوں نے آیان کو زمین سے اٹھایا اور اپنے دوپٹے سے اس کی کہنی سے رسنے والا خون جذب کرنے لگی۔ جبکہ وہ دوبارہ اس کی پروگریس رپورٹ دیکھنے لگی۔ جیسے وہ بدل چکی ہوگی۔ بوا اس کی بے حسی پہ کڑھ کے رہ گئی۔

''پانچ مضمونوں میں فیل ہے اور صرف ایک میں پاس۔ اچھا تھا اس میں بھی فیل ہو جاتا۔'' وہ ضبط کی آخری حدوں پے کھڑی تھی اس کا دل چاہا کہ وہ آیان کو مار مار کر بھرکس نکال دے۔

''جو ہونا تھا ہو گیا اب آگے توجہ دو.....'' بوا آیان کو گود میں بیٹھاتے ہوئے بولیں۔

''آلینے دو تمہارے باپ کو وہی سیدھا کرے گا تمہیں.....'' فرح نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ بڑا طرم خان لگا ہے' ہاتھ تو لگاؤ ذرا تم دونوں اب اسے.....'' بوا نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ فرح نے سر جھٹکا۔ ''جس کا نقصان ہوا اس نے تو اچھلنا ہی ہے' باقی تو صدقے واری ہی جائیں گے ناں' جیسے ہم دشمن اور دوسرے سجن ہیں.....'' اس نے دل کی کھولن بوا پے انڈیلی۔

''خالی پیسہ خرچ کرنے سے سارے قرض ادا نہیں ہو جاتے.....'' بوا اس موضوع کی طرف آئیں جو وہ کتنے عرصے سے چھیڑنا چاہتی تھیں لیکن فرح کی بدلحاظ طبیعت کی وجہ سے کبھی کہہ نہ سکیں کہ ہار سنگھار سے زیادہ بچوں کو اس کی ضرورت ہے۔ اب موقع ملا تو گنوانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

''تو کیسے ادا ہوتے ہیں قرض.....'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''توجہ اور محبت سے.....'' بوا رسان سے بولیں۔ ''ہر ماہ بھاری فیس اسکول کی ادا ہوتی ہیں۔ جو ٹیوٹر لگا ہے اس کی فیس الگ دیتے ہیں' اب گھول گھول کے پلانے سے رہے' اس کا اپنا دماغ ہی کند ہے' نالائق بے ہودہ۔'' وہ تخوت سے کہتے ہوئے اپنی دولت کا چرچا کرنا نہیں بھولی تھی۔ بوا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''کیا ٹوٹر (ٹیوٹر) بچوں پر ماں جیسی توجہ دے سکتا ہے.....'' بوا نے آیان کے بال سہلاتے ہوئے کہا جو ان کی گود میں سو چکا تھا۔

''تو فیس کس بات کی لیتے ہیں.....؟''

''آلینے دو اس کمبخت' خبیث کو.....'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ ''جو سال ضائع ہوا اس کی تو چلو خیر ہے لیکن پورے ایک لاکھ بیس ہزار کا اوپری خرچے نکال کے نقصان ہوا ہے۔'' اس کی جاہلانہ سوچ بھٹک کے پھر پیسوں پے آ کے رکی۔

''نقصان ہوں یا فائدے پیسوں سے زیادہ عقل کے محتاج ہوتے ہیں۔'' بوا کو اس کی بات بات پر

پیسوں کا حساب کتاب رکھنا برا لگتا تھا۔

''ہر چیز پیسوں سے نہیں خریدی جا سکتی۔ خاص کر توجہ.....'' بوا پیار سے بولیں۔

''ساری ذمے داریاں میری ہیں کیا۔'' وہ چڑ گئی۔

''نہیں کچھ فرض باپ کے بھی ہیں لیکن اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت میں بڑا ہاتھ ماں کا ہوتا ہے..... جیسے اچھا رہن سہن دینے میں بڑا حصہ باپ کا ہوتا ہے.....'' بوا اماں بچے کی طرح اسے سمجھا رہی تھیں۔

''یہ باتیں پرانی ہو چکی ہیں بوا..... پیسے سے سب کچھ ممکن ہے..... حتیٰ کہ کسی کا ایمان خریدنا بھی ناممکن نہیں.....''

''جس ماں کو خود تربیت کی ضرورت ہو وہ اولاد کی تربیت کیا کرے گی.....؟'' بوا نے تاسف سے سوچا۔ ''جاؤ صبح پیسے دے کے اس کی رپورٹ بدلوا لانا۔'' بوا کے لہجے میں محسوس کیے جانے والا طنز تھا۔

''اس کمبخت پرنسپل کو میں نے کہا تھا لیکن وہ نہیں مانی.....'' وہ شرمندہ ہوئے بغیر بولی۔ بوا نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''میں نے پہلی ماں دیکھی ہے جو اولاد کی دشمن ہے.....'' بوا کے لہجے میں افسوس تھا۔

''بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے..... اور مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی اولاد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی بجائے چور دروازے دکھا رہی ہو۔ روز قیامت اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گی کہ تم نے خود اپنی اولاد کو چوری کی عادت ڈالی۔'' انہوں نے گود میں سوئے آیان کو بستر پر لٹایا اور اٹھ گئیں۔

''بوا.....'' جانے ایسا کیا تھا بوا کی باتوں میں کہ فرح نے تڑپ کے اُن کا ہاتھ تھام لیا۔ بوا کو اس پے ترس آنے لگا۔ وہ کتنی دیر بوا کے ساتھ لگی سسکتی رہی۔ بظاہر مضبوط نظر آنے والے انسان اندر سے کس قدر کھوکھلے ہوتے ہیں۔ یہ تو تب پتا چلتا ہے جب آزمائش کی روش پر سے گزرا جائے۔ کہتے ہیں کہ جس انسان کو کوئی نہ رُلا سکے' اسے اولاد کا دکھ رُلاتا ہے۔ فرح کو بھی اپنی اولاد کے اندھیرے مستقبل نے رُلا دیا تھا۔

''آپ بتائیں بوا کہ میں کیا کروں.....؟'' پل بھر میں ہی اس کی اکڑ اور خودداری کانچ کے ٹکڑوں کی طرح بکھر گئی تھی۔

''ماں سے اچھا کوئی استاد نہیں ہو سکتا۔ جو ماں بچے کو پہلا لفظ بولنا سکھاتی ہے..... پہلا قدم چلنا سکھاتی ہے' اس ماں سے اچھا استاد اس دنیا میں کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ جو توجہ' محبت اور لگن ماں' بچے کو دے سکتی ہے ٹوٹر (ٹیوٹر) نہیں.....'' بوا کے لہجے میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔ ممتا کی مٹھاس' اپنائیت اور خلوص

kutubistan.blogspot.com

کی مٹھاس..... ''میں لیکن میں کیسے پڑھا سکتی ہوں.....؟'' وہ ہونقوں کی طرح بوا کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیوں.....؟ تم کیوں نہیں پڑھا سکتی.....؟ آج کل کی لڑکیاں تو چلتر' ہر کام میں طاق ہوتی ہیں۔'' بوا کو اس کے انکار پر حیرت ہوئی۔ فرح نے جواب دینے کی بجائے بے چینی سے پہلو بدلا اور سوئے ہوئے آیان کو دیکھنے لگی۔

''ٹپ' ٹپ' ٹپ.....'' ایک' دو اور پھر تواتر سے آنسو اس کی کاجل لگی آنکھوں سے بہنے لگے۔

''کیا ہوا بیٹا۔ زندگی میں اونچ' نیچ' کامیابی' ناکامی آتی رہتی ہے۔ دل کیوں چھوٹا کرتی ہو.....؟'' بوا نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے محبت سے کہا۔

''میں نہیں پڑھا سکتی بوا۔ اس کا کورس اتنا مشکل ہے' مجھے سمجھ نہیں آتا.....'' وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔ بوا کو اس کی بات پہ ہنسی آ گئی۔ ''اس میں پریشانی کیسی۔؟ دو چار بار پڑھو گی تو سمجھ آ جائے گا۔'' اپنے تئیں انہوں نے بڑا اچھا مشورہ دیا۔ فرح نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگی۔

''نہیں بوا..... ' یہ میرے سے نہیں ہوگا۔ میں بھاری فیس افورڈ کر سکتی ہوں لیکن اسے خود نہیں پڑھا سکتی.....'' اس کے لہجے میں شرمندگی اور افسوس تھا۔ اتنے سالوں میں اسے پہلی بار اپنی کمی کا احساس ہوا تھا۔

''کیوں.....؟'' بوا نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''اس لیے کہ میں صرف ماں ہوں.....؟ پڑھی لکھی ماں نہیں.....'' اس کا جھکا سر اور بھی جھک گیا۔ بوا رکی سانس سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

وہ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن۔ زندگی میں ہر سکھ' سکون' روپیہ پیسہ' لکشمی بن کر برستا' ناں کبھی کسی خواہش کا گلا دبایا اور نہ ہی کسی آرزو کا خون کیا۔ حتیٰ کہ فرح کے حسن کے آگے حسن دیویاں بھی مانند پڑ جاتیں۔ کہتے ہیں کہ جب حسن ہو تو نزاکت آ جاتی ہے..... دولت ہو تو غرور آ جاتا ہے' سراہنے والے ہوں تو نخرے نہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ فرح بھی قسمت کی دھنی تھی۔ رب سوہنے نے اس کی قسمت اور حسن کو فرصت سے بنایا تھا۔ ابھی اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ رشتوں کی لائن لگ گئی۔ وائے قسمت کہ کوئی بھی رشتہ اس کے بھائیوں اور ماں باپ کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ انہیں اپنی شہزادی بیٹی کے لیے جو بقول ان کے آدھی سلطنت کی وارث ہے۔ اسے کسی خوبصورت شہزادے' جو پوری سلطنت کا وارث ہو' امیر کبیر شخص کا انتظار تھا۔ انسان سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے۔

قسمت چلتے چلتے کہاں گھٹنے ٹیک دے احساس نہیں ہوتا۔ ہوا کا کونسا جھونکا طوفان کی آمد کا باعث بنے' یہ بھلا کون جانتا ہے.....؟

سب کچھ ہونے کے باوجود اسے پڑھنے کا شوق نہیں تھا' میٹرک رو رو کے تھرڈ گریڈ میں پاس کیا کالج میں داخلہ نہ لینا اس کی دلی خواہش تھی اور سونے پہ سہاگہ اس کے پانچوں بھائی تعلیم کے خلاف تھے۔ خاص کر عورتوں کی تعلیم کے خلاف۔

''عورتوں کی تعلیم نرا پیسے کا ضیاع..... کرنا تو ہانڈی چولہا ہے ناں.....'' ماں کے کمزور سے احتجاج پر بڑے بھائی نے اپنی جاہل سوچ کا اظہار کیا۔

''بھاء ٹھیک ہی تو کہتا ہے اس نے کونسا نوکری کرنی ہے یا پڑھ لکھ کر کوئی معرکہ مارنا ہے۔ پالنے تو وہی بچے ہیں ناں' اور بچے پالنے کے لیے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی۔' عورتوں کا کام ہی مرد کی خدمت کرنا اور اس کے لیے بچے پالنا ہے۔'' دوسرے بھائیوں نے بھی بڑے بھائی کا ساتھ دیتے ہوئے عورت کے تقدس کو ناں صرف پامال کیا جبکہ بے وقعت بھی کیا۔ ماں کو بیٹوں کے خیالات جان کے افسوس ہوا لیکن وہ بھی عورت تھی' کمزور اور لاچار عورت' جس پر مرد حکومت کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ پھر یہ مرد بیٹا ہو' باپ' شوہر یا بھائی کیا فرق پڑتا ہے۔

البتہ فرح کے تو وارے نیارے ہو گئے' اس کی دلی مراد بھر آئی کہ پڑھائی سے جان چھوٹی۔ اب سارا دن اس کا صرف ایک ہی مشغلہ ہوتا' بن ٹھن کے ٹی وی کے آگے بیٹھنا۔ یا کچن گرہستی سیکھنا۔ وہ اس بات پر ایمان لے آئی کہ عورت کی تعلیم کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ناں ہی مرد پڑھی لکھی عورت کو پسند کرتا ہے۔ شوہر کے دل کا رستہ معدے سے ہو کے گزرتا ہے اور اس ہنر میں اس نے خود کو طاق کر لیا۔

''حیرت ہوتی ہے مجھے کہ آج کے دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو عورت کی تعلیم کے خلاف ہیں' جو روپیہ پیسے کو ہر عیب چھپانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک عورت اک باندی سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔'' روبی اس کی سب سے قریبی سہیلی' اس نے کتنا سمجھایا کہ اگلے داخلہ لے لو' عورت کی تعلیم اس کی ذات کے ساتھ ساتھ پوری ایک نسل کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔' عورت اک نسل کی امین ہوتی ہے' اسے مرد سے زیادہ تعلیم کی ضرورت ہے۔'' وہ بددلی سے روبی کی باتیں سنتی اور اس کے جاتے ہی اپنی روش پر لوٹ آتی۔ اس کے خیال میں دنیا کے کیا سارے استاد مر گئے ہیں جو میں مغز ماری کروں گی' اپنی اولاد کے ساتھ.....!

دنیا جہاں کی دولت ہے میرے پاس..... ناں بھی پڑھیں گے میرے بچے' تب بھی بھوکے نہیں

kutubistan.blogspot.com

مریں گے۔'' اس کے لب و لہجے اور سوچ میں حقارت اور تنفر بھرا ہوتا۔ جاہل کو سمجھانے کا مطلب ہے دیوار سے سر پھوڑنا۔ جسے انسان نہ سمجھائیں اس کو وقت اور حالات سمجھاتے ہیں' اسے اپنے حسن اور دولت پہ مان تھا' ہمسفر بھی من پسند سراہنے والا ملا۔ ہیر پڑھا لکھا' سلجھا ہوا انسان تھا' پہلی ہی رات فرح کے حسن ادا پر مر مٹا.....' اسے فرح کی کم تعلیم پر افسوس تھا لیکن اس نے سوچا کہ وہ اپنی محبت سے اسے قائل کرے گا۔ شاید کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ حدوں کے بگڑے پیار محبت سے قائل نہیں ہوتے۔' اس نے فرح سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا لیکن فرح کی وہی جاہلانہ سوچ۔' وہ اس کو نہ سمجھا سکا لیکن خود ہی جب ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو باہم دل سے بھی رشتوں میں مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ فرح کو صرف اپنی ذات سے دلچسپی تھی۔ بڑی بیگمات کی طرح بن ٹھن کے رہنا۔ پارٹیز اٹینڈ کرنا۔ لفظ بگاڑ کے بولنا' اس کا من پسند مشغلہ بن گیا۔ آیان اور پھر فاطمہ کی پیدائش کے بعد اس کی رہی سہی توجہ بھی ظہیر سے ہٹ گئی۔ بچے گورنس کے ہاتھوں چلے گئے۔

ظہیر نے احتجاجاً بچوں پر توجہ دینا چھوڑ دی لیکن کب تک' جب ان کی اسکولنگ کا وقت آیا تو اس نے شہر کے بہترین اسکول میں داخلہ کروایا۔

''ضرورت کیا ہے اتنے مہنگے اسکولوں میں داخل کروانے کی.....'' فرح نے اعتراض اٹھایا۔

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔'' بلا لحاظ کے جواب آیا۔ ''پڑھنا ہی ہے ناں تو کسی گورنمنٹ اسکول میں داخل کروا دو۔ اتنی فضول خرچی کرنے کی ضرورت کیا ہے۔'' فرح کو فضول خرچی صرف کتابوں اور اسکولوں کی حد تک نظر آتی تھی۔

''مجھے تم جاہل' ان پڑھ عورت کے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں..... بہتر ہے کہ تم میرے اور میرے بچوں کے معاملے میں نہ پڑو۔'' انداز ایسا کسیلا تھا کہ فرح مزید بولنے کی جرات نہ کر سکی۔ ظہیر بچوں کی پڑھائی کے معاملے میں جنونی تھا۔ بہترین اسکولنگ دینے کے باوجود ٹیوٹرز سے مدد لی جاتی.....' شاید وہ بھول گیا تھا کہ بچوں کو اچھی اسکولنگ دینا اور بھاری فیس جمع کروانا ہی ساری ذمہ داری نہیں ہوتی۔ ناں ہی سارے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ماں باپ کی اپنی توجہ اہمیت کی حاصل ہوتی ہے جو دونوں ہی دینے سے گریزاں تھے۔ ماں ویسے ہی کتابوں سے بدکتی تھی' اور باپ فیس ادا کر کے خود کو ہر ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیتا۔ ان کی عدم توجہی بچوں میں عدم اعتماد کا باعث بنی بلکہ ان کی ذہانتوں کو بھی زنگ آلود کرنے لگی۔

بوا نے پوری توجہ اور محبت سے اس کی بات سنی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا اک طویل وقفہ

ٹھہر گیا۔ ''میں تو خود جاہل' ان پڑھ ہوں' لیکن میرا تجربہ اور عمر یہ کہتی ہے کہ جو سبق ماں بچے کو دیتی ہے' بچہ وہ سبق کبھی نہیں بھولتا۔ تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں ہے مجھے.....' لیکن ماں کے اپنے قاعدے ہوتے ہیں۔ ہر دور کے اپنے اصول ہوتے ہیں اور آج کے دور کا اصول ہے کہ ماں باپ دونوں ہی پڑھے لکھے ہوں۔ ہمارے ابا جی کو ہمیں پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ وہ ہم چاروں بہن بھائیوں کو روز اپنے پاس بٹھا کے تختی لکھواتے۔ ذرا ہمارا ہاتھ رکا' ابا کا ڈنڈا ہمارے ہاتھ پر لگتا۔ ہم شعور کی عمر تک یہی سمجھتے رہے کہ ابا پڑھے لکھے ہیں۔ ہمیں حیرانی ہوتی کہ ابا کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ ہم لکھتے لکھتے بھول گئے ہیں۔ ہر دوسرے دن ابا ہمارے اسکول جاتے' نیا کلف لگا سوٹ پہن کر۔ ہمارے استادوں سے ملتے' ان سے ہماری پڑھائی کی باتیں کرتے۔ ابا کو ہمیں پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ تب ہا..... قسمت نے یاوری نہ کی۔ تقسیم سے دو سال پہلے ابا چل بسے۔ ہمارا خاندان تقسیم میں ہی لٹ پٹ گیا۔ بدقسمتی سے ہم تنہا بچے' دکھوں میں خوشیوں کا احترام کرنا بھلا کب یاد رہتا ہے' لیکن ہم نے اپنی ساری اولادوں کو پڑھایا۔ حالانکہ ہم پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن بات جذبے کی ہوتی ہے۔'' بوا کہہ کے خاموش ہو گئی۔ ان کی آنکھوں میں اپنے بچوں کے لیے فخر اور محبت ہلکورے لے رہی تھی۔

''بوا کیا آپ کے ابا واقعی پڑھے لکھے تھے۔'' دل میں مچلتا سوال زبان پر آ گیا۔

''نہیں.....'' بوا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تو ان کو پتا کیسے چلتا تھا کہ آپ تختی بھول گئی ہیں۔'' فرح کے لہجے میں اشتیاق اور آنکھوں میں حیرانی تھی۔

''ہمارے ابا چٹے ان پڑھ تھے' انہیں تو اپنا نام بھی لکھنا نہیں آتا تھا۔ پر تھے بڑے ذہین' ایک بار جو سن لیتے پھر بھولتے نہیں تھے۔ ہم نے پوچھا آپ کو پتہ کیسے چلتا ہے کہ ہم تختی لکھتے بھول گئے ہیں۔'' تب ابا نے ہنستے ہوئے بتایا تھا کہ ''جب تم ہاتھ روکتے ہو تو ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ تم اگلا لفظ بھول گئے۔ اور جب پڑھتے پڑھتے اٹکنے لگتے تو ہمیں پتا چل جاتا تھا۔ ہمیں یہ ڈر رہتا کہ ابا کو پتا چل گیا کہ ہم بھول گئے ہیں تو ابا بڑے زور سے ڈنڈا ماریں گے' ابا کے ڈر سے ہمیں یاد آ جاتا کہ اب آگے کیا لکھنا ہے یا پڑھنا ہے۔'' یادوں نے بوا کو اداس کر دیا تھا۔ وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں۔ فرح ان کے گلے لگ کے خود بھی سسکنے لگی تھی۔ بوا نے اسے سمجھایا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اولاد کے لیے ماں ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ماں کے ساتھ اک اچھا استاد ہونا بھی ضروری ہے۔ جس سے وہ آج تک نابلد تھی۔ وہ خدا کا اور بوا کا شکر کرتے نہیں تھکتی تھی کہ بروقت اسے اپنی کمی کا احساس ہو گیا ہے کہ عورت کی تعلیم سب سے اہم ہے۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ عورت نے پڑھ لکھ کے کیا کرنا ہے۔

kutubistan.blogspot.com

دراصل وہ ایک نسل کو تباہ کرتے ہیں' ایک نسل کے تباہ ہونے کا مطلب آنے والی کئی نسلوں کی تباہی۔ فرح کو کم از کم اپنی انے والی نسلوں کی تباہی منظور نہیں تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ بچوں کے صرف فرائض پورے کرنے ضروری نہیں بلکہ ان کو وہ' اعتماد اور تحفظ دینا بھی ضروری ہے اور یہ کام ماں سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا اور جب ماں پڑھی لکھی ہو تو اولاد کے روشن مستقبل کی ضمانت بن جاتی ہے۔

فرح نے نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ دوبارہ سے پڑھنا وہ بھی فرح جیسی کند ذہین لڑکی کے لیے خاصا مشکل ہے لیکن جب جذبے' حوصلے اور ہمت ساتھ ہو تو کوئی بھی کام مشکل نہیں رہتا۔ مانا زمانہ بدل چکا ہے۔ صرف زمانے کا بدلنا ہی ضروری نہیں بلکہ زمانے کے ساتھ سوچ سمجھ میں وسعت لانا بھی ضروری ہے۔

ایک عورت ایک نسل کی امین ہے' آج ہمیں ایک ایسی نسل کی ضرورت ہے۔ جس کی تربیت پر پوری انسانیت کو فخر ہو۔ جس کی ماں پر سب کو رشک آئے.....' اور فرح نے خود کو ایسی ہی ماں بنانا ہے۔ اپنے حصے کا کردار ادا کرنا ہے۔

ہے جذبۂ جنون تو ہمت نہ ہار
جستجو جو کرے وہ چھوئے آسمان

☆☆☆

حریص محبت

محبت پاکیزگی ہے' لیکن جب یہ پاکیزگی کی حدوں سے نکلنے لگے تو محبت کے حصار سے بھی آزاد ہو جاتی ہے' باقی بچتا ہے تعلق..... نفس اور خواہش کا تعلق..... اور دونوں تعلق ہی بے لگام ہیں۔ نفس اور خواہش کی اک لمحے کی کمزوری جب انسان کو اپنے شکنجے میں لیتی ہے تو پھر اسے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل کے ہی دم لیتی ہے۔ اک لمحے کی انسان کے نفس کی کمزوری ''توبہ'' اور ''معافی'' کے سارے رستوں کو مقفل کر دیتی ہے کہ چاہ کے بھی انسان ''امان'' کے رستے نہیں ڈھونڈ پاتا۔ حصے آتا ہے تو افسوس اور ملال' اور دونوں کا ہی مداوا نہیں۔

محبت بندگی ہے اس میں تن کا قرب مت مانگ
کہ جسے چھو لیا جائے اس کی عبادت نہیں ہوتی

اس نے بوسیدہ سے دروازے پر کوئی تیسری بار دستک دی تھی تب ہی سترہ' اٹھارہ سال کی لڑکی نے دروازہ کھولا۔

''میرا نام ملیح ہے' ڈاکٹر ملیح احمد.....'' آنے والے نے اپنا تعارف کروایا۔

''آیئے.....'' لڑکی نے اندر آنے کا رستہ دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی بو کے تیز بھبکے نے ڈاکٹر کو دوسرا قدم بڑھانا مشکل کر دیا۔ اس کا دل چاہا واپس پلٹ جائے۔ بے اختیار انہوں نے ناک پر ہاتھ رکھا۔ انہیں ابکائی آنے لگی تھی۔ گھر کیا تھا' چھوٹا سا صحن اس کے بھی ایک کونے میں کچن نما کچھ بنا تھا' ذرا فاصلے پر نل' جس میں سے نکلتے قطرہ قطرہ پانی سے زمین سبز رنگ کی ہو چکی تھی۔ جس پر مچھروں کی بہتات تھی۔ بالکل سامنے ایک کمرہ جس کے دروازے پر بے حد بوسیدہ پردہ لٹک رہا تھا۔ کمرے کی دیواریں اس قدر سیلن زدہ تھیں کہ سیلن کی بو باہر کھڑے بھی سانس لینا محال کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کچھ فاصلے پر مطمئن کھڑی لڑکی کو دیکھا جو کہیں سے بھی اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر کو حقیقتاً اس کے اطمینان سے حیرانگی ہوئی۔

''آپ کو فون میرے ڈیڈ نے کیا تھا۔'' وہ ڈاکٹر کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھتے ہوئے

kutubistan.blogspot.com

بولی۔انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو' آپ بھاری فیس کی فکر نہ کریں۔ڈاکٹر نے اک نظر اسے دیکھا اور مریضہ کے بارے پوچھنے لگا۔وہ اسے لیے کمرے میں چلی آئی۔جہاں چارپائی پر اک نحیف سا وجود اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔لڑکی نے بدرنگ' زنگ آلود کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا جو مریضہ کے پاس دھری تھی۔

''مریضہ کی کیس ہسٹری مجھے مسٹر عدنان نے بتائی ہے' ان کی حالت ایسی نہیں کہ انہیں گھر میں رکھ کر ٹریٹمنٹ دی جائے۔'' وہ بیٹھے بنا بولے' انداز عجلت لیے تھا۔

''آپ فیس کی فکر مت کریں۔'' لڑکی کو لگا' ان کے انکار کی وجہ یہی ہے۔ڈاکٹر نے اک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔''ان کی کنڈیشن خاصی سیریس ہے۔'' ڈاکٹر نے مدہوش مریضہ کی نبض تھامتے ہوئے کہا۔

''انہیں فوری ہاسپٹل لے جانا پڑے گا۔'' انداز جان چھڑانے والا تھا۔

''نہیں..... 'آئی' نے منع کیا تھا کہ انہیں ہاسپٹل نہ لے جایا جائے۔'' لڑکی نے فوراً انکار کیا۔

''کمال ہے' یہ کیا حماقت ہوئی کہ جان چلی جائے لیکن وصیت کے خلاف نہ جایا جائے۔'' ملیح درشتی سے کہتے مریض کی بے دم نبض ٹٹولنے لگے۔انہوں نے بے دلی سے مریضہ کا چہرہ اپنی جانب کیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کے بے دلی سے چلتے ہاتھوں میں حرکت آ گئی۔وقت بدل سکتا ہے لیکن چہرے نہیں بدلتے۔جو چہرے آنکھوں کو پیارے ہوں انہیں وقت اور حالات کی ستم ظریفی بھی مسخ نہیں کر سکتی۔

ملیح احمد نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس چہرے کو پہچانا تھا۔وقت نے اس چہرے کو بھلے جھریوں سے ڈھک دیا تھا۔اس کے باوجود اس چہرے کا اپنا پن ملیح کے دل میں کھب گیا۔کتنے سالوں سے وہ اس چہرے کی تلاش میں بھٹک رہا تھا' وہ دشمن جان ملا بھی تو کس حال میں۔''انو.....'' دل نے شدت اور فرط جذبات سے نیم بے ہوش وجود کو پکارا۔وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

اسے آئے تین گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے۔اسے جو اک لمحہ یہاں کھڑے ہونا عذاب لگ رہا تھا۔ اب اطمینان سے مریضہ کے سرہانے بیٹھا اس کے ہوش میں آنے کا منتظر تھا۔

''یہ تمہاری کیا لگتی ہیں.....؟'' دل میں اودھم مچاتے سوال نے لبوں پر آ کے دہائی دی۔

''آئی'' ہیں میری' انہوں نے مجھے پالا ہے۔'' وہ محبت سے ''آئی'' کو دیکھنے لگی۔

''ان کے رشتے دار.....'' سوال پوچھتے ہوئے دل رکا تھا۔''معلوم نہیں' یہ تیس سال سے ہمارے پاس ہیں۔ان کا بیٹا اسلام آباد میں ہوتا ہے' میں نے فون کر دیا ہے شام تک آ جائیں گے۔'' شاید لڑکی کو بولنے کا شوق تھا۔اس لیے بلا تکان بول رہی تھی۔لفظ ''بیٹا'' پر ملیح کی سانسیں رکی تھیں۔انہوں نے

چونک کے لڑکی کو دیکھا جیسے مرنے والا بچ جانے کی خواہش میں آخری بار پھانسی دینے والے کو دیکھتا ہے۔انہیں نہیں معلوم کہ لڑکی مزید کیا بولی۔دل اور دماغ لفظ 'بیٹا' پر اٹک گئے تھے۔

☆☆

''کب بھیج رہے ہو اپنے والدین کو میرے گھر.....'' انوش اس کے برابر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔''کم آن انو' تم پر شادی ہی کیوں سوار رہتی ہے.....؟'' ملیح جس کا موڈ اس وقت اور ہی داستان کے موڈ میں تھا' اس کی بات پر جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

''ایسا نہیں ہے ملیح' اب تو ہمارا ہاؤس جاب بھی ختم ہو گیا ہے اور مما پر میری شادی سوار ہو گئی ہے۔'' وہ حقیقتاً پریشان تھی تب ہی آج کل اس کا دباؤ ملیح پر بڑھ رہا تھا۔جبکہ ملیح کی ٹامک ٹوئیاں ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔

''اپنی مما سے کہہ دو کہ تم میری امانت ہو اور میں ہی تمہیں لے کے جاؤں گا۔'' وہ محبت سے اس کے گال چھو کے بولا۔انوش کو اس کا چھونا ہمیشہ کی طرح برا لگا لیکن خاموش رہی۔اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی تھیں۔

''کیا ہوا.....؟'' اس کا انداز مذاق اڑاتا تھا۔

''بات شادی کی نہیں' رشتوں کی ہوتی ہے' انسان کی محبت چاہے کتنی ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو' ہمارے معاشرے میں اہمیت صرف شرعی اور قانونی بندھن کی ہوتی ہے۔'' اس نے بھی دل کی بھڑاس نکالی۔

''او.....'' تو تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا رشتہ ناجائز ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی' گاڑی کے ٹائر بری طرح چرچرائے تھے۔

''جائز بھی نہیں.....'' وہ چڑی بیٹھی تھی۔

''جب اعتبار نہیں ہوتا تو ملنے کیوں آتی ہے.....؟'' وہ بھی تلخ ہوا۔انوش کچھ نہ بولی۔

''تمہاری نظر میں صرف جسم کے رشتوں کی اہمیت ہے' دل کے رشتے اہمیت نہیں رکھتے۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ.....''

''چپ..... بالکل چپ۔'' اس نے سختی سے اس کی بات کاٹی۔''آئندہ تم مجھ سے نہیں ملو گی۔'' اس نے کہہ کے گاڑی اسٹارٹ کی اور انوش کے گھر جا کے روکی۔انوش نے اک نظر اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا اور گاڑی سے اتر آئی۔ملیح اس پر اک بھی نگاہ ڈالے بنا گاڑی زن سے لے گیا۔انوش کی

kutubistan.blogspot.com

نگاہیں کتنی ہی دور تک اس کی گاڑی کا تعاقب کرتی رہیں۔

☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے' بات کوئی اتنی بڑی نہ تھی لیکن ملیح بری طرح خفا تھا۔ وہ انوش کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ جبکہ انوش اس سے بات کرنے کو مری جا رہی تھی۔ وہ کئی کئی بار اسے فون کرتی' جواباً وہ اس کی آواز سنتے ہی لائن کاٹ دیتا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ شقی القلب انسان' ذرا ذرا سی بات پر خائف ہو جانے والا۔ بلا کا انا پرست اور ضدی' جب انا پرستی میں ضد اور خود غرضی شامل ہو جائے تو انسان کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اس میں تینوں خامیاں ہی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود انوش کو اس سے محبت تھی۔ جب دو لوگوں کے درمیان 'محبت' کا پاکیزہ جذبہ آ جاتا ہے تو سبھی خامیوں اور برائیوں پر غالب آ جاتا ہے۔ محبوب کی ہر غلط بات بھی اس کی خوبی اور ادا لگتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب محبت میں حدود و قیود کو ختم کر دیا جائے تو محبت کی پاکیزگی دم توڑ دیتی ہے۔ انوش اور ملیح کی محبت میں بھی ایسے ہی دائرے کھینچ رہے تھے۔ ملیح محبت میں کسی حد کا قائل نہ تھا۔ جبکہ انوش محبت میں حد توڑتے جذبات کے خلاف تھی۔ یہی بات اکثر و بیشتر دونوں کے درمیان وجہ تنازع بنتی۔ ہر بار انوش کو ہی منانا پڑتا۔ اس بار بھی یہی ہوا تھا۔ انوش اسے منا منا کے تھک گئی تھی' اپنی غلطی نہ ہونے کے باوجود۔ وہ نہ تو فون ریسیو کر رہا تھا اور نہ ہی ہاسپٹل آ رہا تھا۔ اس لیے انوش کی پریشانی بجا تھی۔

''کہاں ہو تم.....'' آخر اس نے فون ریسیو کیا' انوش نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''آؤ' پھر بتاتا ہوں۔'' خلاف معمول وہ نرمی سے بولا۔ انوش اس قدر اس سے ملنے کو بے تاب تھی کہ اس نے کچھ نہ سوچا اور اس سے ملنے چلی آئی۔ یہی اس کی بڑی غلطی تھی۔ محبت میں انسان کب کچھ سوچتا ہے۔ محبت تو خود میں اعتبار ہوتی ہے۔ پھر بے اعتباری کیسی وہ سوچتی' لیکن وہ اپنی محبت کے اندھے پن میں بھول گئی تھی کہ محبت اور انسانوں کے الگ الگ تقاضے ہوتے ہیں۔

دروازہ ہلکا سے دھکیلنے پر ہی کھلتا چلا گیا۔ اس نے اندر آ کے حنا (ملیح کی بہن) کو پکارا۔

''آ جاؤ انو.....'' سامنے کمرے سے ملیح کی آواز آئی۔ وہ آواز کی سمت بڑھی۔

''کیا گھر میں کوئی نہیں ہے.....'' وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''آں' ہاں..... بس آنے والی ہیں مما اور حنا۔'' وہ نقاہت سے بولا۔ انوش کو اپنی حماقت پر جی بھر کر غصہ آیا۔ وہ پلٹ جانا چاہتی تھی۔ جب ملیح نے اسے اندر آنے کو کہا۔ انوش کے اندر بے چینی اتری تھی ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اسے ملیح سے ملنے پر گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ملیح جانتا تھا کہ وہ اس کے کمرے میں نہیں

آئے گی تب ہی اس نے نا اٹھنے کی ایکٹنگ کی۔ ''آ جاؤ' انو یقین مانو اس وقت میں انتہائی بے ضرر انسان ہوں اور اٹھ نہیں سکتا۔'' اس کی وضاحت پر انوش نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کا دل بے طرح دھڑکا تھا۔ جانے کیوں اس کی دھڑکنیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ ان بے یقین دھڑکنوں کو نظر انداز کرتی اندر چلی آئی۔ محبت تو اعتبار اور یقین کا دوسرا نام ہے۔ پھر وہ کچھ غلط کیوں سوچتی۔

''بیٹھو.....'' اس نے بیڈ کے کنارے اس کے لیے جگہ بنائی جسے انوش نظر انداز کرتی قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ملیح جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

''کیا ہوا تمہیں.....'' وہ بے تابی سے بولی۔

''تمہاری جدائی نے بے حال کر دیا ہے.....'' بے دھڑک بولا۔ انوش کے کان کی لویں تک سرخ ہوئی تھیں۔

''کیسی ہو جانم.....'' وہ اسے دیکھتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں بولا۔ انوش کی آنکھیں بھر آئیں۔

''پلیز انو' میری جان رومت۔'' وہ بے چینی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''لیٹے رہو.....'' انوش نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اسے اٹھنے سے روکا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اسے شدید کھانسی آئی کہ رُکنے میں نہ آئی۔ انوش نے پانی کا گلاس ملیح کی جانب بڑھایا۔ ملیح نے پانی پکڑنے کی بجائے اس کی کلائی کو تھام لیا اور خود پر جھٹکا دیا۔ انوش کے ہاتھ کی گرفت کمزور پڑی اور گلاس دور جا گرا۔ ملیح نے پھرتی سے اسے اپنی بانہوں میں جکڑا تھا۔

''بہت تڑپایا ہے تم نے' میری محبت کو تشنہ کیا ہے۔'' وہ اس کا چہرہ چومنے کی کوشش کرنے لگا۔ انوش بے آب مچھلی کی طرح اس کی بانہوں میں تڑپ رہی تھی۔ اسے اپنا دم نکلتا محسوس ہوا۔ ''چھوڑو ملیح.....'' وہ اپنا چہرہ دائیں بائیں کرتی التجا کر رہی تھی۔

''کتنی بار تمہارا قرب مانگا' ہر بار انکار کیا' سوری مجبوراً مجھے یہ سب کرنا پڑا.....'' وہ خباثت سے بولا۔ انوش کو لگا اب وہ خود تو پامال ہونے سے نہیں بچا پائے گی۔ اس کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ اچانک اس نے ملیح کی کلائی پر بے حد زور سے کاٹا۔ درد کی شدت سے ملیح تلملا اٹھا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ انوش موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے سرپٹ بھاگی۔ اس کی جوتی' بیگ اور دوپٹہ وہیں رہ گئے تھے۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے مین گیٹ لاک نہیں کیا تھا۔

وہ باہر نکلتے ہی گاڑی میں بیٹھی اور زن سے لے اڑی۔ اپنے پیچھے اس نے ملیح کو چلاتے سنا تھا۔

kutubistan.blogspot.com

محبت کی کرچیاں بری طرح بکھری تھیں۔ جس نے اس کے جسم اور روح دونوں کو چھلنی کیا تھا۔ اتنے زخم آئے تھے کہ وہ بے دم ہو کے گری۔ محبت کی کرچیوں نے اس کے خواب کو بری طرح زخمی کیا تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ اسے نہیں معلوم کہ وہ کس جانب جا رہی ہے۔ اس نے انجان لیکن پر رونق جگہ جا کے گاڑی روکی۔ اپنی بے بسی اور ملیح کی بے وفائی پر اسے ٹوٹ کے رونا آیا اور وہ شدت سے رو دی۔

☆☆

اس کی محبت نفس پر غالب آئی تھی۔ اپنے نفس کی کمزوری کے آگے اس نے انوش کی پاک اور مقدس محبت کی بے حرمتی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ محبت اتنی ارزاں تو نہیں کہ اسے نفس اور خواہش کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر اس نے محبت کو بے مول کرنے کے بارے میں سوچا بھی کیسے۔ اسے رہ رہ کے ملیح کی بے وفائی پر رونا آتا۔ ایسی چپ اور بے یقینی اس کے حواسوں پر سوار ہوئی کہ وہ جو شادی کے نام پر ملیح کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچتی بھی نہ تھی۔ خود کو حالات کے دھارے چھوڑ دیا۔ ملیح نے تو اسے بیچ منجدھار کے چھوڑ کے اس کے ڈوبنے کا تماشہ دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ ملیح کی بے اعتنائی اس کی روح کو گھائل کر دیتی۔ اسے اس بات سے سروکار نہیں تھا کہ اس کی شادی کس سے ہو رہی ہے۔ دل میں ارمان جیسے مر گئے تھے۔ کسی کی چھیڑ خانی نے اس کے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچائی تھی۔ جذبات ایسے ٹھنڈے تھے کہ نئے رشتے کے نرم گرم جذبات و احساسات نے بھی اسے نہیں پگھلایا تھا۔ ٹی سی ایس کے ذریعے اسے اپنی جوتی' بیگ اور دوپٹہ وصول ہوا۔ احساس ندامت سے اس کی روح تک رو دی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ شادی ہو گی تو ماضی بھی مر جائے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس کا ماضی اس کا حال اور مستقبل بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جی جان سے جل اٹھی۔ اس کی شادی ملیح احمد سے ہوئی تھی جس نے اس کی زندگی سے اعتبار اور یقین کو بے یقینی کی سولی چڑھا کے بنا جرم کے پھانسی کی سزا دی تھی۔

''جی پارسا بی بی..... کیسا لگا میرا سرپرائز۔'' اس نے انوش کا گھونگھٹ الٹتے ہوئے فخر سے کہا۔ انوش کے جسم سے جان نکلی تھی۔ اب اس کی زندگی میں کونسا امتحان باقی تھا کہ ملیح آزمائش بنا اس کی زندگی میں شامل ہو گیا تھا۔

''جب دل نہیں چاہتا تب دعائیں کیوں قبول ہوتی ہیں۔'' وہ خدا سے شکوہ کرنا نہیں چاہتی تھی پھر بھی حالات کی ستم ظریفی نے اسے شکوہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ خدا سے شکوے نے فوراً قبولیت کی سند دی

تھی۔ ملیح نے اسے طلاق دے کر اس کی پارسائی کو ایسا داغدار کیا کہ فرشتے بھی اس ناانصافی پر کانپ اٹھے ہوں گے۔ سارے قبول و ایجاب چھین کر اسے صحرا کی اس تشنگی کے حوالے کیا کہ آنے والی نسلوں نے بھی محبت سے توبہ کر لی۔ محبت کے نام پہ وہ ایسی لوٹی کہ بن باس سزا کاٹی۔ نامحرم بنا کے محرم کی طرح رات گزاری۔ اس کی ہر ہر فریاد رات کی تاریکی میں ایسی ڈوبی کہ تمام عمر اسے صبح کا تارہ نہ ملا۔ جانے کیسی اس کے اندر بدلے کی آگ لگی تھی کہ صبح ہوتے ہی وہ اپنی بات سے مکر گیا۔ کوئی بھی انوش کی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ سب ہی اس سے ثبوت مانگتے اور کوئی ثبوت ہی تو نہ تھا اس کے پاس'..... وہ رشتے جو اس کی طاقت تھے انہیں رشتوں نے اسے تنہا کر دیا۔

''ایک ہی رات میں ایسا کیا ہوا کہ تم نے طلاق کا شوشا چھوڑ دیا' جبکہ شادی ملیح کی پسند سے یہ۔'' اس کی ماں نے اس پر یقین کرنے کی بجائے الٹا سوال کیا تھا۔ وہ ہر کسی سے مایوس ہو کے لوٹ آئی۔ جب دعائیں عرش بریں سے ہی خالی لوٹ آئیں تو پھر لوگوں سے رحم کی توقع بے کار ہے۔ اسے سمجھ آ گیا تھا کہ اپنا فیصلہ اسے خود لینا ہے..... یا تو رکھیل بن کے ساری عمر اس کے ساتھ رہے یا خود پر' بھاگ جانے' کی ذلت لے کر تھوڑی سی عزت کو بچا لے۔ اسی سوچ نے اس کے اندر باہر انگارے بھر دیئے تھے۔ جو کچھ کھو گیا تھا وہ واپس نہیں مل سکتا تھا اور جو تھا وہ اسے بچانا تھا..... فیصلہ ہو گیا تھا۔

''چلو میری جان' آج پھر تمہیں خود کے لیے تیار کروانے لے چلوں۔'' ملیح اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا۔ اس کے قرب سے انوش کو گھن آنے لگی' وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔

''اس دن تم نے مجھے اگنور کر کے اس دن کو خریدا ہے' شادی تو تم سے ہی ہونی تھی دو چار بار سے کیا فرق پڑ جاتا.....'' وہ اس کی لٹ کھینچتے ہوئے بولا۔ انوش نے زمانے بھر کی نفرت آنکھوں میں لیے اسے دیکھا۔

''بہت پارسا ہو تو' اب ساری عمر اپنی پارسائی کا ماتم کرو.....'' ملیح کی ذومعنی بات سے انوش کا دل ڈوب کے رہ گیا۔ اک تلاطم تھا جو اس کے اندر برپا ہوا تھا۔ جیسے جیسے اندر کا شور برپا ہوتا۔ انوش کے دل میں چنگاریاں سی جلنے لگتی۔ وہ چپ چاپ اٹھی اور اس کے ساتھ پارلر جانے کے لیے نکل پڑی۔ کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔ یہیں سے اک نئی آزمائش اور کٹھن رستے نے اس کا سواگت کیا تھا۔ اپنی سوچ کے ہزارویں حصے میں بھی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یوں بے سائبانی بھی اس کے مقدر میں ہو سکتی ہے۔ وہ خود کو قسمت کا دھنی سمجھتی تھی لیکن رشتوں کی بے اعتنائی اور بے یقینی نے ساری دھن کو خاک کر دیا۔

ٹوٹتے ہیں خون کے رشتے بھی

kutubistan.blogspot.com

غلطیاں دو چار کرکے دیکھنا

اس کے رشتے ٹوٹے تو اسے ان کے جوڑنے کی امید ہوتی لیکن اس کے رشتے بے اعتمادی کی سولی چڑھے تھے۔ ہمیشہ عورت ہی بے یقین کیوں ٹھہرائی جاتی ہے۔ مرد کی ہر غلطی کی ذمہ داری اس پر کیوں ڈال دی جاتی ہے' دھان پان سی نازک سی عورت' مرد کی ہر غلطی کا بوجھ اکیلے کیوں اٹھاتی ہیکہ اس بوجھ تلے دب کر وہ اپنی موت آپ مرجاتی ہے۔

راہوں کی دھول چاٹتے' خود کو وحشی نظروں سے بچاتے' خود کے زخمی اور شکستہ وجود کو گدھوں سے بچاتے وہ لاہور آئی تھی' کتنے گھنٹے اس نے سونے' جاگنے' کھانے پینے کے احساس کے بنا گزارے تھے اسے خود بھی نہیں معلوم۔ کبھی کبھی تو قریب بیٹھے مسافروں کو اس کی نیم مردہ حالت دیکھ کر موت کا شبہ ہونے لگتا۔ بظاہر نازک نظر آنے والی عورت قیامتوں کے ٹوٹنے سے بھی نہیں مرتی۔ وہ بھی زندہ تھی۔ ابھی تو زندگی کے امتحان شروع ہوئے تھے' جانے کتنے پرچے باقی تھے' وہ لاہور آئی تھی۔ اس لاہور..... جہاں اس نے اپنی زندگی کے تیس سال گزارے۔ اپنی جوانی' اپنے بڑھاپے کو خود سمیٹا۔ ایک ڈاکٹرنی نے رشتوں کی بے اعتمادی اور بے اعتنائی کی وجہ سے نوکرانی کی زندگی گزاری۔ اک وقت تھا جب رشتوں نے اسے پناہ دی تھی۔ نہ امان' تب اسے لگا تھا کہ زندگی ختم ہوگئی ہے لیکن اللہ سے بڑا کون کسی کا آسرا ہوسکتا ہے۔

جہاں مایوس ہوجاتا ہے انسان
وہیں محسوس ہوتا ہے کہ خدا ہے

اسی اللہ نے اپنے بندوں کو اس کا آسرا بنا کے بھیجا۔ اسے رشتوں کے بنا جینا نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ اکیلے رہنے سے ڈرتی تھی۔ اک وقت ایسا آیا کہ اس نے اپنی زندگی کی تیس سال تنہا گزارے۔ رشتوں کے بنا' انہیں یاد کیے بنا۔ یاد تھا تو فقط اتنا کہ خدا ہے۔ یا وہ بھولی بسری یادیں جسے وہ بھولنا نہیں چاہتی تھی۔ سزا کے طور پر یا پھر جزا کی خواہش میں.....!

تیس سال گزر گئے۔ ملیح کو اس کے جل دے کر بھاگ جانے پر افسوس تھا۔ اس نے کبھی لوگوں کی بات کی تصدیق نہیں کی تھی۔ جب لوگ ملیح کو 'بیچارہ' اور انوش کو 'بدکردار' کہہ کے پکارتے۔ لوگ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں خود کو عقلمند کہتے ہیں لیکن مٹی کے یہ انسان پرکھ میں اکثر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ملیح نے دوبارہ شادی کی' اسے تب بھی انوش کے ساتھ کی زیادتی پر افسوس نہیں ہوا۔ مرد بھی کیسا ظالم ہوتا ہے۔ ظلم کرکے اسے دوہرانا بھی اپنی مردانگی کی توہین سمجھتا ہے لیکن جب مکافات عمل سے گزرتا ہے تب احساس

کا عمل شروع ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی تکلیف سے گزرا تھا۔ وہ کئی سال اس کی تلاش میں بھٹکتا رہا۔ اپنا احساس جرم کم کرنے کے لیے اس نے انوش کے بھائی کو حقیقت بتائی تھی۔ کیونکہ اس کے ماں باپ کئی سال ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ ملیح کے دل میں انوش کی محبت نے تڑپ لی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کو ڈھونڈتا۔ آج وہ دشمن جان ملی بھی تو کس حال میں.....؟ ملیح کے احساس جرم کے ایک لفظ میں تلافی کا سکون ڈھونڈ کے مطمئن ہوجاتا ہے۔ وہ بھی خود کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ اگلی صبح وہ پھر انوش کے گھر چلا آیا۔ راشد نے جب اس سے انوش کو ملنے کی بے مقصد وجہ پوچھی تو وہ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہوگیا تھا۔ راشد کو بتانے کے لیے اس کے پاس انوش سے کوئی رشتہ نہیں تھا اور جو تھا وہ برسوں ہوئے انا' بدلے اور انتقام کی سولی چڑھا چکا تھا۔ اس نے بامشکل راشد کو رضامند کیا لیکن وہ بھول گیا تھا کہ اس کی کوشش ناکام رہے گی۔ جن اجنبی نظروں سے انوش نے اسے دیکھا' وہ اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔

''انو.....'' وہ دھیرے سے کہتا اس کے قریب ہوا۔ پل کے ہزارویں حصے میں انوش نے اسے پہچانا اور نفرت سے دیکھا۔ ''انو میں تم.....''

''معافی مانگنے آئے ہو تو زحمت مت کرنا۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے نقاہت سے بولی۔

''ایک بار انو.....'' وہ بے چین ہوا۔ ''سات جنم لو تب بھی نہیں.....'' وہ آنکھیں موندے سفاکی سے بولی۔

''میں نے جو غلطی کی اس کی سزا آج تک بھگت رہا ہوں' معاف کرکے سکون دے دو۔'' وہ رو پڑا۔ انوش نے آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ ''تم نے غلطی نہیں گناہ کیا تھا۔ جو سزا ملی کم ہے میں نے بنا جرم کے سزا کاٹی۔'' اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔ چہرہ پیلا ہوگیا تھا۔ ملیح اس کی حالت پر گھبرا کے اس کے قریب ہوا۔ ''ڈاکٹرز کہتے ہیں مجھے دماغ کا کینسر ہے' لیکن کینسر تو میری روح کو لگا تھا جس نے دیمک سے زیادہ تیزی سے مجھے چاٹا ہے.....'' اس کی سانسوں کا تسلسل دم توڑنے لگا تھا۔ ملیح شرمندگی کے سمندر میں غرقاب ہوا تھا۔ معافی کے لیے تلاشے سارے لفظ بنا قصور کے سولی چڑھنے لگے تھے۔

''انو.....''

''میں نے اپنی زندگی کے تیس سال بے حد عزت سے کاٹے ہیں۔ آخری وقت میں بے راز اور بے عزت نہ کرو۔'' وہ بامشکل اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی۔ ملیح کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ ''ایک بار میری سن لو۔'' وہ بے چینی کی حدود کو چھونے لگا تھا۔ ''میری زندگی کے تیس سال مجھے لوٹا دو' میرے رشتے مجھے واپس

kutubistan.blogspot.com

کردو۔ کیا ان لمحوں کی تکلیف کو لوٹا سکتے ہو جو میں نے تمہارا ناجائز بیٹا جنم دینے میں اٹھائی۔'' انوش کا دل سینے سے پھسلنے لگا تھا۔ سانسوں سے روح کا رشتہ ٹوٹتے محسوس ہوا۔ ملیح کے لیے 'بیٹے' کا رشتہ حیرانگی کا باعث بنا۔ وہ اولاد نرینہ سے محروم رہا۔ اس کی ماں نے اسے دوسری شادی کے لیے کہا بھی لیکن وہ نہ مانا۔ آج بیٹے کے رشتے پر وہ خوش بھی نہ ہو پایا۔ ''یہ کیسا ظلم ڈھایا تم نے ملیح کہ ماں بن کے بھی کبھی ممتا کی معراج کو نہ پا سکی۔ میرا بیٹا مجھے ''آئی'' کہتا ہے۔'' اس کی ہچکی بندھی ۔ ''انو تمہیں ہاسپٹل کی ضرورت ہے۔'' اس کی بگڑتی حالت پر وہ گھبرایا۔ ''میں تمہیں معاف کرنا تو دور کی بات..... معاف کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس کی آواز بند ہونے لگی تھی۔

''جاؤ ملیح احمد.....'' تمہاری موجودگی میں میری روح بھی فنا نہیں ہوگی۔'' وہ جان کنی کے عذاب سے گزر رہی تھی۔ ملیح نے شکست خوردگی سے اسے دیکھا۔ بوجھل قدموں اور بوجھل دل کے ساتھ پلٹا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ آنکھوں میں نفرت اور چہرے پر حقارت لیے راشد اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے قرار ہو کے اس کی جانب بڑھا۔

''دروازہ ادھر ہے۔'' اس کے لہجے میں زمانے بھر کی نفرت تھی۔ اک کسک' اک تشنگی اور اس کی جھولی میں آن گری۔ ملیح ہارے ہوئے جواری کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ راشد تیزی سے ماں کی جانب بڑھا۔

''ماں.....'' اس نے انوش کے ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں کو تھام لیا۔ انوش نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

مہلت ختم ہو چکی تھی۔ انوش کے چہرے پر ممتا کا سکون اتر آیا تھا۔ جبکہ راشد ممتا کے سائے سے محروم ہو گیا۔ روح قفس کے پنجرے سے آزاد ہو گئی۔ راشد انوش کا ہاتھ تھامے دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

کیونکہ میں ایک مرد ہوں

خواہش کرنا کسے اچھا نہیں لگتا' میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا ہوگا جس کے دل میں کسی آرزو' خواہش یا تمنا نے جنم نہ لیا ہو۔ میرے دل میں بھی ایک خواہش آج کل شدت سے ہلکورے لے رہی ہے۔ یہ الگ بات کہ مر کے بھی اس خواہش کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ''کیونکہ میں ایک مرد ہوں۔''

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کسی بھی انسان کو اپنی ''جنس'' پر افسوس ہوتا ہوگا لیکن شاید میں دنیا کا واحد مرد ہوں جسے اپنی مردانگی پر بے حد افسوس ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس قدر ناشکرا مرد ہوں' یقین مانیں میں ناشکرا بالکل نہیں بلکہ دکھی انسان ہوں' کیونکہ میں ایک مرد ہوں۔ میں ہمیشہ سے ہی اپنے مرد ہونے پر شاکی نہیں بلکہ یہ دکھ تو اس وقت میرے احساس پر حاوی ہوا جب میری' مردانگی پر پہلا تازیانہ لگا وہ بھی اک عورت کے ہاتھوں۔ کون کہتا ہے کہ پابندیاں صرف عورتوں کے لیے ہوتی ہیں۔ میں ہی نہیں بلکہ ہر مرد ہی سمجھتا ہے کہ پابندیاں صرف عورتوں کے لیے نہیں بلکہ مردوں پر بھی بے تحاشا لاگو ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ عورت ٹسوے بہا کے مظلوم ٹھہرا دی جاتی ہے اور مرد کو اس کی مردانگی کا طعنہ دے کر خاموش کروا دیا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کے نعرے تو سبھی لگاتے ہیں کوئی 'حقوق مرداں' کا نعرہ کیوں نہیں لگاتا۔ مرد کیوں اپنے حق کے لیے نہیں لڑ سکتا۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ ایک مرد ہے۔

''آپ کا نام.....؟'' میرا ایف ایس سی میں پہلا دن تھا۔ جب ایک تیلھی' کانفیڈینٹ' اسمارٹ اور جانے کیا کیا..... ایک لڑکی میرے پاس آئی اور میرا نام پوچھا۔

''تبسم افضال.....'' میرا نام سن کے اس نے بے تحاشا قہقہہ لگایا۔ بالکل مردوں کی طرح۔

''تمہیں کوئی مردوں والا نام نہیں ملا تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے لوٹ پھوٹ ہو رہی تھی اور میں شرمندگی کے سمندر میں غرقاب ہوا تھا۔ میری مردانگی پر زوردار تازیانہ لگا تھا کہ میں کراہ بھی نہ سکا۔ پھر تو یہ سلسلہ چل سو چل نکلا۔ یا یوں سمجھ لیں کہ میں محسوس زیادہ کرنے لگا۔ میری زندگی میں بہت سارے موڑ ایسے آئے کہ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مرد کے لیے بھی زندگی تنگ ہے۔

زندگی میں وہ بھی بے حد مشکل و مصائب کا شکار ہے یہ الگ بات کہ اسے اظہار کا حق نہیں صرف

kutubistan.blogspot.com

اس لیے کہ وہ ایک مرد ہے۔

میں آئینے سے آگے کھڑا اپنے بالوں کو نیا اسٹائل دے رہا تھا۔ جب آپی میرے کمرے میں آئیں۔ بدقسمتی سے میں بالوں کی پونی کر رہا تھا۔ ''یہ کیا تم ہر وقت آئینے کو چپکے رہتے ہو۔ کوئی مردوں والا کام بھی ہے تم میں' جا کے بال کٹواؤ۔'' وہ غصے سے دھاڑیں۔ میں نے ''جی اچھا'' کہا اور کمرے سے غائب ہو گیا۔ کیونکہ میں مرد ہونے کے ساتھ بزدل بھی ہوں' بال کٹواتے ہوئے میرا دل ماتم کرنے کو چاہا۔ میں اپنی مرضی سے بال بھی نہیں بڑھا سکتا۔ ''کیونکہ میں ایک مرد ہوں۔''

''آج کیا بنا ہے.....؟'' میں کچن کے دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''چنے کی دال.....'' آپی توے پر روٹی ڈالتے ہوئے بولیں۔

''کھانا دے دیں.....'' میں کہہ کے پلٹ آیا۔ چند منٹ بعد انہوں نے میرے سامنے گرم گرم روٹی اور تڑکا لگی دال رکھی۔

''اچار بھی لا دیں۔'' میں منہ میں پانی بھرتے ہوئے مزے سے بولا۔

''کبھی کسی مرد کو اچار کھاتے دیکھا ہے۔'' وہ حیرانگی سے میری جانب دیکھ رہی تھیں۔ میں نے سر جھکا لیا اور گرم گرم روٹی کا نوالہ بنا دال کے منہ میں ڈالا جس نے میرا حلق تک جلا دیا۔ میں چپ چاپ بنا اچار کے دال کھانے لگا ''کیوں میں ایک مرد ہوں۔''

''یہ اتنا کپڑوں کا ڈھیر کیوں لگا رکھا ہے.....'' اماں میرے کمرے میں آئیں تو بیڈ پر بے شمار کپڑے دیکھ کر حیرانگی سے بولیں۔

''اماں یہ سارے آوٹ آف فیشن ہو گئے ہیں۔ اب ڈبل شیڈ والی جینز کا فیشن نہیں..... ڈبل کف والی شرٹس نہیں چل رہی۔ کالی شلوار اب اِن نہیں.....'' میں ایک ایک کپڑے کا نقص بتانے لگا۔

''باؤلا ہوا ہے کیا؟ مردوں کو کیا تعلق ہے فیشن سے..... رکھ واپس انہیں الماری میں' اچھے بھلے کپڑوں کو موئے فیشن کی نذر کر رہا ہے.....'' اماں نے بے بھاؤ کی سنائی میں نے جو دس پندرہ سوٹ نکالے تھے انہیں دوبارہ چپ چاپ ہینگ کر کے الماری میں رکھنے لگا۔ مجھے فیشن ایبل کپڑے پہننے کا حق نہیں کیونکہ ''میں ایک مرد ہوں۔''

میں نے اپنی زندگی میں اپنی بہت سی خواہشوں کو صرف ایک لفظ کی سولی چڑھایا ہے۔ میں تیسری اور جب چوتھی بار بھی انٹرویو میں ناکام ہوا تو مایوسی میرے انگ انگ سے چھلکنے لگی۔ میرا شدت سے دل چاہا کہ میں ماں کی گود میں سر رکھ کر اپنی ناکامی کی بھڑاس نکالوں اور میری ماں میرے بال سہلاتے

ہوئے مجھے تسلی دے تب میں اپنی ناکامی کی ہر تکلیف کو بھول جاؤں۔

''کیا بات ہے یہ عورتوں کی طرح منہ کیوں پھلا رکھا ہے.....؟'' میری خواہش کا گلہ اس بات نے گھونٹ دیا۔ ''نوکری نہیں ملی.....'' میں رو دینے کو تھا۔ ''تو اس میں پریشان ہونے والی کونسی بات ہے۔ عورتوں جیسے ڈرامے چھوڑ مرد بن مرد.....'' ماں نے کچھ بھی سننے کی بجائے مجھے مردانگی کا جوش دلایا۔ اور میں ماں کی گود کی خواہش کو مردانگی کی سولی چڑھا کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ مجھے مایوس ہونے کا بھی حق نہیں' کیونکہ ''میں ایک مرد ہوں۔''

آپا کی رخصتی پر سبھی رو رہے تھے' ان کو رخصتی کے وقت گلے لگاتے ہوئے میرے بھی آنسو نکل آئے۔ ''لو دیکھو ذرا' مرد ہو کے چڑیا سا دل ہے' دیکھو تو کیسے عورتوں کی طرح ٹسوے بہا رہا ہے.....'' کسی خاتون نے اپنے لفظوں کی کاٹ سے میرے بہتے آنسوؤں کو روکا تھا۔ میں سسک کے رہ گیا۔ یعنی مجھے میری ماں جائی کی جدائی پر بھی رونے کا حق نہیں صرف اس لیے کیونکہ ''میں مرد ہوں۔''

دن' مہینوں اور سال میں بدلتے رہے لیکن یہ لفظ میرے ساتھ یوں جڑا رہا جیسے سانس سے زندگی' مجھے میری عزیز از جان محبوبہ نے ٹھکرا دیا لیکن میں اس کی جدائی اور بے وفائی پر کھل کے ماتم بھی نہ کر سکا صرف اس لیے کہ میں ایک مرد ہوں اور مردوں کو کسی بھی چھوٹ پر بلبلانے کا حق نہیں حتیٰ کہ دل پہ لگی پر آہ کا بھی حق نہیں۔

برسوں سے یہ جملہ سنتے اس قدر ڈھیٹ اور بے حس ہو چکا ہوں کہ دل ہر جذبے سے عاری ہو چکا ہے۔ یہ احساس میری گھٹی میں رچ بس گیا ہے کہ مرد کو اپنی تکلیف نہیں کراہنے کا حق نہیں۔ اسے اس قدر سخت جان ہونا چاہئے کہ وہ بڑی سے بڑی مشکل' تکلیف اور دکھ کو صرف اس لیے برداشت کرے کیونکہ وہ ایک مرد ہے۔

مرد اپنا دکھ صرف مردانگی کے لفظ میں لپیٹ کر ہی زندہ رہتا ہے۔ مرد نہ ہوا پتھر کا بت ہوا کہ اندر سے کھوکھلا پن اور باہر سے اتنی مضبوطی کہ ٹوٹ نہ پائے۔

بتایئے قارئین آپ انصاف کریں۔ میرے سامنے میرے نومولود بچے اور بیوی کا جنازہ پڑا ہے لیکن مجھے ایک بھی آنسو بہانے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ آنسو کمزوری کی علامت ہوتے ہیں۔ وائے دنیا کہ مرد کمزور نہیں ہوتا' آنسو اسے زیبا نہیں دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں ناں رویا تو میرا دل غم اور دکھ سے پھٹ جائے گا۔ آج پتہ چلا کہ ننانوے فیصد مرد دل کی بیماری میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں' اس لیے کیونکہ انہیں اپنے دکھ' درد کہنے کے لیے مردانگی کے حصار سے نکلنا پڑتا ہے جو کسی کو بھی گوارہ نہیں۔ خود کو

kutubistan.blogspot.com

اذیت دینا منظور لیکن مردانگی کا دم چھلا ہٹنا قبول نہیں۔ آج میں اس حصار سے نکل کے دھاڑیں مار مار کے رونا چاہتا ہوں اس اذیت ناک لفظ کہ ''میں ایک مرد ہوں'' کہ لاحقے کو ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی خواہش کی تکمیل کرتا۔ میرا سالا میرے گلے سے لگا کہہ رہا تھا۔ ''حوصلے اور صبر سے کام لیں بھائی جان' اگر آپ نے ہمت ہار دی تو ماں اور خالہ (میری ماں) کو کون سمجھائے گا۔'' اس نے چپکے سے میرے دہلیز تک آئے آنسوؤں کو دوبارہ اندر دھکیل دیا۔ یہ احساس میری روح میں دوبارہ پھونک دیا کہ میں ایک مرد ہوں اور مرد کو رونے کا حق نہیں۔ اپنا غم بہانے کا حق نہیں۔ میں نے حسرت اور بے چارگی سے اپنی ماں اور ساس کو دیکھا اور جنازے کے سرہانے بیٹھی بین ڈال ڈال کے رو رہی تھیں۔ اس دم مجھے وہ دنیا کی خوش قسمت ترین ہستی اور اپنا آپ سب سے زیادہ بے مایہ لگا۔

اپنی بیوی کے مرنے کے صرف پانچ ماہ سات دن بعد میں نے دوسری شادی رچالی۔ دل سے رضامند نہ ہونے کے باوجود بھی۔ صرف اپنے بیٹے انس کی خاطر..... کیونکہ میں تنہا اپنے ڈیڑھ سال بیٹے کو نہیں سنبھال سکتا کیونکہ میں ایک مرد ہوں۔

میں بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہوں۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ نہیں معزز قارئین مرد بھی انسان ہے وہ بھی بوڑھا ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ لفظ ''مرد'' کو کبھی بڑھاپا نہیں آتا۔ میرا انس میرا پیارا ہے جوان مرد بن گیا ہے' وہ اکثر مجھ سے ایسی فرمائش کرتا ہے جن کو صرف اپنی بزدلی اور مردانگی کی بھاری صلیب کی وجہ سے محروم رہا۔

پندرہ سالہ انس نئی اور انوکھی فرمائش کے ساتھ حاضر ہوا۔

''بالکل چلتے ہیں۔'' میں اسے ساتھ لپٹائے ہوئے بولا۔ ''تم میں سارے عورتوں والے شوق کیوں ہیں۔'' بیوی عادت سے مجبور اس کی انوکھی فرمائش پر طعنہ دیئے بنا نہ رہ سکی۔ ''کیوں کس کتاب میں لکھا ہے کہ مرد گول گپے نہیں کھا سکتے.....'' وہ جرح پر آمادہ تھا۔ مجھے ان دونوں کی نوک جھونک ہمیشہ لطف دیتی۔ میری بیوی میرے انس کو بے تحاشا چاہتی ہے..... اس کی ڈانٹ میں ہمیشہ محبت کا غلبہ رہتا۔ ''کیونکہ عورت کے لیے مٹھائی اور مرد کے لیے کھٹائی نقصان دہ ہے۔'' اس کی منطق پر انس کی ہنسی رکنے میں نہ آتی۔ نتیجتاً بیوی بڑبڑاتے ہوئے واک آؤٹ کر گئی۔ وہ ہنستے ہوئے مجھ سے لپٹ گیا۔ ''کیونکہ ہم مرد ہیں۔'' ہم دونوں کا مشترکہ قہقہہ کمرے کے در و دیوار ہلا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس لفظ نے مجھے لطف دیا۔ میرے اندر تک سکون اتر آیا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM